UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188886
UNIVERSAL
LIBRARY

نمبر ۱۲۱۵

حالات قسطنطنیہ

حصہ دوم

جزو اول و دوم

مصنفہ مولوی ابوالانشاء قسطنطنیہ کی بناء کی مختصر تاریخ کے بعد انگلستان کے مشہور بندرگاہ عالم پورٹسمتھ میں مولوی ابوالانشاء کی ایڈی صاحب اور سنڈیکیٹ تاجر مویشی کی کتابوں کی دکان میں اس شہر کے عجائب و حالات سلطانی و ملکی و تاریخی اور اپنی سیر کے واقعات تحریر کئے ہیں مرتب دے دیا گیا ہے

ایڈیشن

جو بیحد مناسب و موقع مصنف حواشی اور مفید نوٹ بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں

مرتبہ مولانا مولوی محمد الشاء اللہ صاحب بندہ العام آباد ضلع گوجرانوالہ

ادیب و وکیل امرتسر

زیر اہتمام منشی فاضل شیخ غلام محمد صاحب سپرنٹنڈنٹ مطبع شائع ہوئی

سنہ ۱۸۹۸ء

حسب ضابطہ رجسٹری کرائی گئی ہے

طبع اول

قیمت فی جلد عہ

ترکی اور خلافت عظمیٰ عثمانیہ کے متعلق چند مفید کتابیں

بست سالہ عہد حکومت اعلیحضرت خلیفۃ المومنین سلطان عبدالحمید خان ثانی شہنشاہ روم انگلستان کی ایک شاہزادی نے قسطنطنیہ میں رہ کر اپنے ذاتی تجربہ اور عینی دیدہ واقعات کی بنا پر سلطان المعظم کی حکومت کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی مولوی محمد انشاء اللہ نے اس کتاب کا اردو ترجمہ پہلی دفعہ مطبع خادم التعلیم پیسہ اخبار میں چھپوایا تھا جو عام پسند ہونیکی وجہ سے اسی سال میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا اور ملک کے مشہور اور قابل آدمیوں نے اپنی قیمتی رائیں لکھ کر نہایت تعریف کی پہلی اڈیشن میں صرف ۱۳ سال کے واقعات تھے لیکن اس دوسری اڈیشن میں اس سے بعد کے سات سال کے آج تک کے حالات بھی بڑی وضاحت اور عمدگی سے درج کر دیئے گئے ہیں۔ حسب موقع نہایت خوبصورت اور اضافہ تصویریں اضافہ کر دی گئی ہیں اس طرح پر ۵۴۰ صفحہ زیادہ ہو گئے ہیں چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ نفیس ہے۔ باایں ہمہ قیمت وہی پہلی ہی یعنی صرف عہ دفتر پیسہ اخبار سے جس کتاب کا اشتہار دیا جاتا ہے وہ اسی پہلی اڈیشن کی نقل ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا

مفروضہ مظالم آرمینیا۔ یہہ کتاب بھی مولوی محمد انشاء اللہ صاحب نمیندار انعام آباد کی تالیف ہے۔ اسمیں عالیدماغ اور فاضل مولف نے معاملات متعلقہ ٹرکی اور مسئلہ آرمینیا کی مختلف پہلوؤں پر بدلائل شائستہ و براہین باہستہ بحث کی ہے تمام اصحاب جنہوں نے اس کتاب کے مضامین کو پڑھا ہے نہایت درجہ اوان کی جامع اور بسیط ہونیکی تعریف کی ہے۔ اردو زبان میں ایسی جامع کتاب جو روم کے متعلق حالات سے کامل آگاہی دیسکے اب تک تالیف نہیں ہوئی۔ عہدنامہ برلن عہدنامہ سین سٹی فانو خطوط نپولین بوناپارٹ تقریر گلیڈسٹون غیرہ کو علاوہ آرمینیا کا نقشہ بھی شامل کر دیا ہے۔ ہر انصاف پسند کو علی العموم اور مسلمانوں کو علی الخصوص یہہ کتاب ضرور دیکھنا چاہئے۔ قیمت عہ

واقعات روم۔ یہہ کتاب ایک ایماندار مکین انگریز کی تصنیف ہے جس کو مولوی محمد انشاء اللہ صاحب نمیندار انعام آباد نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مجملاً تمام وہ ترقیاں درج ہیں جو موجودہ سلطان کے عہد میں ہوئی ہیں اس میں لاثانی مصنف نے کوئی صیغہ بغیر ذکر نہیں چھوڑا ریلوی کی حال ہی شروع کیا ہے۔ اور تمامی ضروری محکموں کی کیفیت نہایت وضاحت سے سمجھائی ہے۔ اس میں فاضل مترجم کے نوٹ اصل کتاب کے لطف کو دوبالا کئے دیتے ہیں اس کتاب کو دیکھنے کیوقت غور سے پڑھنے والا ایسا محو ہو جاتا ہے کہ وہ خود ٹرکی میں بیٹھا ہوا ہر صیغہ و محکمہ کی پڑتال کر رہا ہے۔ اس کتاب کو مفروضہ مظالم آرمینیا کو دیکھنے کے بعد دوم کے متعلق بہت ہی کم معلوم کرنا رہجاتا ہے جو اسمیں خوب جاکر دیکھنے سے متعلق ہے قیمت ۱۲ ار

ٹرکی کی موجودہ حالت اور اوسکی باجگذار ریاستیں۔ مرتبہ مولوی محمد انشاء اللہ سوئیٹ ٹیونس بلغاریا بوسنیا

قسطنطنیہ حصّہ دوم جزو اوّل

دیباچہ

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ

(۱) سلطنت روما کے اکابر میں آئے دن کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں سے جب سخت ابتری پھیل گئی فوجیں دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ اور جرمنی لوگ انکی کمزوری سے فایدہ اُٹھا کر زور پکڑتے گئے اور امرا اور سینیٹ کے عیش و عشرت میں پڑ جانے سے تمام ملکی کاروبار فوج کے ہاتھوں طے ہونے لگے تو رفتہ رفتہ فوج کو سلطنت کے اندرونی معاملات میں یہاں تک دسترس ہوگئی۔ کہ کوئی بادشاہ جسکو سینیٹ نے تخت نشین کیا ہو تخت و ملک کا سچا حقدار نہ سمجھا جاتا تھا جب تک کہ فوج اُسے منظور نہ کرتی۔ فوج جس بادشاہ کو چاہتی تخت نشین کرتی اور جسے چاہتی معزول کر دیتی۔ آخر نوبت بایں رسید کہ سینیٹ کے انتخاب کردہ بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول ہونے لگے اور فوج کے جرنیل اور سالار فوج کی رائے اور انتخاب سے بادشاہ بنائے جانے لگے جنہیں (اگر وہ فوج کی خلاف مرضی کوئی کام کرتے) فوج قتل کر دیتی اور اُسکی جگہ نیا سالار بادشاہ منتخب کیا جاتا۔

(۲) انہیں دنوں میں ڈائیوکلیشین جسکے والدین دلکھا جاتا ہے روم میں غلام تھے اور اپنی اعلیٰ قابلیتوں اور لیاقتوں کی وجہ سے فوج کا سپہ سالار ہوگیا۔ اور فوج نے اسے اپنا بادشاہ منتخب کیا اور یہ فوج کی مدد سے روم کے تخت پر یکمشت ہوا۔ یہ بادشاہ عقلمند و دور اندیش تھا۔ اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کس طرح

روم کے پہلے بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول کئے گئے ہیں اور کس طرح فوج کی طاقت اور زور بڑھ گیا ہے۔ پس اُس نے ارادہ کر لیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے فوج کے اس زور کو توڑنا چاہیئے اور اُس کو بخوبی بادشاہ کی تحت میں لانا چاہیئے۔ اس ارادے کو سرانجام تک پہونچانے کیلئے اُس نے سلطنت کو چار حصّوں میں تقسیم کیا۔

ا۔ تھریس۔ مصر اور ایشیا پر وہ خود حکمران ہوا۔

ب۔ اٹلی اور افریقہ میکسی مین کے سپرد ہوئے۔

ج۔ فرانس ہسپانیا اور برطانیہ قسطنطیس کے ماتحت کئے گئے۔

د۔ صوبجات ملحقہ دریائے ڈینوب پر گلیریس حکمران کیا گیا۔

اس طرح سے فوج کی طاقت بالکل زایل ہو گئی۔ کیونکہ اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی فوج بغاوت کرتی یا باغی ہو جاتی تو دیگر تینوں اُسکی سرکوبی کر دیتے۔ دوم فوج نے یہ خیال کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو قتل کرنا محض فضول ہے کیونکہ دوسرے تینوں اُسکی سرکوبی کر دینگے اور اسلئے اُنہوں نے اپنے حاکم کو قتل کرنا یا معزول کرنا بے حاصل سمجھا۔ اور بالآخر یہ ہوگئیں اور بادشاہ کا سکہ اُنکے دلوں میں بیٹھ گیا۔

(۳) سینیٹ کا زور بالکل ٹوٹ گیا اور آیندہ کیلئے روم دُنیا کا پایتخت نہ رہا۔ بلکہ ان چاروں نے وہ مقام رہنے کو پسند کئے۔ جہاں سے وہ سرحدی لوگوں کی سرکوبی کر سکیں اور سلطنت کو بیرونی حملوں سے بچا سکیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت حد سے بڑھ گئی۔ اور وہ فوج میں بہت کم آنے جانے لگے۔ وہ بڑے بڑے قیمتی لباس زیب تن کرتے اور کروڑوں روپے اُنکی تیاری پر صرف کر دیتے۔ ان کے شان و شوکت کو دیکھ کر فوج اُنہیں انسان کی ایک اعلیٰ قسم خیال کرنے لگی اور اُن سے خوف کھانے لگی۔

(۴) ڈائیوکلیشین[1] ۳۰۵ء میں تخت و تاج چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن نو سالوں کے بعد اُسے اپنے گوشے سے باہر نکلنا پڑا۔ کیونکہ اوگسٹس اور قیصروں میں خانہ جنگی ہو پڑی جو ۳۲۳ء میں ختم ہوئی اور فلیویس ولیریس کانسٹنٹائن تمام سلطنت اعظم تمام دُنیا کا مالک ہو گیا۔ قسطنطین اعظم قسطنطیس قیصر کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کی وفات پر ۳۰۶ء میں برطانیہ کا قیصر ہوا۔ وہ بڑا بہادر اور دانا تھا۔ ۳۱۴ء کی خانہ جنگی میں وہ دوسرے آگسٹس اور قیصر پر غالب آیا۔ اور ۳۲۳ء میں تمام روم دُنیا کا خود مختار حکمران ہو گیا۔

[1] ڈائیوکلیشین اصلی میکسی مین۔ اوگسٹس کہلاتے تھے اور قسطنطین اور گلیریس قیصر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مترجم

دین عیسوی کی اشاعت

اس ابتری اور خانہ جنگیوں کے دوران میں دین عیسوی رومن سلطنت میں آہستہ

آہستہ پھیلتا گیا۔ گرجوں اور معبدوں کی تعداد ہر ایک شہر میں دن دن بڑھتی گئی۔ گو روم کے شہنشاہ عیسائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بہت سے قیصر نیرو[۱] کے ہاتھوں قتل بھی کئے گئے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً دین عیسوی کی اشاعت جبراً بند بھی کر دیجاتی تھی۔ کیونکہ رومی یہ خیال کرتے تھے کہ عیسائی لوگوں کو نافرمانبرداری اور فتنہ پردازی سکھلاتے ہیں۔ اور یہ کہ عیسائی فرمانبردار رعایا نہیں ہوتے عیسائی لاکھوں اور ہزاروں کی تعداد میں ٹراجان[۲] ڈیسی اس[۳] اور ولیریئن[۴] کے ہاتھوں قتل کئے گئے تاہم وہ اپنے استقلال کی بدولت روز بروز بڑھتے گئے اور قسطنطین اعظم کے زمانے میں انہوں نے یہاں تک زور پکڑا کہ قسطنطین کو انکی بغاوت اور فساد کے خوف سے مجبوراً عیسوی مذہب اختیار کرنا پڑا اور ساتھ ہی اُس نے سلطنت کا مذہب عیسوی کر دیا۔

(۵) قسطنطین اعظم نے معلوم کر لیا کہ نئے مذہب کے خیالات اور عیسوی مذہب کو روم میں رائج کرنا قیصر کا ممکن ہے پر وہ اپنے پرانے خیالات اور پرانے مذہب پر ثابت قدم رہینگے۔ اور صدیوں کی تیار شدہ بنیاد کا دنوں اور ہفتوں میں توڑنا ناممکن ہے۔ اسلئے اور نیز چونکہ قسطنطین ایشیائی بادشاہوں کی طرز پر رہنا چاہتا تھا اور یہ بات اسی خاص روم میں نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے ایک مقام جو ایشیا اور یورپ کے نزدیک ہو اپنی رہائش کیلئے پسند کیا اور وہاں ایک نئے روم کی بنیاد ڈالی جو اُسکے نام پر قسطنطنیہ کے نام سے موسوم ہوا اور عیسوی مذہب کا مرکز قرار پایا۔

توضیح بعد البیان

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ مختصر طور پر ذکر ہو چکی ہیں لیکن اسکا مزید بیان کر دینا بعید از مناسبت نہ ہوگا۔ وہ اسباب جن پر اب خامہ فرسائی کی جائیگی مندرجہ ذیل ہیں:-

---

[۱] اسکا پورا نام لوسی اس ڈومی شیس نیرو ہے ۳۷ء میں پیدا ہوا ۶۸ء میں فوت ہوا۔ یہ شخص اس درجہ کا سفاک اور ظالم تھا کہ چنگیز خاں کو بھی اُسکا ثانی نہیں کہہ سکتے۔ اُسنے ایک مرتبہ آدھا روم شہر پر تھیٹر کو جلوا دیا تھا کہ انسانوں کو اپنی آنکھ سے تڑپتا ہوا دیکھے۔

[۲] مارکس اپی ایس نرواٹراجانوس رومن قیصر ۵۲ء میں پیدا ۱۱۷ء میں فوت ہوا۔

[۳] یہ ۲۴۹ء میں قیصر ہوا اور پچاس برس کی عمر میں جنگ گوتھ کے ساتھ لڑائی کرتا ہوا میدان جنگ میں قتل ہوا گبن اسکی بہت تعریف کرتا ہے

[۴] پبلیس لوسی نی اس ولیریانس رومی قیصر سنہ پیدائش غیر محقق سنہ وفات ۲۶۰ء

(۱) بائی زنٹیئم کی جائے وقوع۔ جب قسطنطین نئی نے اس سے جنگ ختم کر چکا تو اُس نے اپنی حکمت و تدبر کی بھی ویسی ہی شہرت چاہی جیسی کہ اُسے فن سپاہگری میں حاصل ہو چکی تھی۔ اُس نے خیال کیا کہ بائی زنٹیئم کی جائے وقوع قدرتی طور سے محفوظ ہے۔ اور وہاں کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نیز وہ تجارتی آمد و رفت کے فوائد کیلئے بڑی کارآمد ہے۔ قسطنطین کے زمانہ سے پہلے کے ایک پرانے مؤرخ نے اس جائے وقوع کے فوائد بیان کئے ہیں۔ جہاں سے ایک کمزور یونانی نوآبادی سمندر کی مالک ہو گئی اور اُس نے ایک آزاد جمہوری ریاست کی مستحکم بنا ڈال دی۔

۲ قسطنطنیہ کی قطع وضع۔ بائی زنٹیئم جس کا مبارک نام قسطنطنیہ ہے ایک مثلث کی شکل میں ہے۔ اُس کا ایک ضلع مشرق اور ایشیا کے کناروں کی طرف پڑتا چلا گیا ہے اور اس ضلع سے تھریشین باسفرس کی لہریں ٹکراتی ہیں۔ شہر کی شمالی جانب بندرگاہ سے گہری ہوئی ہے اور جنوبی جانب پر بحیرہ مارمورا واقع ہے لیکن اُسکی گرد و نواح کی زمین اور پانی کی قابل تعریف قدرتی ہیئت اور تقسیم واضح بیان کے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

(۳) باسفرس۔ وہ چوڑا آبنائے جس میں بحیرہ اسود کا پانی بڑی تیزی سے بحیرہ روم میں گرتا ہے باسفرس کے نام سے نامزد ہے۔ اسکے ڈھلوان اور پرسبزہ کناروں پر بہت سے مندر اور معبد بنے ہوئے تھے جن سے یونانی ملاحوں کی تباہی خطرات اور بے بہری کی شہادت ملتی ہے۔ ان لوگوں نے ارگونات[1] والوں کی پیروی کر کے بحیرہ اسود کے خطروں کو معلوم کرنیکے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالدی تھی۔ وہ یونانیوں سے پایا جاتا ہے کہ اسکے کناروں پر فنیقیوں کا محل جس میں محبوب پریاں بہری پڑی نہیں بنا ہوا تھا۔ اور یہیں ایسی کس جس نے سیتھس کی لڑائی میں لیڈ کے بیٹے کو پچھاڑا تھا حکومت کرتا تھا۔ آبنائے باسفرس کے اختتام پر سینیس گہاٹیاں آباد ہیں۔ ان گہاٹیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سطح آب پر تیرا کرتی تھیں اُنکو لوگوں کی تعجب بھری آنکھ سے بچانیکے لئے دیوتاؤں نے بحیرہ اسود کے راستہ کی حفاظت کے لئے اُنہیں ٹھہرا دیا۔ سینیئن گہاٹیوں سے لیکر بائی زنٹیئم کے بندرگاہ تک باسفرس کا پیچیدہ راستہ قریباً سولہ میل لمبا ہے اور اُسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۱½ میل ہے۔ یورپ اور ایشیا کے نئے قلعے سکریسس اور جیوسٹیریوری اس کے مشہور مندروں کی بنیادوں پر بنے ہوئے ہیں۔ یونانی شہنشاہوں کے پرانے قلعے

---

[1] یونان کے جزیرہ تھامولیا کے شہزادگوں کے بیٹے والے۔ [2] یونانی قدیم افسانوں کا ایک دیوتا۔

[3] یونانی میتھالوجی کی ایک خوبصورت شہزادی جس پر دیوتا مشتری اسکے غسل کرتے دیکھ کر عاشق ہو گیا اور ہنس کی شکل میں آسمان پر اڑا۔ اور لیڈ کے دیوتا سے دو بیٹے ہوئے۔

آبنائے کے اس تنگ مقام پر بنے ہوئے تھے جہاں سے بالمقابل کناروں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پانچسو قدم ہے۔ محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو اُن قلعوں کو گرا دیا اور اُنکی جگہ زیادہ مضبوط قلعے بنائے۔ لیکن ترکی فاتح کو غالباً اس امر کی خبر نہ تھی کہ اُسکی سلطنت سے دو ہزار سال پیشتر دارا نے بھی دوبراعظموں کو کشتیوں کے پل سے باہم ملا دینے کیلئے یہی مقام پسند کیا تھا۔ پُرانے قلعوں سے تھوڑی ہی فاصلہ پر کرسوپولیس یا سقوطری کا شہر آباد ہے جسے قسطنطنیہ کا ایشیائی حصہ خیال کرنا چاہئے۔ باسفرس جب پروپونٹس سے ملنے لگتی ہے تو بائی زنٹیم کا کسٹیڈین کے درمیان سے گذرتی ہے۔ کلسٹیڈین کو یونانیوں نے بائی زنٹیم سے چند سال پیشتر آباد کیا تھا اور اُسکے بانیوں کے اندھے پن پر جنہوں نے ساحل مقابل کے فوائد کو نظر انداز کر دیا تھا۔ عام نفرت ظاہر کیجاتی ہے۔

۴۔ بندرگاہ قسطنطنیہ کا لنگرگاہ جسے باسفرس کا بازو سمجھنا چاہئے قدیم زمانے سے شاخ زرین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا خم کسی قدر بارہ سنگا کے سینگ سے مشابہ ہے لیکن زیادہ تر یہ بیل کے سینگ سے مشابہت رکھتا ہے۔ ندین کا لقب ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ ہوا دور دراز ملکوں سے قسطنطنیہ کے وسیع اور محفوظ بندرگاہ میں کیا کیا دولتیں لاتی تھی۔ دریائے لائیکس جو دو ندیوں کے ملنے سے بنتا ہے بندرگاہ میں تازہ پانی متواتر ڈالتا رہتا ہے جس سے تہ صاف ہو جاتی ہے اور مچھلیاں اس آسایشگاہ میں جمع رہتی ہیں۔ کیونکہ لہریں ان سمندر نہیں اکثر بیچین و ساکن رہتی ہیں۔ بندرگاہ کی گہرائی اس قدر ہے کہ جہاز اسباب کو کشتیوں کے بغیر ہی لنگرگاہ میں اُتار سکتے ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض مقامات پر بڑے بڑے جہاز مکانوں کی دیواروں تک آسکتے ہیں۔ وہاں لائیکس سے لیکر وہاں لنگرگاہ تک باسفرس کا یہ بازو سات میل لمبا ہے۔ داخل ہونیکا راستہ پانچسو گز چوڑا ہے اور اکثر اوقات بندرگاہ اور شہر کو دشمن کے بحری حملے سے بچانے کیلئے ایک مضبوط زنجیر اُسکے آر پار ڈال دی جاتی تھی۔

۵۔ پروپانٹس۔ باسفرس اور ہیلس پانٹ کے درمیان اور ایشیا اور یورپ کے کناروں کے مابین بحیرہ مامورہ جو زمانہ قدیم میں پروپانٹس کے لقب سے ملقب تھا واقع ہے۔ باسفرس کے دہانہ سے لیکر ہیلس پانٹ کے آغاز تک جہاز رانی کا راستہ قریباً ایک سو بیس میل ہے۔ اُن جہازوں کے سوار جو بحیرہ مارمورا کے وسط سے مغرب کی جانب چلتے ہیں۔ تھریس[1] اور بی تھنیا[2] کی سطح آب سے بلند قطعات زمین اور کوہ اولمپس[3] کی بلند

---

[1] ترک اسے اسکودار کہتے ہیں۔

[2] یورپین ٹرکی کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مارمورہ [3] ایشیائی کوچک کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مذکور۔

چوٹیوں کو جو ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انکی دائیں جانب ایک گہری خلیج پڑتی ہے جسکے سرے پر ڈارڈینیلیز کی شاہی ہائیش گاہ شہر کو میڈیا آباد تھا۔ اور گالی پولی ہیں جہانکہ سمندر جو ایشیا اور یورپ کو علیحدہ کرتا ہے پہر ایک تنگ آبنائے سی ہوجاتا ہے لنگر زن ہونے سے پیشتر سنری کس اور پیروکوپی سس کے چھوٹے چھوٹے جزیرے اُنکے رستے میں پڑینگے۔

۶ ہیلس پانٹ جغرافیہ دان جنہوں نے نہایت ہوشیاری سے تحقیق کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہیلس پانٹ کا پیچدار رستہ ساٹھ میل لمبا ہے اور اس آبنائے کی معمولی چوڑائی قریباً تین میل ہے لیکن آبنائے کا نہایت ہی تنگ رستہ پرانے ترکی قلعوں کے تمثال کی طرف سیس اُس اور ابی دس شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے یہہ وہی مقام ہے جہاں بہادر لی اینڈر نے اپنی معشوقہ کو ہاتھ میں لانیکی خاطر دریا کی لہا جبیر ہو نکا مقابلہ کیا تھا اور یہی وہ مقام ہے جہاں خسرو نے بالمقابل کناروں کے درمیان جو پانچسو قدم کے فاصلہ پر ہیں اپنی ستر لاکھہ فوج کو یورپ میں داخل کرنیکے لئے کشتیوں کا پل بنوایا تھا۔ جو سمندر اس حد تک تنگ ہو اسے فراخ نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہومر اور آرفیوز نے ہیلس پانٹ کو فراخ بیان کیا ہے لیکن بڑائی اور چوڑائی مقابلتاً قیاس کیجاتی ہے۔ وہ مسافر اور خاصکر شاعر جو کہ ہیلس پانٹ میں سے گذرتے ہیں اُسکے پیچدار رستوں کا خیال اور اس قدرتی دہقانی نظارہ کے جو دونوں طرف برابر برابر چلا گیا ہے دیکھنے میں ایسے محو ہوجاتے ہیں کہ اُنہیں یہاں تک خبر نہیں ہوتی کہ وہ سمندر میں ہیں اور اُنکا خیال اس مشہور آبنائے کو ایک ایسا سمندر اور تیز رفتار دریا قیاس کرلیتا ہے۔ جو کہ درخت دار اور اندرونی ملک سے بہہ کر آخرش ایک فراخ دہانہ کی راہ ایجین[1] یا آرکی پلیگو میں جا گرتا ہے۔ قدیم شہر ٹرائے سی جو کہ وہ ایڈا کی ایک چوٹی پر واقع تھا ہیلس پانٹ کا دہانہ جس میں سیموائس اور سکامندر کی دائمی اور ابدی ندیاں گرتی ہیں بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ یونانی فوج محافظ کا شکر گاہ سیجین سے لیکر ریٹین کی پہاڑی تک کنارہ کے ساتھ ساتھ بارہ میل میں پھیلا ہوتا تھا۔ بائی زنٹیم کے موقع کے چننے آنے سے پیشتر قسطنطین نے اُس وسیع میدان کو جو قدیم ٹرائے کے پاس ریٹین پہاڑی اور ایجکس کی قبر کی طرف واقع ہے اپنے نئے دارالسلطنت کیلئے پسند کیا تھا۔ اور تعمیر کا کام بھی شروع ہوگیا تھا مگر اسے جلد ہی ترک کردیا گیا۔ تاہم نامکمل دیواروں اور برجوں کے شاہانہ بقیہ اُن لوگوں کی توجہ کو جو ہیلس پانٹ کی آبناؤں سے گذرتے ہیں مدتوں تک اپنی طرف کھینچتے رہے۔

---

[1] بحیرہ مجمع الجزائر۔

۷۔ فوایدِ قسطنطنیہ قسطنطنیہ قدرتاً ایک ایسے مقام پر واقع ہے کہ اُس کیلئے ایک بڑی سلطنت کا دارالخلافہ یا مرکز ہونا ضروری ہے اُسکی جائے وقوع بڑے بڑے فوایدِ لحق ہیں۔ یہ شاہی شہر سات پہاڑیوں پر بنا ہوا ہے۔ یہاں کی آب ہوا خوشگوار و معتدل ہے۔ زمین سرسبز اور بندرگاہ محفوظ اور وسیع ہے خشکی کے راستہ اُسکی طرف بڑھنا بہت مشکل اور اسکی حفاظت بہت آسان ہے۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ قسطنطنیہ کے دو دروازے خیال کرنے چاہئیں۔ یہاں کے بادشاہ ہمیشہ اُنکو دشمن کے جنگی بیڑہ جہازات کے برخلاف بند کر دیتے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کیلئے کھلا رکھا کرتے ہے قسطنطین کی یہ پالیسی تھی کہ شمالی صوبجات کو محفوظ رکھے چنانچہ یوکسائین کے باشندے جو زمانہ گذشتہ میں بحیرہ روم میں اپنی فوجیں لے آتے تھے لوٹ مار سے باز آگئے اور ناقابل فتح حد پر حملہ کرنے میں مایوس ہوگئے جب باسفرس اور ہلیس پانٹ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہے تو دارالخلافہ کے وسیع احاطہ میں ہر ایک پیداوار مہیا ہوتی تھی اور وہ اُسکی ہشیار باشندوں کی ضروریات اور سامان عیش کیلئے کافی تھی۔ تھریس اور بی تھنیا کے سواحل بحر گو بدنسقی سے بہت کچھ برباد ہوگئے ہیں۔ تاہم ابھی تک وہاں انگورستان۔ باغیچے اور فصلیں بہت اچھی حالت میں دیکھی جاتی ہیں۔ اور مشہور ہے کہ پروپانٹس میں اس کثرت سے مچھلیاں موجود ہیں کہ اُن کو موسم بہار میں بغیر کسی مشکل یا محنت کے پکڑ سکتے ہیں اور پھر بھی اُنکا ذخیرہ ختم نہیں ہوتا۔ لیکن جبکہ تجارت کا رستہ کھولدیا جاتا ہے تو قسطنطنیہ یوکسائین اور بحیرہ روم کے جنوب اور مشرق کی قدرتی اور مصنوعی دولتوں سے مالا مال ہو جاتا تھا اور وہ ذخائر وغیرہ جو جرمنی اور سیدیا کے جنگلوں میں تھے آس اور بوس تھنیز کے معبروں تک اکٹھے کئے جاتے ہے۔ جو کچھ یورپ اور ایشیا کے کاریگر تیار کرتے ہے مصر کا غلہ اور دور دراز ہندوستان کے جواہر موتی قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں جس نے کئی زمانوں تک قدیم دنیا کی تجارت کو اپنی طرف کھینچ رکھا تھا لائے جاتے ہے۔

۸۔ شہر کی بنا خوبصورتی ضبطی اور دولت کا ایک مقام پر جمع ہونا قسطنطین کی پسند کی کافی تصدیق ہے۔ ہر ایک زمانہ میں رواج چلا آیا ہے کہ جب کسی بڑے شہر یا قصبہ کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ تو اُسکے بارے میں بہت سے قصے اور کہانیاں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح قسطنطین نے قسطنطنیہ کی بنیاد ڈالتے وقت یہ اظہار کیا کہ مجھے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اسلئے خدا کے احکام کی فرمانبرداری میں میں اس شہر کی ہمیشہ تک قائم رہنے والی بنیاد ڈالتا ہوں۔ لیکن اُس نے یہ کبھی بیان نہیں کیا تھا۔

کہ اُسے الہام کس طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس امر میں خاموشی اختیار کرنے سے مورخین یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اُسکو الہام نہ ہوا کرتا تھا۔ بلکہ جب وہ بائی زنٹیم کی دیواروں کے اندر سویا کرتا تھا تو اُسکو وہم خوابوں میں اُسکے خیالات کی مجسم تصویر اُسکے روبرو پیش کر دیا کرتے تھے۔ خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ پیرانسالی اور کمزوریوں کے بوجھ سے دبی ہوئی معزز بوڑھی عورت جو شہر کی نگہدار چڈیل تھی دفعتہً ایک نوجوان دوشیزہ نازنین کی شکل میں بدل آئی ہے جس کو خود اُس نے اپنے ہاتھوں سے تمام شاہانہ عظمت کے نشانوں کے ساتھ ہار سنگار کیا ہے۔ یہہ دیکھکر وہ چونک پڑا اور یہہ خواب اوروں کو سُنایا اور بغیر کسی تاخیر کے خدا کی مرضی کی تعمیل کی۔ رومنز میں یہہ رسم مدتوں سے چلی آتی تھی کہ جب کسی نئے شہر یا نوآبادی کی بنیاد ڈالی جاتی تو وہ بڑی خوشی مناتے اور جلسے کرتے۔ گو قسطنطین عام لوگوں کی رسموں کے ادا کرنیکا زیادہ خواہشمند نہ تھا۔ لیکن یہہ بھی اُس نے عوام کے دلوں پر اپنا کچھ اثر جمانے کیلئے چند رسومات کو بڑی دھوم دھام سے ادا کیا۔ ایک جلوس شاہانہ کو ساتھ لیکر شہنشاہ پیادہ پا اُنکے آگے آگے چلا۔ اُسکے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس سے وہ حدود سلطنت کو نشان کرتا ہوا چلا گیا اور اُسکا محیط یہاں تک بڑھ گیا کہ اُسکے نائبین دیکھکر حیران ہو گئے لیکن شہنشاہ ابھی تک نشان کئے جا رہا تھا۔ آخر اُن سے نہ رہا گیا اور یہہ کہنے سے باز نہ رہ سکے کہ حضور بس فرمائیے شہر کی حدود بہت بڑھ گئی ہیں۔ قسطنطین نے جواب دیا۔ میں ابھی اور آگے بڑھونگا جب تک کہ میرا رہنما جو کسی کو نظر نہیں آتا اور جو میرے آگے آگے چل رہا ہے ٹھیرنا مناسب خیال نہ کرے۔ ہم اس عجیب رہنما کی خود کوئی تحقیقات کرنا نہیں چاہتے۔ اور اُسکو یہیں چھوڑ کر قسطنطنیہ کی حدود اور وسعت کو بیان کرتے ہیں۔

۹۔ سوزومن یقول گبن۔ شہر کی اصلی حالت سر اگلیو کے باغات اور محلات جو سات پہاڑیوں میں سے سب سے پہلی پہاڑی پر بنے ہوئے ہیں ایکسچینج ایکڑ رقبہ پر ہیں۔ ترکی غیر متمدن اور مطلق العنانی کی نشیمت گاہ گریشیئن جمہوری کی بنیادوں پر بنی ہوئی ہے۔ لیکن یہہ بتا دینا مناسب ہے کہ باشندگان بائی زنٹیم بندرگاہ کی راحت و آرام کو مدنظر رکھکر سر اگلیو (صحیح قدیم محل شاہی) موجودہ حدود سے پرے آباد تھے قسطنطین کی نئی دیواریں پرانی فصیلوں سے پندرہ سٹیڈیا[1] کے فاصلہ پر بندرگاہ سے لیکر پروپانٹس تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور شہر بائی زنٹیم اور سات میں سو پانچ پہاڑیوں کے گرد جو ایک ناظر کی نظر میں نہایت ہی خوبصورت ترتیب سے اُٹھتی چلی گئی ہیں بنی ہوئی تھیں۔ بانی کی وفات سے ایک صدی بعد بندرگاہ اور پروپانس کے اطراف میں اور بہت سی عمارات بن گئیں اور چھٹی پہاڑی کا تنگ کنارہ اور ساتویں پہاڑی کی فراخ چوٹی بھی اُنمیں گھر گئی

[1] ایک سٹیڈیا = ۲۰۲ گز ۹ انچ

شہر اور اسکی نواحیات کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے نیگرو خود تھیوڈوسی اس نے اپنے دارالسلطنت کے گرداگرد ایک بڑی مضبوط فصیل بنوائی۔ مشرقی پہاڑی سے لیکر زین دروازہ تک قسطنطنیہ کی زیادہ سے زیادہ لمبائی تین رومن میل تھی۔ محیط دس اور گیارہ میلوں کے بین بین تھا اور اسکی سطح قریباً دو ہزار انگریزی ایکڑوں کے برابر تھی۔ موجودہ زمانے کے سیاحوں کی جو یورپ اور ایشیا کے متصلہ دیہات کو قسطنطنیہ کی حدود میں شامل بتاتے ہیں مبالغہ آمیز تحریروں کی تصدیق کرنی ناممکن ہے۔ لیکن پیرا اور گلاٹا کے محلے کوہ بندرگاہ سے پرے واقع ہیں شہر کا ایک حصہ خیال کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہہ زیادتی بائی تھیم کے اس مورخ کی تصدیق کرتی ہے جس نے قسطنطنیہ کے محیط کو سولہ یونانی میل بتایا ہے۔ اتنی بڑی وسعت ایک شاہی رہائشگاہ کیلئے کچھ کم نہیں ہے۔ تاہم قسطنطنیہ قدیم بابل اور تھیبز قدیم روم۔ لندن اور نیویارک سے نسبتاً چھوٹا شہر ہے۔

۱۰ صنعت و حرفت کی ترقی۔ رومن دنیا کے مالک نے جب اپنی سلطنت کی سلوت و شوکت قائم رکھنے کیلئے ایک یادگار بنانیکی تجویز کی تو اس نے زر محنت اور اپنی لکھو کہا رعایا کی ہنر و فنون سے پورا پورا کام لیا قسطنطنیہ کی دیواریں رواق اور حوض بنانے پر چھبیس لاکھ پونڈ کی لاگت آئی۔ یوسائین کے جنگلوں اور جزیرہ پروکونی سس کی سفید سنگ مرمر کی کانوں سے مصالحوں کا ذخیرہ سہولیت کیلئے کشتیوں پر لاد لاد کر بائی ریٹیم کے بندرگاہ میں لایا گیا۔ کام کو انجام تک پہونچانیکے لئے بیشمار مزدور اور کاریگر لگائے گئے جنہوں نے بڑی جانفشانی سے کام کو تمام کیا۔ لیکن قسطنطنیہ کو اس وقت معلوم ہوگیا۔ کہ صنعت و حرفت کے تنزل سے اسکی تجارت و نیز شان و شوکت میں اسکو حسب منشا ترقی نہیں ہوئیں۔ اور یہہ کہ عمارت کی خوبصورتی و زیبائش اس سے نسبتاً بہت ہی کم ہے جو اس نے خیال کر رکھی تھی۔ اسلئے صوبجات کے اعلیٰ احکام کے نام حکم نافذ ہوئے کہ ہر ایک جگہ سکول بنائے جاویں معلم مقرر کئے جاویں اور انعام و اکرام اور حقوق کی امید دلا کر ذہین طلبا کی ایک کافی جماعت کو جنہوں نے ابتدائی تعلیم پائی ہو صنعت و حرفت کی طرف مشغول کیا جاوے۔ نئے شہر کی عمارات انہی کاریگروں نے بنائیں جنہیں قسطنطین اسوقت مہیا کر سکا۔ لیکن انکو زیبائش کا کام پیریکلیز اور سکندر کے زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں سے تمام یا قدیم عمارتوں سے فیڈیاس اور اسی پس کی سی ذہانت کو از سر نو تازہ کرنا تو رومن شہنشاہوں کی حد قدرت سے اعلیٰ و برتر تھا۔ لیکن اعلیٰ فنون و ہنر کی یادگاریں جو وہ پیچھے چھوڑ گئے تھے بعینہ کسی حفاظت کے ظالم یعنی کیلئے

کھلدی گئیں - اُسکے حکم سے یونان اور ایشیا کے شہروں سے قیمتی زیور و جواہرات لوٹ لئے گئے قابل یادگار جنگوں کی نشانیاں - مذہبی عزت کی اشیاء - اور قدیم زمانے کے دیوتاؤں - بہادروں رشیوں اور شاعروں کے نہایت ہی خوبصورت بت قسطنطنیہ کی نذر کر دیئے گئے -

۱۱ - عمارات - بائی زینٹیم کے محاصرہ میں فاتح نے اپنا خیمہ دوسری پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیا تھا اپنی فتح کی یادگار قائم رکھنے کیلئے اُس نے بڑے پہاڑی فورم (چبوترا) کیلئے جو دائرہ کی شکل میں یا کسی قدر بیضوی صورت میں ہو یہی کارآمد مقام پسند کیا - بالمقابل کے دو دروازوں پر بڑی بڑی عالیشان محرابیں بنی ہوئی تھیں - اور واقعی میں جو چبوترہ کے چاروں طرف بنی ہوئے تھے بہت بہرے پڑے تھے اور اُسکے وسط میں ایک بلند مینار بنا ہوا تھا - اِس کا بدنما بچا کھچا حصہ اب برنٹ پلر (جلا ہوا ستون) کے نام سے مشہور ہے - یہ مینار ایک سو بیس فیٹ بلند سنگ مرمر کے پائے ستون پر بنا ہوا تھا - اور اس میں سنگ سماق کے دس ٹکڑے جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس فیٹ اور محیط قریباً تینتیس فیٹ تھا لگے ہوئے تھے - مینار کی چوٹی پر جو زمین سے ایک سو بیس فیٹ بلند تھی اپولو کا ایک بہت بڑا بت نصب تھا یہ پیتل کا بنا ہوا تھا اور ایتھنز یا فریجیا کے کسی شہر سے یہاں لایا گیا تھا - خیال کیا جاتا ہے کہ فیڈیاس اسکے بنانے والا تھا - یہ بت دن کے دیوتا کی تصویر تھی - یا جیسا کہ بعد ازاں بیان کیا گیا ہے خود شہنشاہ قسطنطین کی تصویر تھی جس کے بائیں ہاتھ میں ایک عصا تھا اور دائیں میں کرۂ زمین اور سر پر ایک روشن تاج جگمگا رہا تھا - سرکس یا ہپوڈروم ایک عالیشان عمارت تھی جسکی لمبائی چار سو قدم اور چوڑائی ایکسو قدم تھی - دونوں نشانوں کے درمیان کی جگہ میں بت اور مربع مینار بنے ہوئے تھے اور ابھی تک قدیم زمانے کا بچا ہوا ایک حصہ موجود ہے یعنی تین سانپوں کے جسم جو ایک تانبے کے مینار کی شکل میں لپٹے ہوئے ہیں - کسی زمانے میں اُنکے تین سروں پر ایک طلائی تپائی سجی ہوئی تھی جسے فتحمند یونانیوں نے خسرو کی شکست کے بعد ڈیلفی کے مندر میں نذر کر دیا تھا - ہپوڈروم کی خوبصورتی کو ترک فاتحوں کے سخت ہاتھوں نے بالکل بدنما کر دیا ہے - یہ آج میدان (میدان اسپاں) کے نام سے ابھی تک اُن کے گھوڑوں کی مشق کا مقام ہے تخت سے جس پر شہنشاہ بیٹھ کر سرسیٹن کرتب دیکھا کرتا تھا ایک پیچدار زینہ ایک عالیشان محل کو جو معاً اپنے ایوانوں اور رواقوں کے پیاٹس کے کناروں پر ہیں اور گرجا سینٹ صوفیا کو دریا ایک بڑے

احاطہ زمین پر بنا ہوا ہتا جاتا تھا۔ اسی طرح دہاں غسلخانے بھی تھے۔ جو ابھی تک زیوکسی پس کے نام سے مشہور ہیں انکو قسطنطین نے اپنے مال خیرات سے تیار کروایا تھا اور ان میں مختلف قسم کے پتھروں کے بلند مینار اور بیٹھ سے اوپر پیتل کے بت بنے ہوئے تھے۔ اگر شہر کی ہر ایک عمارت کا مفصل ذکر کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائیگی اسلئے یہہ کہہ دینا کافی ہے کہ ایک بڑے دارالسلطنت کے زینت و زیبایش اور اسکے باشندوں کے تفریح گاہ کیلئے جو کچھ ضرور ہے وہ سب قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر موجود تھا۔ اسکی بنیاد سے سو برس بعد جو حالات لکھے گئے ہیں انکے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت قسطنطنیہ میں۔ ایک تعلیم و تربیت کا سکول ایک سرکس۔ دو تھیٹر۔ آٹھ حمام اور ایک سو تریپن پرائیویٹ غسل خانے۔ بارہ دواق۔ پانچ غلہ کے کھتے۔ آٹھ تالاب۔ سینیٹ یا عدالت کے اجلاس کیلئے چار وسیع کمرے۔ چودہ گرجے۔ چودہ محل اور چار ہزار تین سو اٹھاسی عالیشان اور خوبصورت مکانات تھے۔

۱۲۔ آبادی قسطنطین کی دوسری بڑی خواہش یہہ تھی کہ اسکے پیارے شہر میں آبادی کی خوب رونق ہو۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ رومہ کے شریف خاندان ممبران سینیٹ حکام اور انکے بیشمار نوکر چاکر سب اپنے بادشاہ کے پاس پروپانٹس کے کناروں پر چلے آئے۔ اور پرانے دارالخلافہ میں صرف ذلیل قومیں ہی آباد رہگئیں۔ اٹلی کی زمینیں جن پر اب تک باغات لگے ہوئے ہیں خوب کاشتکاری کیجاتی تھی فوراً زراعت اور آبادی سے محروم ہوگئیں۔ یہہ خیال نہ کرلینا چاہیئے کہ قسطنطنیہ کی آبادی انسان کی تعداد اور محنت میں اضافہ ہو جانے سے بڑھ گئی تھی بلکہ یہہ سلطنت کے دیگر شہروں کی تباہی سے بڑھی تھی۔ رومہ اور مشرقی صوبجات کے دولتمند سینیٹرز کو قسطنطین نے مدعو کیا اور یہیں رہنے اور اپنی قسمت آزمائی کرنیکی فہمایش کی۔ تمام لوگوں نے اسے قبول کرلیا اور سب کو رہنے کیلئے محلات۔ زمینیں۔ وظیفے اور پونٹس اور ایشیا میں جاگیریں عطا کیں۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہہ سب کچھ بند کر دیا گیا۔ کیونکہ جہاں کہیں بادشاہ رہے وہیں وزراء۔ امراء اور دیگر باشندوں کو رہنا پڑتا ہے اور اس طرح دارالسلطنت میں بہت ترقی ہو سکتی ہے اور وہاں مزدوروں سوداگروں اور کاریگروں کی بہت مانگ رہتی ہے۔ اس طرح پر قسطنطنیہ میں ہر قسم کا آدمی موجود پایا جاتا تھا اور یہی اسکی آبادی میں ترقی ہونیکی وجہ تھی۔ باشندوں کی فراوانی کے باعث پہلا احاطہ زمین کم ہو گیا اور اس میں اور بہت سا قطعہ زمین شامل کر لیا گیا۔

قسطنطین اور شاہان روم کے زمانے میں قسطنطنیہ کی یہہ حالت تھی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کئی

ایک بادشاہ گرویوں اور انقلابوں کے بعد ترکوں نے اُس پر حملہ کیا۔ لیکن کئی دفعہ اُنہیں منہ کی کھانی پڑی۔ بایزید یلدرم بہادر بادشاہ جس نے ایشیا اور یورپ میں اپنا سکہ بٹھایا تھا اس پر حملہ کرنے سے جھجکتا رہا اور آخر جب اُس نے فتح کرلیا تو تیمور کی یلغار نے اُسے دبا دیا۔ بالآخر سلطان محمد ثانی نے اسے فتح کیا اور ترکی گورنمنٹ کا دارالخلافہ قرار دیا۔ اُس زمانے سے لیکر یہ آجتک خاندان عثمانیہ کا پایہ تخت چلا آتا ہے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد بھی اس میں بہت سے تغیر واقع ہوئے اور اس نوجوان دوشیزہ نازنین نے آخر شب آجکل وہ روپ اختیار کیا ہے جسکی کیفیت بیان کرنے کیلئے سینکڑوں جادو نگاروں نے روقلم دکھایا اور ہزاروں آئندہ دکھائینگے۔ قسطنطنیہ کی بنا، ایام گذشتہ کی تاریخ، اسکی قدیم عمارات اور موجودہ شاہی محلات کا مفصل بیان حصہ اول میں درج کیا جائیگا۔ جو کافی مصالح بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے اب تک تیار نہیں ہوسکا ہے مگر محمد مفتی عزیز احمد صاحب الکھنوی مقیم گلاسگو کی امداد اور نوازش سے یہ کمی تقریباً اب پوری ہوگئی ہے۔ اس حصہ میں صرف موجودہ نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس غرض کیلئے لیڈی میکس مولر اور ایف موریسن کرافورڈ کی کتابوں کا بجنسہ ترجمہ دیدینا کفایت کریگا۔ قسطنطنیہ پر یہ تازہ ترین یورپین تصنیفات ہیں۔ ترجمہ میں جابجا حسب ضرورت حواشی بھی ایزاد کردیئے گئے ہیں۔ اور تمدن عرب کے بعد غالباً یہ پہلی کتاب ہے جس میں بعینہٖ ویسی اعلیٰ قسم کی الیکٹروٹیپ تصویریں دیگئی ہیں۔ جیسے کہ ولایتی کتابوں میں ہوتی ہیں۔

(خاکسار مترجم)

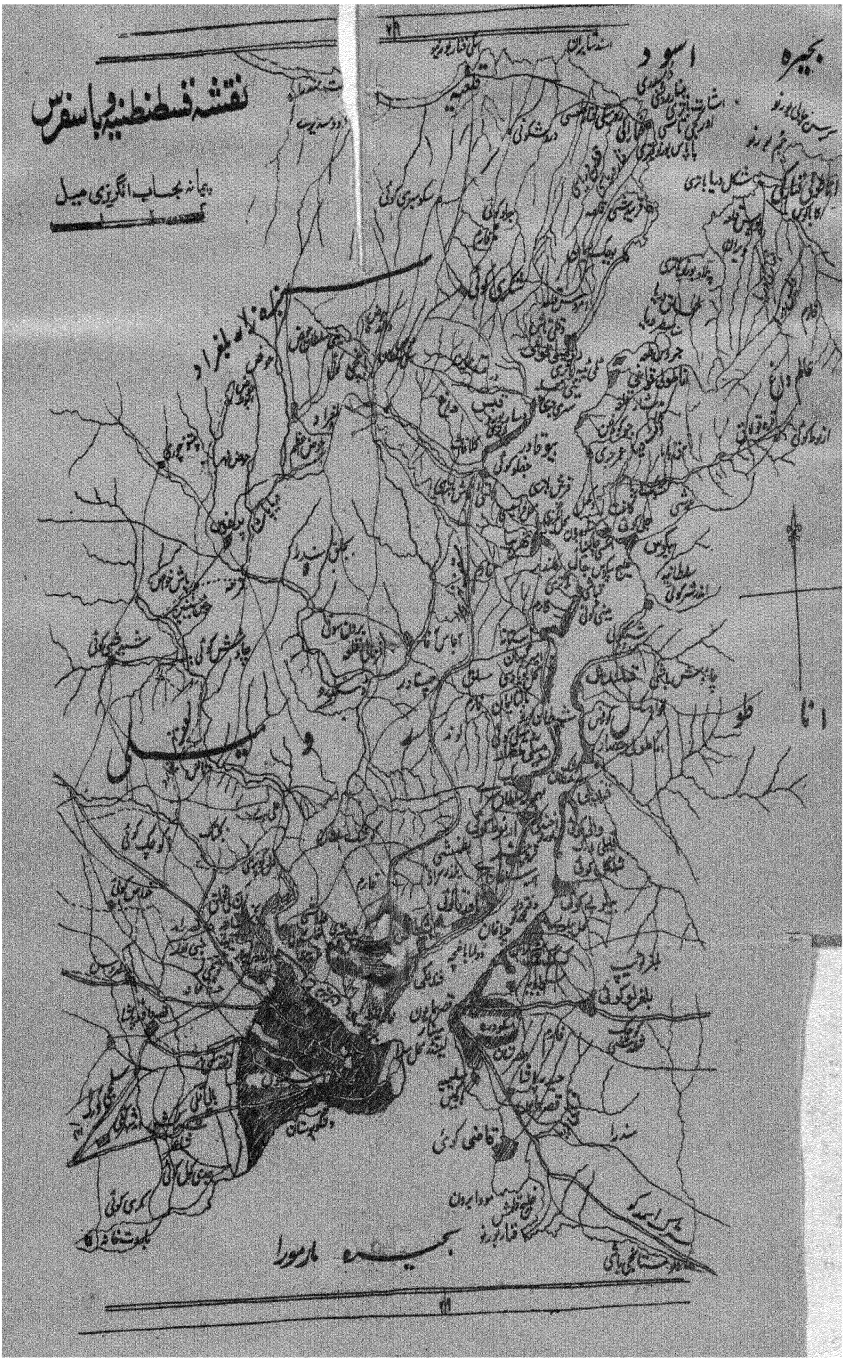
نقشہ قسطنطنیہ و باسفرس
پیمانہ بحساب انگریزی میل
بحیرہ اسود
بحیرہ مارمورا
سلیمانیہ
قاضی کوئی
طوپ خانہ

خطوط

از

قسطنطنیہ

محررہ

لیڈی میکس مولر صاحبہ

فہرست مضامین

(۱) قسطنطنیہ میں ورود

(۲) پل غلطہ (محررہ پروفیسر الیف میکس مولر)

(۳) محلسرا ہمایوں و خزانہ عامرہ

(۴) سلاملک

(۵) محل یلدز سرای

(۶) رسول اللہ (پروفیسر میکس مولر)

(۷) مساجد و تربیتیں

(۸) محلسرا یلدز میں دعوت

(۹) قدیم شہر نیا میں

(۱۰) باسفورس پر تفریحی پارٹیاں

(۱۱) دربار قربان بیرام (عیدالضحی)

(۱۲) نیا عجائب خانہ اور صیدان کے تعویذ ہائے قبور

(۱۳) بروصہ

(۱۴) امام حسن وحسین

(۱۵) ترکی خاتونیں

(۱۶) آخری باریابی سلطانی بارگاہ میں

فہرست تصاویر عکسی

گوشہ محلسرا

پل غلاطہ

چینی لی کوشک

سلاملک

جامع ایاصوفیا کا اندرونہ

محمود ثانی کی تربت

قدیم شہر پناہیں

والدہ بند

اسکندر اعظم کی قبر کا تعویذ

پلوری سس کی " "

بروصہ کی سبز مسجد

ترکی خاتون مشیق اور فرجیں

دیباچہ لیڈی صاحبہ

تین برس ہوئے جو خطوط میں نے قسطنطنیہ سے جہاں چند ایام میں نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کئے تھے تحریر کئے تھے۔ اُن میں اور ضمامین بڑھا کر یہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ میں وہاں اپنے خاوند کے ساتھ جیسا اب ہوا کی تبدیلی اور آرام کرنیکی ضرورت تھی اپنے بیٹے کو جو انگریزی سفارت کا سکرٹری تھا اور اب بھی ہے ملنے گئی تھی۔ ہمارے فرزند نے باسفرس کی بہار اور دلفریب خوبصورتی کے متعلق ہم کو اپنے خطوط میں مفصل لکھ کر بہت کچھ تیار کر دیا ہوا تھا۔ تاہم اس دریا کے پُر فضا نظارے اور قسطنطنیہ اور اُسکے قرب و جوار کی پرانی یادگاروں کے عجائبات اور دلکشی کے مشاہدہ سے ہم شغفدر رہگئے۔ سر کلیمر فورڈ انگریزی سفیر اور سفارت کے تمام دیگر ارکان ہم سے کمال خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آئے۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے ہمارے حال پر ایسی شاہانہ عنایات مبذول فرمائیں کہ محض مسافروں اور سیاحوں پر بہت شاذ و نادر ہی اُنکو کبھی مبذول کیا گیا ہوگا۔ ہم نے کئی ایسی چیزیں دیکھیں جو بہت کم اجنبیوں کو دیکھنی کبھی نصیب ہوئی تھیں۔ اور اکثر کو نہایت ہی اطمینان کے ساتھ خوب سیر ہو کر دیکھا۔ کیونکہ پورے تین مہینوں کی اقامت کے دوران میں محلسرائے ہمایون کا ایک ایڈی کانگ ہماری ساتھ رہا۔ اور اُسکی سرکاری درباری وضع کی طفیل ہم کو کئی ایسے مقامات میں گذار اور دخل نصیب ہوگیا جہاں اُسکے بغیر خواہ ہم کتنی رقم انعام و بخشش پر خرچ کرتے ہم کو ایک قدم بھی نہ رکھنا ملتا۔ یا اُسکی ہمراہ ہونے کی وجہ سے ہم کو استنبول کے پُر ہجوم بازاروں میں سے گذرتے وقت اور مساجد یا سلطنت قیاصرہ کی پرانی اور متروک الاستعمال عمارات اور یادگاروں کو جاتے ہوئے ذرہ بھر خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہم اس سیاحت و اقامت سے ایسے خوش آئے کہ روانگی کے وقت ہم نے پھر بھی وہاں جانیکا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس امر کی ہمیں سخت تمنا اور خواہش رہی۔ مگر افسوس پہلے برس کے واقعات[1] سواب اوس تمنا کے پورے ہونیکے

[1] مسس ہیکس ہولرصاحبہ جو انگلستان کے مشہور و معروف پروفیسر اور ماہر علوم دلسنہ مشرقی مسٹر ہیکس ہولر کی زوجہ محترمہ ہیں ان واقعات سے ارمنیوں کی بغاوت اور قسطنطنیہ میں اُنکے پے در پے فساد و ہنگامہ پردازی سے

بہت کم آثار دکھائی دیتے ہیں۔ نہ اب یہی توقع ہوسکتی ہو کہ جس غرض سے یہہ خطوط لکھے گئے تھے۔ وہ حاصل ہوسکی گی۔ اور اُن کو پڑھکر اُدروں کو یہی رُخصت یا فراغت کے دن باسفرس کی لطیف آب وہوا اور دلفریب منظروں میں بسر کرنیکی ترغیب ہوگی۔

اِن خطوط میں سے چند ایک جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوجائیگا میرے خاوند کے لکھے ہوئے ہیں۔

جارجینا میکس ہولہ (جنوری ۱۸۹۷ء)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۔ مراد ہے رہی ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اُن جیسی قابل اور منصف مزاج عورت ان واقعات سے یہہ نتیجہ کس طرح اخذ کر رہی ہے۔ اگر اُنکا یہہ منشا ہے کہ ان فسادوں سے ظاہر ہوگیا ہو کہ قسطنطنیہ میں جان و مال کی حفاظت کا اندیشہ ہے۔ اور اسلئے وہ یا اور لوگ وہاں جانے سے خوف کرنے لگ گئے ہیں۔ تو شاید بہت کم لوگ اُن سے اتفاق رائے کرینگے۔ آرمنیوں کا فساد ایک اتفاقیہ معاملہ تھا۔ اور یورپ کا کوئی ایسا دارالخلافہ نہیں۔ جہاں مفسدہ مذکورہ سے بڑھکر سخت اور قسطنطنیہ کی نسبت بہت زیادہ بلوے اور ہنگامے ہر سال نہ ہوا کرتے ہوں۔ اور اگر وہ انگریزی اخبارات کی تحریروں کو درست تسلیم کرکے ترکوں کی متعصب مزاجی اور عیسائیوں کے خون کے پیاسا ہونیکے اتہام پر یقین کر بیٹھی ہیں اور قسطنطنیہ میں آرمنیوں کے قتل عام کی مبالغہ آمیز خبروں کو اُنہوں نے درست سمجھکر قسطنطنیہ جانیکا ارادہ فسخ کردیا ہو تو یہہ امر بھی اُنکی وسیع الخیالی اور نصف پسندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ انہی مبالغہ آمیز خبروں کے مشتہر کنندہ اضبارات سے اُنکو یہہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ کم و بیش جو سزا دیگئی وہ آرمنیوں ہی کو ملی تھی۔ کسی اور فرنگی یا دیسی عیسائی کو مسلمان رعایا یا حکومت نے میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ اُن فسادوں سے پہلے یا بعد دارالخلافہ یا صوبجات میں اُن کو کبھی ذرہ بھر تکلیف پہونچائی گئی ہے۔ ناظرین اس سے یہہ خیال نہ کریں کہ میں نے قسطنطنیہ میں اجنبی لوگوں کی آمد و رفت بغرض سیر و تفریح کے بند ہوجانے کو حکومت کے لئے مضر سمجھکر مسٹر میکس ہولہ کی تحریر سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اسکے برعکس میری ذاتی رائے ہے کہ ٹرکی میں بہت سی خرابیاں انہی اجنبی نوواردین کے حصہ کثیر کی طفیل ظہور میں آتی ہیں۔ اور اُنکی آمد و رفت میں جسقدر کمی ہو۔ اُسی قدر ٹرکی کو اُنکا زیادہ شکور ہونا چاہیئے۔ مگر اُسکے ساتھ ہی کوئی منصف مزاج یہہ گوارا نہیں کرسکتا کہ وہاں کی حکومت یا انتظام یا رعایا کے بہت بڑے حصہ پر بیجا بہتان یا الزام لگایا جاوے اور وہ اُسکی تردید یا تکذیب کی کوشش کرے۔ خواہ وہ الزام متذکرہ بالا مفسدہ مدعا کے حصول ہی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ پر کیسا ہی ممد کیوں نہ ہو۔ مترجم

قسطنطنیہ میں ورود

مئی کا مہینہ تھا۔ اور ہمارا جہاز نجیر نامی موہا سے چلا جارہا تھا کہ صبح کے سات بجے ہماری کوٹھڑی کے دروازہ پر کسی نے آواز دی۔ "اٹھو کہ وقت آگیا ہے جزائر شہزادگان دکھائی دینے لگ گئے ہیں"۔ اسکے لئے دوبارہ تقاضے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم سنتے ہی جلد جلد کپڑے پہن جہاز کے تختہ پر چڑھ گئے۔ مگر تاریکی اور دھند کو دیکھکر ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اسکی وجہ سے ہم اُن مشہور جزیروں کو جو استنبول سے ایک گھنٹہ کے دخانی سفر کی مسافت پر بحیرہ مرمرا میں واقع ہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکے۔ رات کے سات بجے کے قریب ہم ڈارڈنیلز کے دہانہ پر پہونچتے ہیں یوم ماقبل کو جہاز بحیرہ مجمع الجزائر سے گذرا تھا۔ یہہ دن نہایت صاف و دلاویز تھا۔ اور چلتے چلتے ہم کو دور سے کئی جزیروں کا نظارہ ہوگیا تھا۔ جہاز پر ہم گہری شام کیوقت پائیرس (اتھنز دارالخلافہ یونان کا بندرگاہ) سے سوار ہوئے تھے۔ اُس پر بہات بہات کے مسافر پہلے سے سوار تھے جن میں سے بعض بہت ہی عجیب و غریب تھے۔ تختہ زیرین[1] پر السبانوی اور اٹلی نگر وغیرہ کے بہرے ہوئے تھے۔ یہہ لوگ معاش کی تلاش میں استنبول کو جارہے تھے۔ اُن میں سے جو متمول تھے۔ اُن کے حیال بھی ساتھہ تھے۔ وہ وحشی مزاج اور غلیظ شکل تھے اور کارتوس سیمر پر سوار ہوتے وقت بڑی احتیاط کے ساتھہ اُن سب کے ہتھیار لیلئے گئے تھے تاکہ جہاز میں آپس میں یا کسی اور کے ساتھہ دنگہ فساد نہ کریں۔ وہ اپنے بستر سے۔ چٹائیاں اور کھانے پکانے کے برتن ساتھہ لائے تھے۔ اور کھانے۔ پینے سونے یا جب ان تینوں کاموں سے فارغ ہوں تو جوا اور تاش کھیلنے کے سوائے اُن کو اور کوئی کام نہ تھا چنکہ پاس تاش کے پیکٹ تھے وہ اُن سے کھیلتے تھے اور باقیماندہ نے کاغذ کے ٹکڑے بھاڑکر اُن پر ایسی طرح جسکو وہ خود ہی اچھی طرح سمجھہ سکتے ہیں نشان کرلئے ہوئے تھے اور معلوم ہورہا تھا کہ یہہ ٹکڑے اُن کو برابر چھپے ہوئے پتوں ایسا کام دے رہے ہیں۔ ہمارے کمرہ اور خانہ کی درمیانی چوبی دیوار میں دریچے تھے افسران جہاز نے ہم کو خبردار کردیا تھا کہ اُنکو کبھی کھلا ہیوڑ کر باہر نہ آیا کریں۔ پہلی رات سخت گرمی ہونیکی وجہ سے میں نے اُن کو سونے کیوقت کھلا رہنے دیا تھا۔ مگر لیمپ گل ہونے سے تھوڑی سی دیر بعد محافظ نے اُنکو بانگی بند کردیا۔ آخر درجہ کے مسافروں نے اُن عجیب الخصلت ہم سفروں کیساتھ جانیکی کبھی خواہش نہ کی ہم اکثر بالائی چھت پر کھڑے کے پاس کھڑے ہوکر اُن کو مختصر سے کھانے پکانے تمکنت کے ساتھہ بناتے

[1] معمولی جہازوں میں عموماً دو ڈیک یا فوقانی ہوتے ہیں ایک بالائی یعنی چھت۔ دوسرا زیرین جسکو خانہ بھی کہتے ہیں۔ یہہ عموماً درمیانی منزل میں ہوتا ہے۔ مترجم

ہوئے تاش وغیرہ کھیلتے یا اپنے ملک کے ولیرانہ راگ گاتے ہوئے دیکھتے رہتے جن کو ملاحوں یا دستر خوانوں میں وہ اپنے کھانے کی چیزیں چولہوں کے پاس لیجاتے تھے وہ نہایت ہی غلیظ اور گندے ہوتے تھے عورتیں الگ بیٹھی ہوئی بچوں کو بہلایا کرتی تھیں۔ اُنکے چہروں پر بھی مردوں سے کچھ کم وحشت نہ برستی تھی خیر ہم پائیرس سے روانہ ہوئے۔ فرانسیسی بیڑہ بندر مذکور کے قریب لنگر زن تھا۔ اور اُسکا کمانیر فے شاہ و ملکۂ یونان کی دعوت کی تھی۔ چنانچہ رات پڑتے ہی بیڑہ کے تمام جہازوں پر چراغاں کیگئی۔ اُنکی روشنی نے سمندر کے شفاف پانی پر عجب و غریب سماں باندھدیا تھا۔ اور جب ہمارے جہاز نے حرکت کی تو ہم رات کی تاریکی میں عرصہ تک اُسکا نظارہ کرتے رہے۔ جہاز پر ہمارے فرزند کا ایک یونانی دوست بھی سوار تھا۔ وہ قسطنطنیہ کے محلہ پیرا میں سوداگری کرتا ہے۔ اُسکی بیوی اور بیٹیاں بھی ساتھ تھیں۔ بعد ازاں پیرا اور تھرآپیا کی اقامت کے دوران میں ہم نے اُنکی صحبت میں کئی مرتبہ چند چند گھنٹے نہایت لطف سے بسر کئے۔

جزائر شہزادگاں تعداد میں نو ہیں۔ بائی زنطینی قیاصرہ اُن کو بہت پسند کرتے تھے اور تفریح و آرام کیلئے اکثر اُن میں آکر رہا کرتے تھے اسی سے اُنکا یہ نام پڑ گیا۔ چار میں ابھی تک آبادی ہے باقی غیر آباد و چٹان پڑے ہیں۔ گو ان میں سے بھی بعض میں پرانے راہب خانوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ بڑے چاروں جزیروں میں سے ہر ایک میں کئی یونانی راہب خانے اب بھی موجود اور آباد ہیں۔ ترک ان جزائر کو سرخ جزیرے کہتے ہیں جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں کے چٹان لوہا بہت زیادہ ہونے سے سرخ رنگ کے ہیں۔ ہم اُن میں سے صرف جزیرہ پلیٹ (یعنی چوڑا چٹان) کے پاس سے گذرے۔ اُس پر سر ہنری بلور نے جبکہ وہ قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تھا انگلو سکسن (یعنی زمانہ متوسط کی انگریزی طرز کا قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اور افواہ ہے کہ اُس میں بالکل ترکی پاشاؤں کی سی ٹھاٹھ اور ترک و احتشام سے رہتا تھا۔ اور کل نوکر چاکر بھی ترک ہی رکھے ہوئے تھے۔ اب یہ قلعہ تقریباً منہدم ہوگیا ہے اور اُسکا بہت تھوڑا حصہ باقی کھڑا ہے۔ سب سے بڑے جزیرہ کا نام پرنکیپو[1] ہے قسطنطنیہ پہونچنے سے چند دن بعد ہم اپنے سفیر کے ساتھ یہاں آئے تھے اور ایک سرے اور وہ یونانی خاندان کے ہاں کھانا تناول

[1] یہ انگریزی تبدیل اور مصنف لارڈ ڈفرن مرحوم سابق گورنر جنرل ہند و ستان کا ۱۸۵۸ء میں لارڈ ڈسٹرکٹ فورڈ ڈی ریڈکلف سے بعد قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر ہوا ۱۸۲۷ء میں پیدا اور ۱۸۷۲ء میں فوت ہوا۔ مترجم

کیا تھا۔ یہہ جزیرہ سمندر سے بالکل سیدھا اُٹھا ہوا ہے۔ اور دو پہاڑیوں سے بنا ہوا ہے جنکے درمیان ایک عمیق گہائی حائل ہے۔ جزیرہ کے درمیانی حصہ پر صنوبر کے گھنے جنگل موجود ہیں۔ دونو پہاڑیوں میں سے شمال کی طرف کی بڑی ہے۔ اُسکے گرداگرد خوبصورت سڑک بنی ہوئی ہے جس پر پھرنے سے ایشیائی ساحل اور سمندر کا خوب نظارہ ہوتا ہے۔ سڑک کی بائیں پہاڑی پر خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں جنکے چاروں طرف کمال روح افزا باغات ہیں۔ جو ساحل کی طرف ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ جیسی کثرت گلاب کے پھولوں کی میں نے ان باغوں میں دیکھی ہے۔ ویسی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انکی زرخیزی منطقہ معتدلہ کی قوت نمویہ اور بارودی کو خجل کرتی ہے۔ پرنکیپو کے بعد ہلکی[1] اور اٹی کونی باقی سب سے بڑے جزیرے ہیں۔ ہم اُن میں سے کبھی کسی پر نہ اُترے۔ لیکن کئی مرتبہ اُنکے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔ اُن پر بھی پرنکیپو کی طرح خوب گھنے جنگل موجود ہیں مگر اُنکا ساحل نسبتاً زیادہ چٹانی ہے۔ ان سب جزیروں کی آب ہوا معتدل ہے۔ اور قسطنطنیہ یا تھراپیا کی نسبت آب ہوا کی نسبت اس میں زیادہ یکسانی ہے۔ چنانچہ اگر گرمی جلد پڑنے لگ جائے تو سفر اور دل فشہری محلات کو چھوڑ کر، باسفرس کے کنارہ کے بنگلوں میں جانے سے بیشتر اکثر دن گذارنے کیلئے یہاں کیپو چلے جاتے ہیں کیونکہ اسکے لئے اُنکو کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑتا۔ غلطہ کے بیرونی دیا پہلے پل اور جزیرہ کے درمیان ہر وقت سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں۔

جزائر شہزادگان کے پاس سے گذرنے کے بعد ہم استنبول کے پہلے نظارہ کو دیکھنے کیلئے بڑے اشتیاق سے منتظر ہو بیٹھے۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں سات پست قامت پہاڑیوں پر جن میں سے ہر ایک کی چوٹی پر شاہی تاج کی طرح مسجد موجود ہے بنے ہوئے بتدریج اُٹھتے ہوئے خوبصورت شہر کا بعیدی نظارہ دکھائی دینے لگ گیا۔ اسکا یہہ نظارہ جسکا اتفاق ہم کو پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ گو ہم نے ایسے وقت کیا جبکہ مطلع مکدر اور موسم غلیظ تھا۔ تاہم اُسے دیکھتے ہی ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ جتنے مقام ہم نے اب تک دیکھے ہیں۔ یہہ اُن سب سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔ بعد میں اسی نظارہ کو اکثر مرتبہ اور مختلف وقتوں میں دیکھ کر ہم نے دل کے ارمان سیر ہو کر نکال لئے۔ دوپہر کی تپتی ہوئی اور سہ پہر کی نرم روشنی میں۔ تاریک رات کو جبکہ صرف مکانات کی بیشمار چراغوں سے شہر کے وجود کا پتہ ملتا تھا۔ اور چاند کی سہانی چاندنی میں جسمیں سب سے بڑھ کر کیفیت حاصل ہوئی اور جو ایسی

---

[1] بحری فوج کے افسروں کی تعلیم و تربیت کیلئے اس جزیرے میں عالیشان سرکاری کالج ہے جسکے مفصل حالات و واقعات دوم سے معلوم ہو سکتے ہیں مترجم۔

تھی کہ ایک ایک مکان جُدا جُدا صاف صاف دکھائی دیتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ ہم نے اُس میں اِس نظارہ کا لطف نہ اُٹھایا ہو۔ یہ فخر قسطنطنیہ ہی کو حاصل ہے کہ اُسے کسی وقت اور کسی روشنی میں مرمرا سے دیکھو اُسکی نظارے کی دلفریبی میں کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ پست پہاڑیوں کی بتدریج بلندی۔ گونا گوں رنگوں کی آمیزش اور شاندار عمارات ایک دوسری سے ملکر ایسا مکمل نقشہ بنا رہی ہیں کہ سٹاک ہولم۔ وینس۔ اور خلیج نیپلز کی خوبصورتیاں سب ایک ہی جگہ اُس میں مجتمع ہوگئی ہیں۔ دھوپ میں طرح طرح کے رنگ ایسی شوخی سے چمکتے ہیں کہ اُن پر نظر نہیں ٹھہر سکتی۔ نظر ایک مسجد سے دوسری مسجد کو جنکو برف ایسے سفید میناروں کے مقابلہ پر جو ہر مسجد کے متصل قدیم اور متروک الاستعمال مزاروں یا سکوتری (اسکودرہ) پیرا کے پہل جانب اور پرانی شہر پناہ سے باہر کے بڑے بڑے شہر ہائے خموشاں میں سیدھے کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں اور زیادہ سفید نظر آتے ہیں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ تقریباً تمام ترکی مکانات کی چھتیں شوخ بادامی رنگ کی دکھائی دیتی ہیں۔ انکے دوش بدوش ہر باغ میں بلند صنوبر کے درخت کھڑے ہیں جنکے پتے سبزی میں طوطی کے پَروں کی سبزی کو شرمندہ کر رہے ہیں اور ان سب کے اوپر عظیم الشان چھتر کی طرح ایسا صاف شفاف اور نیلگوں آسمان چھایا ہوا ہے کہ چند ہفتوں کی اقامت کے بعد طبیعت ماہ مخواہ محض تغیر و تبدل کیلئے انگلستان کے مکدر اور غلیظ مطلع کیوا سطے للچانے لگ جاتی ہے۔

ہم دُہند اور کوہر میں سے جو کچھ نظر آسکتا تھا اُسے انہیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں ہمیں خبر دیگئی کہ انگریزی سفارت خانہ کی دخانی کشتی تیز رفتاری کے ساتھ ہمارے جہاز کی طرف چلی آرہی ہے بتھوڑی ہی دیر بعد ہمیں بھی وہ نظر آگئی۔ انگریزی علم کی برق اُس پر لہرا رہی تھی اور ہمارا ایلچی جو سفارت میں سکریٹری ہے اُس پر سوار تھا۔ جب تک ہمارا جہاز محلہ سراے کے گوشہ سے جس پر سفید سنگ مرمر کے مکان اور سرسبز باغ موجود ہیں نہ مڑا وہ ہمیں برابر دکھائی دیتی رہی۔ جہاز گولڈن ہارن (خلیج قسطنطنیہ) کے دہانہ پر بیرونی یعنی غلطہ کل کے پاس جا کر لنگر انداز ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد کشتی اُسکے ساتھ آلگی۔ اور ہمارا فرزند اوپر چڑھکر

لہ اسی نے شمال مشرقی حصے کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے جو چیرہ اُدریانک کے شمالی گوشہ میں واقع ہوا اس شہر میں سو سے زیادہ چھوٹی بڑی نہریں ہیں جہاز اور نکا کام دیتی ہیں۔ اور اُن پر چالیس کے قریب پُل بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر ۱۲۱۴ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور عرصہ دراز تک یہاں کی جمہوری ریاست کو اقتدار عظیم حاصل رہا۔ ۲ سوئڈین کا دارالخلافہ۔ یہ شہر متعدد جزیروں اور اس موقع پر جہاں جھیل ملار چیرہ بالٹک کی ایک کھاڑی سے ملتی ہے بنا ہوا ہے اسکا اکثر حصہ پیل یا بلیوں پر قائم ہے آبادی دو لاکھ کے قریب ہے۔

سلہ نیپلز کی نسبت ایک عام انگریز کی مثل ہے۔ کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ ضرور دیکھ لینا چاہئے۔ مترجم

اُس چہل پہل کا مزا لینے میں جو ہمارے اِرد گرد ہو رہی تھی۔ ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہماری دائیں طرف غلطہ و پیرا کے محلے۔ باسفرس کا دہانہ اور سقوطرے تھے جو اُسکے دوسرے ساحل پر واقع ہے۔ بائیں طرف مجلسرا کا گوشہ اور تمام پرانا استنبول تھا۔ اور سامنے گولڈن ہارن خشکی کے اندر یورپ کے پیشہ ہائے شیرین تک چلی گئی تھی گو اُسوقت وہ غلاطہ پُل کی وجہ سے ہماری نظروں سے پوشیدہ تھی۔ قدیم زمانہ میں جنگی جہازوں کو داخل ہونے سے روکنے کیلئے اسی گولڈن ہارن کے دہانہ پر بڑی موٹی آہنی زنجیر پھیلا دیجاتی تھی۔ سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور قافلین (تہ کی) سبک کشتی جہاز کو گھیرا ڈالے ہوئے تھیں۔ اور ملّاح مسافروں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے یورپ اور ایشیا کی بھات بھات کی بولیوں میں چیخ چہاڑا مچا رہے اور گلے پھاڑ رہے تھے۔ سب سے اوّل وحشی البانوی اور نانٹی نیگرو جہاز سے نیچے اُترے۔ اور بستروں اور چٹائیوں سمیت کشتیوں پر سوار ہو گئے۔ کئی مسافروں کو کُک اور گیرکینیوں کے ایجنٹ جہاز پر آکر اپنے ہمراہ پرمٹ خانہ کو لیگئے۔ اور جو مسافر شہر کے باشندے تھے۔ اُن میں سے اکثر اپنی اپنی قائقوں پر سوار ہو گئے۔ سفارت کے ایک قواص نے ہمارے اسباب کو احتیاط کے ساتھ جلد جلد کشتی میں رکھوا دیا جسکو سفارت خانہ کی کشتی ہونیکی وجہ سے پرمٹ خانہ جاکر اسباب کا محصول ادا کرنیکی ضرورت[1] نہ تھی۔ یہ ایسی بڑی عزت تھی کہ ہم اپنے دلوں میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور بزعم خود سب مسافروں سے بڑے آدمی بنے ہوئے تھے۔ مسافروں کا تماشہ دیکھنے کے لئے ہم سب سے پیچھے جہاز سے رُخصت ہوئے۔ کشتی پر سوار ہو کر جسے اہلی پیرا "موشی" پکارتے ہیں ہم توپخانہ عامرہ کی گھاٹ کی طرف جو گوشۂ مجلسرا کے مقابل کے ساحل پر اُس موقع پر جہاں خلیج باسفرس سے اور باسفرس مرمرا سے ملتی ہے بنی ہوئی ہے چلدیئے۔ ہمارے مقابل باسفرس سے پرے سقوطرے نظر آرہا تھا جسکو دیکھتے ہی ہمیں محاربہ کریمیا اور کئی پرانے دوست جو اس محاربہ میں اپنے مُلک پر فدا ہو کر سقوطرے کے دلکش انگریزی قبرستان میں مدامی نیند سو رہے ہیں یاد آگئے۔ کشتی سے خشکی پر اُتر کر ہم گاڑی میں جس کے آگے دو چھوٹے چھوٹے عربی گھوڑے جُتے ہوئے تھے سوار ہو گئے اور قواص کو اسباب اُٹھوا لانیکے لئے پیچھے چھوڑ گئے۔ گاڑی توپخانہ کے خوبصورت فوارہ کے پاس سے گذر کر جسکی عالیشان عمارت اور بیل بوٹے سفید

[1] عثمانیہ گورنمنٹ نے اسلامی یا ایشیائی دریادلی سے کام لیکر اُن تمام اسباب و اشیا کا محصول درآمد معاف کر رکھا تھا۔ جو دول اجنبیہ کے سفراء اور متعلقین کیلئے باہر سے آئے۔ سفراء کے ساتھ غالباً کسی اور ملک میں یہ رعایت نہیں کیجاتی مگر شکوہ ہنیکی بجائے اکثر تو فضول اور سفیر اس رعایت سے بیجا فائدہ اُٹھانے سے بھی باز نہیں کرتے۔ مترجم

سنگ مرمر کے ہیں۔ بنی چارشی کے فراخ و خوبصورت بازار کو اور وہاں سے پیرا کے بڑے بازار کی طرف ہو گئی۔ بہادر ننھے ننھے سے گھوڑے بلند بازار پر تیز رفتار کے ساتھ چڑھ گئے۔ اُن کو راستہ میں بار بار سوئے ہوئے کتوں سے بچنے کیلئے اِدھر اُدھر ہونا پڑتا تھا۔ سارا بازار کتوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی سوتے تھے اور باقی اِدھر اُدھر بدرَوں اور موریوں میں سے اپنی غذا ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اُن کی شکلوں سے معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ کے ہاتھوں وہ چنداں خوش نہیں ہیں۔ اور بصد تشکل شکم پُری کرتے ہیں چہرے بھوک سے ایسے سکڑے ہوئے تھے کہ کتوں کی بجائے وہ زیادہ تر بھیڑیوں سے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔ مجھ بدوران اقامت اِن کتوں سے بتدریج ایک طرح کا اُنس سا ہو گیا۔ ہمارے ہوٹل کے قریب کے چوک میں تیرہ کتے رہتے تھے۔ میں اُن سب سے واقف ہو گئی تھی اور ہر صبح اُن کو فرداً فرداً رات کی آوارہ گردی اور قزاقانہ مہموں سے واپس آتا ہوا دیکھا کرتی تھی۔ یہ بالعموم دن سونے میں بسر کرتے ہیں۔ اور جو شخص اُنکے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آئے اُسکے ہمیشہ ممنون اور شکر گذار رہتے ہیں۔ اِن کا اصلی رنگ تو ہلکا سا زرد تھا۔ مگر اب سیاہ۔ سفید اور زرد رنگوں کی جس قدر آمیزشیں ممکن ہیں وہ سب اُن میں دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کے پلّے بھی جو بازاروں میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت شوخ۔ بیباک اور پورے آوارہ گرد ہوتے ہیں۔

بنی چارشی کی چوٹی سے ہم پیرا کے بڑے بازار کو مڑ گئے۔ قسطنطنیہ کی بہترین دوکانیں اور اکثر سفارت خانے اسی بازار میں ہیں۔ ہم بازار کے اندر جانے کی بجائے عرضاً اُس میں سے گذر کر بائیں طرف کو مڑ گئے اور اپنی سفارت کے پھاٹک اور دیوار کے پاس سے گذر کر اُس ہوٹل میں پہونچ گئے۔ جہاں ہمارے لڑکے نے ہمارے لئے کمرے لے رکھے تھے۔ اِن کمروں میں سے جو ہماری نشستگاہ کا کام دیتا تھا۔ اُس سے ایسا وسیع اور دلآویز نظارہ دکھائی دیتا تھا کہ اُسکا عشر عشیر بھی بیان کرنا مشکل ہے۔ اُسکے نیچے گولڈن ہارن اور سامنے استنبول تھا۔ گولڈن ہارن کا اندرونی پُل کھڑکیوں کے نیچے کسی قدر فاصلہ پر ٹھہرا تھا۔ اور اُس سے اوپر خلیج میں دس یا بارہ خوشنما آہن پوش لنگر انداز تھے۔ یہ ہر سو سے دھیں پڑے تھے اور ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تھے۔ کہا جاتا ہے وہ ایسے پوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اگر اُن کو حرکت دیجائے تو فوراً سمندر کی تہ میں چلے جائیں۔ ایک انگریز نے جو عثمانیہ بحری فوج میں امیر البحر ہے مجھ سے ذکر کیا کہ اُسے کبھی اِن جہازوں میں سے کسی پر جانیکی اجازت نہیں دیگئی۔ میرا خیال ہے اُسے غالباً اِس اندیشہ سے نہیں

جانے دیا جاتا کہ وہ اُنکی بوسیدہ حالت پر حضور رپورٹ کر دیگا[1] بائیں جانب ہم کو وہاں سے محلسرا کا گوشہ واقع بہ دہانہ خلیج۔ اور گرجا سینٹ ارین و ایا صوفیا جو اُس سے پیچھے ہیں۔ دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے والے ساحل پر عین دریچوں کے نیچے فرانسیسی قبرستان تھا۔ جو اب عرصہ سے متروک الاستعمال ہے اور اکثر تر کی مدفنوں سے بھی زیادہ خراب و خستہ حال ہو رہا ہے۔ اُس سے ایک ڈھلوان راستہ خلیج کے ساحل والے بازار کو جو پیرا کے آباد تین اور بارونق بازاروں میں سے ہے جاکر غلطہ کے بڑے بازار کو جو قسطنطنیہ کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور زنجیروں کے ذریعہ سے چلنے والی ریلوے اور ٹرمیوئے کے ذریعہ سے پیرا سے ملا ہوا ہے نکل جاتا ہے۔ ہماری دائیں طرف ہمارے اور اسلام پول کے درمیان خلیج محلہ ایوب اور وہاں کی مسجد کو بھی چلی جاتی ہے اس مسجد میں آج تک کبھی کوئی عیسائی داخل نہیں ہو سکا۔ اور غازی عثمان بانی خاندان عثمانیہ کی تلوار جو ہر نئے سلطان کو تخت نشینی کے وقت باندھی جاتی ہے۔ اسی مسجد میں بحفاظت رکھی رہتی ہے۔ شمشیر بندی کی رسم جو ہمارے عیسائی بادشاہوں کی رسم تاج پوشی کے مساوی ہے حال کھیلنے والے درویش ادا کرتے ہیں۔ گولڈن ہارن۔ چشمہ ہائے شیریں۔ محلسرائے۔ ایا صوفیا اور بازارات۔ ان سب چیزوں کے نام سُنکر ہزاروں باتیں گذشتہ زمانہ کی ہماری نظروں میں پھر گئیں اور ہم سخت بیقرار ہو گئے کہ کب وہ وقت آتا ہے جبکہ ہم بچشم خود اس خوبصورت شہر کی یادگاروں کا جو ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ اچھی طرح مشاہدہ کرینگے۔

[1] اس بارہ میں میں مسٹر سٹیڈ کے اعتراضوں کے جواب میں کتاب بست سالہ عہد حکومت اور واقعات یوم میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اسلئے یہاں مختصر طور پر یہی بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ مسس میکس ہول صاحبہ کا بیان اس حد تک بالکل درست ہے کہ اکثر آہن پوش کئی برسوں سے اپنی جگہ سے متحرک نہیں ہوئے تھے اور کہ عدم استعمال اور سکون سے اُنکا وہ حصہ جو پانی میں غرق رہا لازمی طور پر بہت کچھ مرمت طلب ہو گیا۔ مگر یہ سہل انگاری یا لاپرواہی عمداً نہ تھی۔ نہ اُنکی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ سمندر میں چلنے کے قابل نہ رہ گئے ہوں جس امر کی تکذیب کا شمس فی النہار ۱۸۹۷ء کے محاربہ عہم یونان سے ہو گئی ہے۔ یہ جہاز پورے نو مہینوں سے سمندر میں حرکت کر رہے ہیں۔ اور اب تک اُن میں سے کسی نے غرق ہونے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ مگر جیسا کہ میں تسلیم کر چکا ہوں مرمت طلب وہ ضرور ہوئے ہیں۔ چنانچہ اُس معمولی مرمت کے بعد جو سمندر کو جانے سے پہلے سبھی کو چاہیئے ۱۸۹۹ء میں کی گئی تھی اب ان میں سے اکثر کی باقاعدہ مرمت بلکہ کلی تجدید کا کام شروع ہو گیا ہے۔ مترجم۔

غلطہ کا پُل

مَیں حیران ہوں کہ وہ لوگ جو ہر سال بے تعداد و کثیر رہائن (واقع جرمنی) سوئٹزرلینڈ اور روما کو جاتے ہیں۔ کیوں قسطنطنیہ نہیں جاتے۔ وہاں دو چار دن کے مزید سفر سے وہ باسانی پہونچ سکتے ہیں۔ جہاں ایک بالکل نئی دنیا اُنکے مشاہدہ میں آئے۔ اور وہاں کی آب ہوا بھی سال کے بعض حصوں میں ایسی عمدہ صحت بخش اور کامل ہوتی ہے کہ ویسی بہت تھوڑی جگہوں کو نصیب ہے؟ روما کے چشمہ۔ ٹیبر ی اور دریائے نیل کی تعریف میں جو کچھ آجتک لکھا گیا ہے۔ وہ باسفرس کے دریا پر بھی موبصوادق آتا ہے جس نے ایک دفعہ اُنکا نظارہ کر لیا۔ اُسکا دل ہمیشہ اُدھر ہی کھنچا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے یہی تمنا رہتی ہے کہ میں پھر وہاں پہنچوں۔ قسطنطنیہ بذاتہ شاید آرام کی جگہ نہیں ہوسکتی۔ مگر اُن لوگوں کی صحت کی تازگی اور دماغی تفریح کے واسطے جو دماغی محنت سے تھک کر کچھ عرصہ سستانا چاہتے ہوں۔ تہرا[1] پا جیسا کہ خود اُسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے نہایت عمدہ اور مناسب مقام ہے۔ قسطنطنیہ کے قریب پہونچنے اور گولڈن ہارن میں داخل ہونیکے وقت کا نظارہ ہزاروں جادو بیان تحریر میں لکھے جا چکے ہیں۔ تاہم میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ جو عظیم الشان نقشہ باسفرس میں داخل ہونے پر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اُسے نہ کوئی قلم بیان کر سکتی ہے نہ کوئی مصور اُسکا خاکہ اُتار سکتا ہے۔ یہہ درست ہے کہ اس پرستانی نظارہ کی پوری کیفیت صرف دھوپ ہی میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن دھوپ اس نواح میں کوئی نادر شے نہیں۔ مئی مہینہ سے بعد موسم عموماً خوشگوار بجز مرمرا طلائی کرنوں سے جگمگاتا رہتا ہے۔ مساجد کے سنہری گنبد۔ سفید موم بتیوں ایسے سیدھے اور شفاف مینار جو ہر مسجد کے گرد موجود ہیں۔ بیشمار قصروں اور محلات کی سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی چمکدار پشیانیاں۔ ترکی مکانوں کی بادامی رنگت کی چھتیں اور پیلی رنگ کے چوبی جھروکے سمندر پر جھکے ہوئے۔ ان مکانوں کے اردگرد کے سیاہ سرو۔ اور آبنائے کے دونوں سواحل کی پہاڑیوں کے گھنے سبزہ اور بالآخر خود دریا بذاتہ نقرئی دھاریوں والے نیلگوں ساٹن کے رومال کی طرح بچھا ہوا۔ اور ہر رنگ کے بادبانوں سے از اوّل تا آخر بھرا ہوا۔ یہہ سب باتیں ملکر ایسی عالیشان تصویر بنا دیتی ہیں جسکی دنیا میں

---

[1] قسطنطنیہ کا مضافاتی موضع جو باسفرس کے یورپین ساحل پر پیرا اور تویوک دہ کے درمیان واقع ہے اکثر سفرائے موسم گرما میں وہاں رہتے ہیں جنکی رہائش کیلئے وہاں عالیشان محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔

غلط کے مشہور پل پر پہلا قدم دھرتے ہی انسان متحیر رہ جاتا ہے کہ یہاں کا نقشہ تو ہمارے گمان وخیال سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ سیاح کو وہاں دنیا کی کل اقوام کے نمونے دیکھنے کی توقع ہوتی ہے۔ اور اوسکی ہر توقع درست ثابت ہوتی ہے۔ اوس طرح نہیں جیسے کہ تھیٹر کی سٹیج پر سوانگ بھر کر دکھا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ تمام ممالک کے واقعی اور سچ مچ کے باشندے۔ جو پل پر اس طرح سے پھر آتے ہیں کہ گویا بابل کا مینار ابھی گرا ہے۔ اور یہ مخلوق شنار کے میدان سے اُمڈی چلی آرہی ہے۔

وہاں (لندن یا پیرس کیطرح) سامی نسل سے صرف ہر ایک قسم کے یہودی ہی نظر نہیں آتے۔ بلکہ سجیلے مضبوط اور چست و چابک عرب بھی جنکے خط و خال واضح اور ناک کا انداز متکبرانہ ہے۔ اپنے موٹے جھوٹے سفید یا خاکی جُبّے پہنے ہوئے عموماً برہنہ پا اور سر پر سفید ململ کی عمامہ باندھے ہوئے افریقہ کی ہبشی کے تمام نمونوں کے حبشی اور حبشنیں حتی کہ گول چہرے چھوٹی آنکھوں اور بے معلوم سی ناک والے اصل منگولی قوم کے آدمیوں کا وجود بھی وہاں ناپید نہیں۔ یہ لوگ بنسبتاً بیشک بہت کم ہیں۔ تاہم زرد فام دراز چوٹی والے جو صرف آسمانی بادشاہت (چین) یا جزائر ملایا ہی کے باشندے ہو سکتے ہیں۔ کہیں کہیں برابر دکھائی دیجاتے ہیں۔ آریا نسل کے ایشیائی اور یورپین نمونوں اقسام کے نمونوں کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سفید شلوار اور سنہری حاشیہ دار واسکٹ کے پہننے والے خوبصورت یونانی۔ گھیرے دار جبوں اور سیاہ ٹوپیوں کے شایق ایرانی۔ قدیم پوشاک بھیڑ کی کھال کی پوستینیں پہننے والے البانوی اور مینڈھیوں کے گروہ در گروہ ہیں جو عموماً ترکی لباس اور سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ انہی پر ختم نہیں ہوتا۔ یہ بانکے ٹیڑھے اور وحشی مزاج پیش قبض لگائے سینہ پر کارتوسوں کو جمائے اور تلوار کو پیٹل سے لٹکائے کون جا رہے ہیں؟ یہ چرکس ہیں۔ دنیا کی تمام حصص کے درویش لمبی خاکی کلاہیں سر پر کجے ہوئے۔ اور ہندوستان و بخارا کے باشندے ان سب کا دریا دلوں طرف ترکوں کے دل بادل سے جو کم و بیش اپنے قومی پوشاک مگر سرخ فس بالالتزام پہنے ہیں پہنا چلا جا رہا ہے۔ راہروؤں میں عورتیں بھی ہیں اور سیاح کی توقع سے زیادہ جو مردوں کے جم غفیر سے بیخوف و خطر پل پر سے گذری چلی جا رہی ہیں۔ اونکی پوشاکوں کے سرخ۔ سبز۔ نیلگوں۔ ارغوانی اور سفید اور شوخ اور چمکدار رنگ تو سب کو نظر آرہے ہیں۔ مگر سیاہ آنکھوں کے سوائے جو اونکے باریک و

شفاف نقاب کی تہوں میں سے چمک رہی ہیں اُنکے چہروں کا باقی حصّہ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ ایشیائیوں کے چہرہ کا بہترین حصّہ ہی عموماً یہی سیاہ آنکھیں ہوتی ہیں۔ نزدیک سے شفاف نقاب میں سے چہرہ کو بغور دیکھا جائے تو چہرہ کو دیکھ کر طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اور جس حسن و خوبصورتی کی توقع ہوتی ہے اُس کا نام و نشان نہیں[1] پایا جاتا۔ ترکی۔ ایرانی۔ یونانی اور چرکس عورتیں اپنے مشکل جیبوں اور سایوں کی رنگوں کی شوخی دوسروں سے بڑھانے میں جنکو فرحہ پکارا جاتا ہے ضد بضد کوشش کرتی ہیں۔ اکثر مشمک یا نقاب پہنتی ہیں اور بعض اپنے چہروں کو سفید گاچ کی تہوں سے اس طرح لپیٹ لیتی ہیں کہ گویا دانتوں کا علاج کرانیکے لئے معالج امراض دندان کے پاس جا رہی ہیں۔ اونکی رفتار خوش ادا نہیں۔ پیر جوان سب ٹھسک ٹھسک کر چلتی ہیں۔ البتہ پیرا کی فرنگن خاتونیں جنہیں سے بعض کی پوشاکیں پیرس کے تازہ ترین نمونہ اور فیشن کے مطابق ہوتی ہیں ویسی ہی سبک خرامی اور خوش ادائی اور تیزی کے ساتھ چلتی ہیں۔ جس طرح اونکی دوسری بہنیں یورپین شہروں کی گول سڑکوں پر چلتی ہیں۔ رہروؤں کے جمگھٹے میں طرح طرح کے گداگر بھی موجود پائے جاتے ہیں جنکے کپڑوں میں کوئی ایسا رنگ نہیں جس رنگ کا چیتھڑا نہ لگا ہو۔ اور اگر سارے کپڑے کا رنگ سفید ہو تو اوس کے بھی چیتھڑے لٹک رہے ہیں۔ ان بوسیدہ کپڑوں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اون کو اُتارتے اور پہنتے کیونکر ہیں۔ میرا خیال ہے وہ کبھی ایسا کرتے ہی نہیں۔ گو اون کا مذہب (یعنی اسلام) دن میں ایک دفعہ کامل (پورا غسل) اور چار دفعہ جزوی غسل (وضو سے مراد ہے) کا حکم دیتا ہے۔

غلطہ کے پل پر ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ شور و غل کبھی بند نہیں ہوتا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو خلیج کے اس طرف یا دوسری طرف یعنی پیرا یا استنبول میں بہت ہی ضروری کام ہے۔ لوگ اندھا دھند قدم اُٹھائے اور ایک دوسرے کو کندھوں سے اِدھر اُدھر ہٹاتے چلے جاتے ہیں۔ حتی کہ متین و ثقہ ترکوں کو

---

[1] ایشیائی پر وفیسر صاحب کے اس بیان سے برافروختہ نہ ہوں۔ ہر ایک قوم کا مذاق اور حسن کا معیار جُدا جُدا ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس طرح ہم لوگوں کو اون یعتبان فرنگ سے جو دور سے اندر کے اکھاڑے کی پریاں معلوم ہوتی ہیں نزدیک سے دیکھنے پر ۹۹ فیصدی چڑیلوں سے بھی بدشکل نظر آتی ہیں۔ مترجم

[2] مسلمان ناظرین کو اس بارہ میں پروفیسر صاحب کی غلط فہمی بتانیکی کوئی ضرورت نہیں۔ اون کو بخوبی معلوم ہے کہ گو یہ غسل کیسا ہی مستحسن اور مستحب ہے۔ مگر سوائے خاص خاص حالتوں کے یہ غسل مسلمانوں پر فرض یا واجب نہیں ہے۔ مترجم۔

بھی اس سیلاب کی رو میں آکر وہی رفتار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ گدا گروں جیب کتروں اور راہنماؤں سے جو نووارد کو دیکھ کر آنکھ چھپٹ جاتے ہیں ہر وقت ہوشیار رہنا لازم ہے۔ گاڑیاں اور گھوڑے بھی بکثرت پُر اسے پُل پر سے گذرے جارہے ہیں اور وہ اون کے بوجھ سے لرز اور آہ سرد بھر رہا ہے۔ اُدھر دوسری طرف سٹیمر برابر چیختا ہوا جب تک کہ راہگیر پُل سے نہ گذر جائیں اسکو راستہ نہیں دیتا رہتے اور نہایت ہی سخت غلیظ دھواں چھوڑتے اوسکی آنکھوں کو نقصان پہونچاتے رہتے ہیں۔ ہر پیدل کو آدھ آنہ اور ہر گاڑی کو پانچ آنہ محصول ہر بحری اداکرنا پڑتا ہے۔ یوسیہ آمدنی اس محصول سے چار سو پونڈ تک کی ہوتی ہے۔ ترکی پونڈ (سوا) اٹھارہ شلنگ کا ہوتا ہے۔

قسطنطنیہ کو دیکھتے ہی انسان کو اوسکی جانداری کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ زمانہ سطوت کا اُجڑا ہوا مگر عظیم قسطنطنیہ کا ابتدائی نام، یا بیرونی قصبہ نہیں ہے۔ وہ دُنیا کے خوبصورت ترین قطعات میں سے ہے۔ نصف ایشیائی اور نصف یورپین اور کل دُنیا کی تجارت کیلئے بہترین منڈی ہے۔ ترک اوس پر جتنا ناز کریں بجا ہے۔ اور اگر اون کے ہمسائے اوسے بھی نبوتھ کا باغ سمجھ کر اوس پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں تو اس سے اونکو متعجب نہ ہونا چاہیئے قسطنطنیہ چیز ہی ایسی ہے جسے دیکھ کر بے اختیار ہر ایک سلطنت کے منہ سے رال ٹپک پڑتی ہے۔ ترکوں کو لاکھ "مرد بیمار" کہو۔ اس بات کی بیشمار علامتیں ہو جو ہیں کہ ترک ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور جو کوئی اون کو نگلنے کا خواہشمند ہو اوس کا حلق اون کو نرم نوالہ کی بجائے خشک ہڈی سے بھی سخت پائیگا۔ خالص ترک برابر مضبوط اور ثابت قدم ہیں۔ اور جس کو وہ چار سو برس سے زیادہ عرصہ کا اپنا پکارتے ہیں اوس کو حوالہ کرنے سے پہلے آخری دم تک جان توڑ کر لڑنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ ترکوں کے خصایل سے واقف ہونا اور اونکے اوصاف اور نقصوں کو معلوم کرنا مشکل کام ہے۔ میں اون لوگوں کی شوخ چشمی پر اکثر متحیر ہوتا ہوں جو دس لاکھ میں سے صرف ایک شخص کے راہ و رابطہ ہو جانے پر اوسی کل قوم کے عام کیرکٹر اور خصایل کو قیاس کر کے اپنا قیاس دُنیا میں مشتہر کر دیتے ہیں۔ میں بھی یہی استقرائی غلطی کرنی نہیں چاہتا۔ میں نے جو کچھ ترکوں کی نسبت کہا ہے۔ وہ صرف اونہی معدودے چند آدمیوں صادق آتا ہے جن سے قسطنطنیہ کی اپنی مختصر سی اقامت میں میری ملاقات ہوئی۔ یہہ کام میں دوسروں پر چھوڑتا ہوں کہ اگر چاہیں تو وہ خود میری تحریر کے دایرہ کو وسیع کر کے عام قاعدہ وضع کر لیں۔ علاوہ بریں جہاں تک مجھ کو ذاتی تجربہ کرنیکا موقع ملا ہے۔ میں نے یہی پایا کہ ترک اجنبیوں سے ہرگز لمبی چوڑی باتیں کرنا یا اونکو اپنے خیالات یا راز بتانا نہیں چاہتے۔ اور یہہ تو ظاہر ہے کہ اونکی خانگی طرز معاشرت تو ہماری نظروں سے

بالکل ہی نہیں ہے۔ تاہم بات یہ ہے کہ بارونق اور بھری ہوئے بازاروں میں بھی انسان اونکی ثقاہت اور متانت کو کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ نووارد بھی اکثر یہ مشاہدہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ غریب ترین ترک بھی اپنی اولاد سے کیسی محبت کرتا ہے۔ فقیروں کو خیرات کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اور بے زبانوں کے ساتھ کیسی شفقت سے پیش آتا ہے۔ جیسی نرمدلی سے قسطنطنیہ میں کتوں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے ویسا دنیا کے کسی قصبہ میں نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کتے ہی ویسے ایذارساں اور خونخوار ہیں جیسا کہ اکثر سیاحوں نے جو چند دنوں کیلئے بھولے بھٹکے قسطنطنیہ پہونچ گئے اون کو ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے شہر کو اپنے درمیان تقسیم کر رکھا ہے۔ اور ہر ایک گلی یا اوسکے حصہ کو پانچ۔ دس یا بیس کی ٹولی اپنا ملک سمجھتی ہے۔ اگر کوئی اجنبی کتا۔ خاصکر اگر وہ یورپین اور خوب صاف ستھرا ہو کسی محلہ میں داخل ہوگیا تو سمجھو اوسکی شامت آگئی قدیم رومانی کی طرح وہ ہر اجنبی کو دشمن تصور کرتے اور اوسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں اسکی سزا بھی اوسی طرح گلوبند کی نہایت شریف۔ امن پسند اور کمال شکر گذار حیوان ہیں جس نے اون کو کبھی ہڈی کا ٹکڑا پھینکا ہو یا کوئی اور مہربانی کی ہو۔ اوسکا احسان کبھی فراموش نہیں کرتے۔ اونکی بدست میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ غلط ہو یا صحیح۔ اون میں یہ وصف تو بالضرور موجود ہے کہ جب انہوں نے کبھی انسان کا شکریہ ادا کرنا ہو تو بعینہ دوسرے کتوں کی طرح دم کو ہلاتے ہیں۔ اپنے مالک ترکوں کی طرح وہ بھی تقدیر کے قایل معلوم ہوتے ہیں۔ بازاروں میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اور گاڑی بالکل پاس سے گذر رہی ہے۔ مگر اٹھ کر پرے ہوجانیکا نام نہیں لیتے۔ اگر کا قضا کبھی یہ اونکے اوپر سے بھی گذر جائے تو ایک دفعہ پُر درد نعرہ مار کر راضی برضا ہوجاتے ہیں۔ کوچبان گو گاڑیوں کو سرپٹ دوڑاتے ہیں۔ مگر خوابیدہ کتوں کو بے آرام نہ کرنے کیلئے پوری کوشش کرتے ہیں اور گاڑی کو ایک طرف کرلیتے ہیں کہ انکو اور انکی کثیر التعداد کنبوں (پلّوں) کو ایذا نہ پہونچے۔ مجھ سے کسی نے ذکر کیا کہ چند برس ہوئے سخت جاڑا پڑنے پر یلقان کے بھیڑیے بھوک سے لاچار ہوکر میدانوں کو اُتر آئے اور شہر کے قریب پہونچگئے۔ اس پر شہر کے تمام کتے باہمی جھگڑوں اور مقامی تنازعوں کو فراموش کرکے متفق ہوگئے اور بھیڑیوں کے ساتھ لڑائی کرنیکے لئے سینکڑوں کی تعداد میں شہر سے باہر جاکر اتنے حملہ آوروں کو قتل کیا کہ باقیماندہ اپنی اصلی پہاڑی مسکنوں کو دم دبا کر بھاگ گئے۔ اور فاتح منصور واپس آکر ہر جماعت پھر اپنے اپنے محلوں میں چلی گئی اور اتحاد سے پہلے جو تنازعے تھے وہ پھر اون میں برپا ہوگئے اور کوئی فریق دوسروں کو اپنے محلہ میں گھسنے نہ دیتا۔

شہر کے بازاروں کے فرش عمدہ نہیں۔ علاوہ بریں ٹریموں۔ گاڑیوں اور حمالوں کی وجہ سے پیدل چلنا آسان کام نہیں۔ اور نہ تیز قدمی کے ساتھ ہی چلا جا سکتا ہے۔ بازاروں میں بہت غل برپا رہتا ہے عام لوگ بہت بلند بولتے ہیں۔ مگر لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے یہ ہے کہ بدمست مرد یا عورتیں کہیں نظر نہیں آتیں اور اگر شاذ و نادر کوئی ایسا شخص پایا بھی جائے تو یہ یقین نہ کہو کہ وہ ترک مرد یا عورت نہیں ہے۔ اسکا جو کچھ یہ مطلب ہو سکتا ہے اور سے وہ لوگ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔ جنکو یہ معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں ہر فساد بلکہ تقریباً ہر جرم کا اصل موجب یہی میخواری اور بدمستی ہے۔ ایک انگریز مشنری (لاٹ پادری) نے ایک دفعہ اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ مجھے انگلستان کو مجتنب الخمر یا غیر مخمر دیکھنے کی نسبت آزاد دیکھ کر زیادہ خوشی ہو۔ ترک مجتنب الخمر یا غیر مخمر ہیں اور بشرطیکہ یہ خبریں درست ہوں کہ اعلیٰ جماعتوں کے بعض افسر شام میں بلکہ زیادہ تیز شرابیں بالکل آزادی کے ساتھ پیتے ہیں۔ اور ان کو کوئی روک ٹوک نہیں تو اسکے ساتھ ہی وہ آزاد بھی ہیں۔ اعلیٰ جماعتیں ہر جگہ مستثنیات میں داخل ہیں اور یہی کلیہ ترکی کی ایسی جماعتوں پر حاوی ہے۔ کل قوم کی نسبت متوسط اور ادنیٰ درجہ کی جماعتوں سے رائے قائم کرنی چاہیے۔ نہ کہ نام نہاد طبقہ امرا کو دیکھ کر۔ یہ متوسط اور ادنیٰ طبقہ۔ جو کہ قوم کی واقعی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں ابتک میخواری اور بدمستی کی برائی سے محفوظ اور بچے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی دباؤ یا قانونی تعزیر کے خوف سے نہیں بلکہ محض اپنی خود مختارانہ مرضی اور اپنے رسول کریم کے فرمان کے لحاظ سے۔

اگر ادنیٰ جماعتوں کے لوگ کبھی شراب کے عادی ہو جائیں تو ترکی میں اس سے جو خرابی پیدا ہو جائے۔ اسکو خیال کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم اور تند مزاجی کو اجنبیوں کو اپنے تاتاری اور منگولوی (مغل) آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے اب تک بہت کم نرم کر سکی ہے جب کوئی عیسائی سیاح اونکو مساجد میں جمع دیکھتا ہے تو اوسکے دل میں فوراً وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے کسی ذرا سے اشتعال پر یہ شیر پلنگ مجھ پر کود نہ پڑیں۔ مگر یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ ترک عیسوی مذہب سے نفرت کرتے ہیں۔ نہیں اسکے برعکس وہ اس مذہب کا ادب کرتے ہیں۔ اور وہ عیسائیوں سے اونکی عیسائی ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ بلغاری ارمنی روسی وغیرہ وغیرہ ہونیکی حیثیت سے نفرت کرتے ہیں۔ کسی وہ سے ملک میں غیر مذاہب والے ترکی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر مقرر نہیں کئے جاتے اور نہ غالباً کئے جائیں گے۔ وہاں عیسائی وزیر

ہی نہیں بلکہ ممالک غیر کے سفیر رہی ہیں۔ اور یہہ ظاہر ہے کہ سفرا کو سلطنت کے نہایت ہی اہم راز لازمی طور پہ بتانے پڑتے ہیں۔ یہہ درست ہو کہ جب کوئی شخص قتل ہو چکا ہو۔ اوسوقت یہہ حد مقرر کرنا کہ آیا وہ بحیثیت ایک باغاری ہونیکے یعنی بلحاظ قومیت قتل کیا گیا ہی یا بحیثیت عیسائی ہونیکے مشکل امر ہے اور نہ یہہ تعیین متوفی کے کسی کارآمد ہو سکتی ہے خواہ باعث کچھ ہو۔ مرنے والا تو مر چکا۔ تاہم جو کچھ اسبارہ میں میں اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہہ ہو کہ نفرت اور بغض کا اصل باعث قومی عناد ہے نہ کہ مذہبی۔

ترکوں کو بوجہ ہمسائگیت یورپ کی تہذیب سے سابقہ پڑ رہا ہو دیکھہ کر ایک حد تک اونکو دماغ تحیر سے تو ہو گئے ہیں اور کبھی کبھی انہیں رشک بھی ہو جاتا ہو۔ مگر دراصل دل میں وہ اوس کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اونکے اعلیٰ طبقوں میں یورپین تہذیب کا دخل ہو گیا ہو۔ اور تعلیم یافتہ ترک سے ملکر جیسی طبیعت خوش ہوتی ہے اور کسی دوسرے کی صحبت سے نہیں ہوتی۔ ہم کو یہہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیو۔ کہ من حیث القوم ترک یورپین نہیں ہو۔ اور میرا خیال ہو کہ نہ کبھی نہیں گے۔ وہ جسمانی قوت کے لحاظ سے اور نیز اخلاقاً بھی قابل تعریف زبردست مضبوط اور توانا ہیں۔ اور طبعاً تندخو بھی ہیں۔ اونکی خون کی حرارت اور تیزی اونکی ماؤوں کی خون کی آمیزش سے جو اکثر ترکنیں نہیں ہوتیں ممکن ہو ایک درجہ تک کم ہو گئی ہو تاہم بایں ہمہ ترک خوش نہیں معلوم ہوتے۔ وہ یورپ کو اپنا مناسب ٹھکانا سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یورپ کی اقوام ہمکو اجنبی سمجھتی ہیں۔ اور ہم صلیبی لڑائیوں کے زمانہ کی طرح اب بھی صرف یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی باہمی رقابت کے طفیل یورپ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پس جب تک وہ پل جو ایشیا اور یورپ کے درمیان ہو اون کے قبضہ میں ہو وہ اون دھمکیوں کی جو اون کو دیجاتی ہیں خس برابر پرواہ نہیں کرتے۔ وہ روسیوں کو بائیزنطیم کی پرانی فصیلوں سے ایک گولی کے ٹپہ پر بمقام سین سٹیفانو دیکھہ چکے ہیں جہاں سے وہ اگر انگریزی بیڑہ دارڈنلز سے گذر کر روسی فوج کے غیر محفوظ کیمپ پر آتشباری کی دھمکی دیتا تو قسطنطنیہ پر گولہ باری کر سکتے اور بآسانی تمام بلکہ کے اوسے فتح کر سکتے ہیں حکم ان جماعتوں کا عقد خواہ کچھ ہو۔ مجھہ خیال ہو کہ ترکی آبادی کے حصہ کثیر کو ایشیا واپس چلا جانا چنداں ناگوار نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اوسے اپنا کل مال و اسباب ساتھہ لیجانے دیا جائے۔ اونکا قدیم مذاق خانہ بدوشی تہا۔ اور اب تک بھی یہہ مذاق اونمیں باقی ہے۔ میری رائے میں وہ پشت توسن پر اپنے دیوان خانوں کے گدیلہ دار تختوں سے زیادہ

خوش نہیں گو لیکن اگر کبھی ایسا ہو گیا۔ تو اوسوقت شام۔ آمینیا۔ اور شاید مصر کا بھی جو کچھ حشر ہو گا۔ اوس کو قیاس کرنا مشکل کام ہے۔

قسطنطنیہ کے بازاروں کا ایک اور عجیب خاصہ دیکھکر یورپین سیاح متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ اَن میں علانیہ حرامکاری کا کوئی وجود نہیں پائیں گے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ایسا ہو بھی تو وہ اور اقوام کی عورتیں ہونگی۔ ترکی عورت ایک بھی نہیں ہوگی۔ گداگروں کی البتہ کثرت ہے۔ خاصکر غلطہ پل پر۔ اون میں سے بعض نہایت مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں کبھی کبھی جب پولیس کی ڈپٹ پڑتی ہے تو وہ تھوڑی دیر کیلئے غایب ہو کر پھر اپنے اپنے پہلے اڈوں پر آکر ڈٹ جاتے ہیں۔

انگلستان کی طرح یہاں بھی لڑکے اور لڑکیوں کے غول در غول مدرسوں کو جاتے دیکھکر طبیعت بہت خوش ہوتی ہے۔ مدرسے ابتدائی ہیں اور سرکاری خرچ سے چلائے جاتے ہیں۔ انہیں سے اکثر سلطان حال کی ہمت کوشش اور تحریک سے قائم ہوئے ہیں۔ جناب ممدوح تخم بو رہے ہیں جسکا پھل دوسرے اٹھائیں گے پرانے خیال والوں نے جو طبقہ علماء کا سرمایۂ مدارس قائم کئے جانیکی بہت ہی سخت اور زبردست مخالفت کی تھی جس پر سلطان المعظم کو وہ اپنے خرچ سے قایم کرنے پڑے اور انکا خرچ اپنی ذاتی آمدنی سے دیرہے ہیں جو شخص پہلے آنکھیں کھلا ہو اوسے قسطنطنیہ کے بازاروں میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی اور قابل دید چیز دکھائی دیگی صراف۔ بازیگر۔ جیپسی۔ نٹ۔ مٹھائی فروش۔ خوانچہ والے۔ ناچنے والے۔ بچہ اور قلندر جماری۔ گدھوں والے۔ حمال بڑے بڑے بوجھ اٹھائے ہوئے۔ سیاہ فام خواجہ سرا۔ سفید کوڑھی۔ الغرض ہزاروں ایسی چیزیں نظر آئینگی۔ جنکو یورپین نظروں نے پہلے نہ دیکھا ہو جس مکان کے دیکھو جالی دار ہوں۔ فوراً سمجھ لو یہ کسی ترک کا مکان ہے۔ کبھی کبھی ان دریچوں میں سے مکان کی اندرونی حصہ کی کیفیت نظر آجاتی ہے۔ مگر یہ اندرونی حصہ عموماً سلاملک یعنی مردونکی رہایش کے کمرے ہوتے ہیں۔ جالیدار کھڑکیوں کے پیچھے خانون رہتی ہیں۔ اونکی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ بس وہاں نامحرم کا گذر نہیں۔ یا شاذ و نادر کبھی دیکھنے کا اتفاقیہ موقع مل جائے تو یہ ہے ع

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

محل سرا اور خزانہ عامرہ

قسطنطنیہ کی نہایت مشہور قابل دید چیزوں میں سے ایک قدیم محلسرا کا خزانہ عامرہ ہے۔ وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے اوسکے دیکھنے میں اسقدر بخشیش دینی پڑتی ہے۔ کہ اس خرچ کے بٹانے کیلئے عموماً بڑی بڑی جماعتیں بناکر اوسکی سیر کو جایا جاتا ہے۔ خاص حکم کے بغیر جس پر خود سلطان المعظم کے دستخط ہوتے ہیں۔ کوئی شخص وہاں نہیں جاسکتا درخواست سفرا دو دل میں سے کسی ایک کی معرفت کیجاتی ہے۔ اور سلطانی حکم بھی اُسی کی معرفت وصول ہوتا ہے مقررہ دن کو جماعت اوس سفارت میں جمع ہوجاتی ہے اور محلسرا رہایون کا ایک ایڈیگانگ سلطانی پروانہ لیکر وہاں پہونچ جاتا ہے۔ اور جماعت کو اپنی نگرانی میں لیتا ہے۔ اس سلطانی حکم کے بغیر اور طرح کسیکو دربیانی دروازہ جس سے گذر کر محلسرا کے اندرونی صحن میں پہونچا جاتا ہے ہرگز نہیں کھل سکتا۔ درخواست پر میرے خاوند کا نام بھی درج تھا۔ اور غالباً اوسی سے سلطان المعظم کو اُسکے ورود کا علم ہوا تھا۔ جماعت میں بلجیم کا سفیر۔ اوسکی لڑکی۔ کئی دیگر انگریز سیاح اور چند شہر کے باشندے شامل تھے۔ کیونکہ شہر دار اپنے لئے سلطانی حکم تقریباً قطعاً حاصل نہیں کرسکتے سب نقاروں سے اوپر ہے۔ ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار ہوگئی تھی۔ سب سے آگے منیر پاشا رئیس التشریفات کا نوجوان بھتیجا نجیب بک سلطانی یاور تھا۔ اس سے بعد بھی ہم کو کئی دفعہ مختلف سفارت خانوں اور نیز اوسکے چچا کے مکان پر نجیب بک سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کمال خوش اخلاق اور راحت بخش رہنما ثابت ہوا۔

اوس پہاڑی یا گوشہ کے مشرق اور جنوب میں جس پر محلسرا ہے بحیرہ مرمرا اور شمال میں خلیج ہے اوسکے اوپر تلے تین تختے ہیں بلند ترین تختہ پر مختلف عمدہ کوٹھیاں جن سے ملکر محلسرا بنا ہوا ہے۔ بنگچریوں کا صحن اور سینٹ لارین کا گرجا ہے جو اب سلحہ خانہ کا کام دیتا ہے بیچلے دونوں تختوں پر باغات ہیں۔ انگریزی سفارت سے چلکر ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار پیرا کی نشیب ڈاٹرک سے تیزی کے ساتھ اُتر کر غلطہ کے پل پر سے استنبول میں داخل ہوگئی۔ اور پھر بائیں ہاتھ کو ہوکر ٹریم لائن کے ساتھ ساتھ پہاڑی پر چڑھ کر ایک چھوٹے سے دروازہ سے جو محلسرا کی بیرونی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ قدیم شاہی باغات میں داخل ہوگئی۔ کسی زمانہ میں یہ باغات اب حالت کس مپرسی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دنیا میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ ریل بنانے وقت

جو محلسرائی گوشہ کے گزار گرد جاتی ہے یہ ہم کم و بیش برباد کر دیئے گئے ہیں۔ پہلے یہ نالب دریا ہے۔ اب پل کی سڑک بیچ میں حایل ہو گئی ہے جب آہنی سڑک کیلئے زمین کھودی جا رہی تھی تو ایک بہت بڑی مستطیل ہوا ان سنگ محلسرا سے مرمرا کو جاتی ہوئی برآمد ہوئی تھی جبکہ راستہ وہ بدقسمت حبشی اور کنیزکیں جو غضب سلطانی کی مورد ہو جاتی تھیں بوروں میں سی کر سمندر کو لڑھکا دیجاتی تھیں۔ یہاں سے گذر کر ہم کو ایک سیدھی بلندی پر جہاں سڑک بڑی حالت میں تھی چڑھنا پڑا۔ مضبوط عرب گھوڑے اس مرحلہ کو بھی مردانگی کے ساتھ طے کر گئے۔ بعد ازاں چینی لی کوشک اور دو تین دیگر منظر کوشکوں کے پاس سے گذر کر جنکی کل عمارت پر چینی کا کام تھا۔ ہم بالائی منزل پر پہونچ گئے چینی لی کوشک اب عجائب خانہ کا کام دیتی ہے۔ اوس کو ہم نے پھر بعد میں دیکھا تھا۔ ہم اب گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور باب ہمایوں یعنی محلسرا کے بڑے دروازہ سے گذر کر اندر داخل ہو گئے۔ سلطان المعظم ہر سال رمضان کے مہینہ میں دخرقہ شریف کی زیارت کیلئے بجلوس شاہانہ اس دروازہ سے محل سرا میں داخل ہوتے ہیں۔ دروازہ کے قریب ہی باہر کی طرف احمد ثالث کا فوارہ ہے۔ جو ان تمام خوبصورت عمارتوں میں سے خوبصورت ترین گنا جاتا ہے وہ ایک چھوٹے سے مکان کے برابر ہے اور سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے حاشیہ پر نیلگوں اور سبز مینا کاری کا اور چاروں طرف پتھر کو تراش کر باریک جالی کا کام اور طلائی کتبے کندہ ہیں۔ یہ گذشتہ صدی کے شروع میں تعمیر ہوا تھا۔ مگر ایسا صاف اور چمکدار ہے کہ گویا کل کام ختم ہوا تھا۔ دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے تھوڑی دیر ہم اوسے دیکھتے رہے تھے۔ دروازہ سے گذرنے پر ہم جنگچیریوں کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بحیرہ مارمورا کے اوپر سے کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیوں تک نظر کام کرتی تھی۔ کوہ اولمپس الشیار کوچک کے صوبہ بیتھینیا میں ہے اور بڑا حصہ اوس کے دامن میں آباد ہے۔ اس صحن میں ہم گرد سینٹ ارین یعنی اسلحہ خانہ کے پاس سے گذرے۔ اس میں داخل ہونیکی ہم نے بعد ازاں کئی مرتبہ کوشش کی۔ کیونکہ روایت مشہور ہے کہ بعض نادر یونانی قلمی کتابیں وہاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ قلمی نسخے خواہ کسی جگہ رکھے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ متلاشیان صنادید کی نظروں سے اون کو بڑی احتیاط سے بچا رکھا جاتا ہے چنانچہ سلطانی یاور صادق بک ہی جو سلطان المعظم نے ہمراہ ساتھ کر دیا ہوا تھا ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہ لا سکا۔ وزیر حرب کے پاس جب درخواست کیگئی تو اوس نے جواب دیا۔ "یہ محض وہم ہے۔ کتاب وہاں کوئی نہیں"۔

چنانچہ ہم کو محاربہ کریمیا کے ایک پرانے افسر جنرل کنٹ کی نرانی جو اوسوقت ہمارے والی ہوٹل

میں ٹھہرا ہوا تھا معلوم ہوا کہ جب اوس نے بارکوں اور جنگی مدارس وغیرہ کا معاینہ کیا تو سلطانی اجازت سے گرجا سینٹ ارین کو بھی کو دیکھا تھا۔ اور چونکہ اوسے معلوم تھا کہ یہ پروفیسر کو ان قلمی نسخوں کے دریافت کرنیکی بڑی خواہش ہو اوس نے اسلحہ خانہ میں سب جگہ اونکی تلاش کی۔ مگر اوس میں اوسکو کوئی ایسی جگہ نہ ملی جسکی نسبت گمان کیا جاسکتا کہ یہہ نادر کتابیں اوس میں کہیں ہونگی۔ جنیل کو غالباً اسلئے اجازت مل گئی ہوگی کہ اوس کو پرانی چیزوں کا کوئی شوق نہ تھا۔ بہرحال مجھ اوس گرجہ کو نہ دیکھ سکنے کا افسوس ہا۔ کیونکہ اوس کے گرداگرد چند بڑے بڑے تعویذ رکھے ہوئے ہیں جن پر صلیب اور مسیح کا طغرا بنا ہوا ہو۔ انکی نسبت خیال ہو کہ وہ بعض یونانی قیاصرہ کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ اور قسطنطین اعظم کی قبر کا تعویذ بھی ان میں ہو۔ مگر اس بحث کو چھوڑ کر میں بسر مطلب آتی ہوں۔

ینگچریوں کے صحن کا نام ہی ہم کو سخت مہیب معلوم ہوا۔ ہم کو ایک روش کے دوسرے سرے پر اون کا وہ مشہور صنوبر کا درخت دکھائی دے رہا تھا جسکی نیچے وہ بغاوتوں کی سخت و پر یا جن و زیروں سے خفہ ہوجاتے تھے اونکی ہلاکت یا برطرفی کا سلطان سے مطالبہ کرنیکے متعلق صلاح و مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوتے تھے۔ اونکی بارکیں ایا صوفیا سے پرے آت میدان میں تھیں۔ مگر اونکی سطح مجلسرا کی سطح کے متوازی تھی یعنی دونوں یکساں بلندی پر تھیں۔ بغاوت کے اظہار میں وہ اپنی دیگچیوں کو اُلٹ دیا کرتے تھے جسکا مطلب ہوتا تھا کہ حکمران سلطان سو وہ آیندہ کوئی رسد نہیں لینگے۔ اس اعلان سے تمام شہر پر دہشت چھا جایا کرتی تھی۔ صحن کے گرداگرد اصطبل اور غلاموں کی رہایش کیلئے مکان بنے ہوئے ہیں۔ اس سے گذر کر ہم اوطہ کیپو پہونچے۔ وہاں سلطانی حکم دکھا کر ہم اندر داخل ہوئے۔ اب تو اس دروازہ کی قطع وضع بالکل سیدھی سادھی ہے۔ مگر کسی وقت اوسکے دونوں سروں پر مضبوط پھاٹک لگے ہوئے تھے اور دونوں پھاٹکوں کے درمیان کی گنبد دار جگہ تفتیش کا کام دیتی تھی جہاں سیاہ فام بہرے اور گونگے اوس صدر اعظم یا وزیر کو جو مغضوب ہوگیا ہو سلطان کے آخری سلام سے واپس آتے وقت فی الفور کمان سے ہلاک کرنیکے لئے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے۔ اس دروازہ سے ہم جس صحن میں داخل ہوئے۔ اوس میں درخت اور پھول لگے ہوئے ہیں اور دائیں طرف کو نو باورچیخانے ہیں۔ یہہ گنبد دار ہیں۔ اور ہر گنبد میں دھوئیں کے نکلنے کے لئے ایک ایک سوراخ ہو۔ پہلا باورچیخانہ سلطان کیلئے۔ دوسرا سرکردہ حرموں کیلئے اور اسی طرح درجہ بدرجہ نواں باورچیخانہ سب سے ادنی درجہ کے خادموں کیلئے ہوتا تھا۔ ہم ایک خوشنما روش کے راستہ جسکے دونوں طرف خوبصورت سروں کی

قطار میں تھیں۔ باب سعادت پہونچے اور اوس میں سے محلسرا کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے۔ خزانہ کا محافظ ہم کو اوسکی سیر کرانیکے لئے ابھی تیار نہ تھا۔ ہم ذرا سویرے پہونچگئے تھے۔ اسلئے اوسکے تیار ہونے تک نجیب بک ہم کو مجیدیہ کوشک میں لیگیا۔ یہہ کوشک ایک خوبصورت گلشن میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے ایک طرف ہم کو جزائر شہزادگان تک بحیرہ مارمورا اور اولمپس کی برفانی چوٹیاں۔ اور بائیں طرف خلیج کا دہانہ اور ایشیا اور یورپ کی پہاڑیوں کے درمیان نقرئی دھاری کی طرح پیچ در پیچ گذرتا ہوا باسفرس کا دریا دکھا دیا۔ اسکی آرائش فرنچ طرز میں کیگئی ہوئی ہے۔ چوطرفہ کے نظاروں سے سیر ہوکر ہم اوسکے بڑے کمروں میں سے ایک میں چلے گئے اور وہاں ہمارے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ دعوت میں ایک عجیب واقعہ گذرا۔ ایک خدمتگار بلوری برتن میں کوئی لیسدار شیرینی یا مربہ لاکر مہمانوں میں تقسیم کر رہا تھا کہ جونہی وہ ایک لیڈی کے قریب پہونچا اوس کا پاؤں فرش کی نہایت ہی صاف اور چکنی چوبی تختہ بندی سے جس پر سیپ اور ہاتھی دانت کا کام تھا پھسل گیا۔ اور اوسوقت جب وہ آگے کو مہکا تو مربہ برتن سے اُچھل کر لیڈی مذکورہ۔ فرش اور خود اوسکے کپڑوں پر گر پڑا۔ اس سے کوئی چنداں نقصان نہ ہوا۔ تھوڑے سے پانی سے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔ مگر غلام کے چہرہ پر کچھ ایسی مردنی سی چھا گئی ہوئی تھی کہ ہم سب کو خیال پیدا ہوگیا کہ اوس غریب کو کوئی بہت ہی سخت سزا ملیگی۔ کہانیکے بعد سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ بعد ازاں غلاموں کی ایک جماعت جنکی پوشاک اور عمامے سفید تھے۔ طلائی طاشوں میں قہوہ کی پیالیاں لیکر آئے جو پیالیاں مرد مہمانوں کو دیگئیں۔ اونکی پرچیں ٹھوس سونے کی تھیں جن پر نقش و نگار کا بہت کام تھا۔ اور جو لیڈیوں کو دیگئی تھیں اونکی پرچیں نہایت ہی نفیس طلائی تاروں سے بُنی ہوئی تھیں اور اون پر اس قدر ہیرے جڑے ہوئے تھے کہ تل بھر جگہ خالی نہ تھی۔ سب سے آخر قہوہ جی آیا۔ وہ اپنے بائیں بازو اور کندھے پر نہایت ہی بیش قیمت قرمزی و سنہرا خوان جس پر طلائی بیل بوٹے کا کام بنے ہوئے تھے ڈالے ہوا تھا۔ اسکو ایک دوسرے غلام نے اٹھا لیا۔ اور اوسوقت ہم کو معلوم ہوا کہ اوس نے ہاتھ میں ایک لمبی اور نازک سی قہوہ دانی خالص سونیکی پکڑی ہوئی تھی جس سے اوس نے ہماری پیالیوں میں قہوہ ڈالدیا جب ہم نے پیالیاں واپس کیں تو اون کو بڑی احتیاط سے گن لیا گیا۔ خدام کی اس احتیاط اور خبرداری کو ہم بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔

آخر شب نجیب بک نے ہم کو اطلاع دی کہ اعلیٰ خزانچی تیار ہوگیا ہے۔ ہم سب جلد عمارت کے دروازہ پر

پہونچ گئے۔ اوسکی پیشانی پر بھی چینی کا کام بنا ہوا ہی۔ دروازہ صرف اوسی وقت کھولا گیا جبکہ ہم داخل ہونیکو لئے تیار ہو گئے۔ خزانہ تین کمروں میں ہی جو ایک دوسرے کے پیچھے ہیں۔ ہر ایک چیز بلوری الماریوں میں بند ہی۔ پھر بھی ہر ایک کمرہ خادموں سے بھرا ہوا تھا۔ جو کسی وقت بھی ہم سے نظر نہ ہٹاتے تھے۔ سب سے عجیب چیز پہلے کمرہ میں ہے۔ یہہ خالص سونے کا بہت بڑا تخت ہی۔ سونے پر مینا کاری ہے اور بیشبہا الماس۔ لعل۔ زمرد اور موتی اوس پر جڑے ہوئے ہیں۔ یہہ ایران سے غنیمت میں ملا تھا۔ ایرانی دستکاریاں نزاکت اور چمک دمک میں شہرہ آفاق ہیں۔ یہہ دونوں باتیں اس تخت میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اوس سارے کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی ایسا نشان چمک یا وحشیانہ عظیم الشانی نہیں پائی جاتی۔ وہ شکل میں ایک بہت ہی بڑی ایسی مسہری کے مشابہ ہی جو لکھنؤ پر بہنے کے کمروں میں استعمال کیجاتی ہیں۔ جواہرات میں سے موتی بالخصوص بڑے بڑے اور کمال آبدار ہیں۔ اور خوب موقع بہ موقع نصب ہیں۔ اسی کمرہ کی گیلری (برآمدہ) میں ایک اور تخت ترکی ساخت کا رکھا ہی وہ آبنوس اور چوب صندل کا ہی جس پر سیپ اور سونے چاندی کا نفیس کام بنا ہوا۔ اور لعل۔ زمرد اور موتی جڑے ہوئے ہیں۔ اُسکا چھتر خالص سونے کا ہی جسکی وسط میں مرغی کے انڈے کے برابر ایک نیلم لٹک رہا ہی۔ وہ گو ان کٹا ہی۔ اور تراشکر درست نہیں کیا گیا ہی۔ تاہم آب و تاب میں بے مثال ہی۔ دیوار کے گرداگرد کے تمام خانے اسلحہ اور زرہوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہہ سب کے سب اعلیٰ درجہ کی مرصع ہیں۔ اور بعض دمشق کی ساخت ہیں۔ جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ ایسی کئی تلواریں ہیں جنکی قبضہ از سر تا پا جواہرات سے دمکتا ہوا ہے۔ زیتون کے چار جامے اور گھوڑوں کے ساز و یراق جملہ اقسام کے قیمتی پتھروں سے مرصع ہیں۔ اور انہی بیش بہا چیزوں کے دوش بدوش بالکل بے قیمت اور ناکارہ چیزیں مثلاً فوق البھرک کا لک معمولی چینی اور گلٹ کے برتن۔ جو غالباً پیرس کے شاہی محل سے حاصل کئے گئے تھے۔ بناؤ سنگار کے فضول لوازمات باجو اور معمولی پوالور اور پتلے کسی سلیقہ یا لیاقت کے بغیر کہو ہوئے ہیں۔ ایک کمرہ کے وسط میں خانہ دار گول میز ہے۔ اوس میں سونے اور چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے پیالے رکھے ہیں۔ دنیا کا کوئی سکہ نہیں جو وہاں نہ ہو۔ اکثر بہت ہی پرانے زمانے کے ہیں جن میں ایران کے ساسانی بادشاہوں کے وقت کے ایسے طلائی سکے بھی ہیں جو پرانے سکوں کے شایقین کی نظر سے بیشک نہیں گذرے۔ ہر ایک پیالہ میں جدا جدا قسم کے سکے ہیں۔

دوسری میز میں ان کئی جواہرات قسم وار متعدد پیالوں میں اتنے اتنے رکھے ہوئے ہیں کہ انسان انکی کئی مٹھیاں بھر سکتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اگر چاہے تو جواہرات سے ہاتھوں کو غسل دے سکتا ہے۔ دوسرے کمرہ کی دیواری الماریوں میں سلطان محمد فاتح سے لیکر جس نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا سلطان محمود ثانی مصلح تک جو ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا کل سلاطین کی درباری پوشاکیں رکھی ہیں۔ آخر الذکر سلطان نے ہی عاموں کی جگہ فس کوراج دیکر قدیم ترکی لباس بڑی بڑی شلواروں اور زنی خمدار تلواروں کو مسترد کرکے موجودہ سادہ ترکی لباس رائج کیا تھا۔ یہ لباس بیش قیمت پشمی زربفت کے ہیں جنپر طلائی اور نقرئی کام بہت کثرت کے ساتھ ہے۔ اور ہر ایک کے کمر بند میں ایک ایک بیش بہا پیش قبض لگا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کا قبضہ ایک سالم بڑے زمرد کا ہے۔ ہر ایک شاہی دستار کے ایک طرف مرصع کلغی ہے۔ خدام نے ہمکو کمروں میں پھینچنے نہ دیا۔ نہ ایک ہی چیز کے سامنے زیادہ عرصہ ٹھہرنے دیا۔ گو جیسا کہ میں اوپر لکھ چکی ہوں ہر ایک چیز بلوری خانوں میں بند اور محفوظ ہے۔ خزانہ سے باہر نکلنے پر ہمیں بتایا گیا کہ اوس سامنے کی عمارت میں جو چھوٹی سی مسجد معلوم ہوتی ہے۔ یہ ملبوسات متبرکہ ۔۔۔ مل کریم کا جبہ علم نیزاون کا عصا۔ تلوار اور کمان رکھے ہوئے ہیں۔ سلطان سال میں ایک دفعہ بماہ رمضان معہ اعیان و امرا وہاں جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے جبہ مبارک کو نکال کر پہلے خود چومتے ہیں اور پھر باقی کل حاضرین کو اوسکی زیارت کراتے ہیں پیغمبری جھنڈا اگر کھڑا کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا کے کل مسلمان غزا کے لئے اوسکے گرد جمع ہو جائیں۔ اسلئے اوس کو صرف سلطان بحیثیت خلیفہ اور بادشاہ کھڑا کر سکتے ہیں۔ اسی ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود مصلح نے ینگچریوں کے مقابلہ کے وقت باہر نکالا تھا جس لڑائی میں ینگچریوں کی طاقت ہمیشہ کیلئے معدوم ہو گئی۔ اور جو اس مقابلہ کے بعد اونکے سات ہزار آدمی تلوار اور توپ کا شکار ہوئے تھے۔ نو عمر سلطان جسوا وہی نے تخت پر بٹھایا تھا اون کو اسلئے نیست و نابود کیا تھا کہ وہ اوسکے کہے پر نہیں چلتے تھے۔ استنبول اور پیرا کے تمام باشندے کمال تردد اور فکر سے لڑائی کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اگر ینگچری غالب آگئے تو وہ کل آبادی سے نہایت سنگدلی اور سفاکی کے ساتھ بدلہ لینگے۔ خزانہ کے بعد ہم نے کتب خانہ کی سیر کی۔ اس میں کہا جاتا ہے کئی ہزار قلمی نسخے عربی۔ فارسی اور ترکی زبان میں موجود ہیں اور ممکن ہے گم شدہ یونانی نسخے بھی شاید کسی دن ہمیں

سے برآمد ہو جائیں۔ مگر ہم نے وہاں ایک کتاب یا قلمی نسخہ نہ دیکھا۔ سب اونچی اونچی بلند الماریوں میں جو دیواروں کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھیں اور مقفل تھیں بند تھیں۔ اور مکان کی ظاہری صورت دیکھ کر اوسکے کتب خانہ ہونے کا کبھی گمان ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس مایوسی بخش کمرہ سے ہم جلد جلد باہر نکلکر دیوان یعنی ایوان تخت شاہی کو چلے گئے۔ وہاں سلاطین ایک حالی دار کٹہرے کے پیچھے تخت پر بیٹھ کر سفراء دول کو شرف باریابی عطا کیا کرتے تھے۔ ایوان کی تمام دیواروں پر عجیب و غریب بیل بوٹوں اور چینی کا کام ہے۔ اور ایک بہت بڑا دیوان یا تخت جسکو چھتر یہ قیمتی پتھر جڑے ہیں ایوان کے بہت سے حصّے کو روکے ہوئے ہے۔

ناظرین کو خیال ہے کہ ۱۸۶۵ء کی عظیم آتشزدگی میں کئی کوٹھیاں اور چھوٹے چھوٹے محل جلگئے تھے مگر سلاطین اس سے پہلے محلسرا کی رہائش ترک کر کے باسفورس کے جدید قصرات۔ چراغاں اور دولما باغچہ میں چلے گئے تھے۔ اس میں اب صرف سابق سلاطین کی حریمیں اور منظور نظر کنیزیں ہیں جن میں سے بعض بہت ہی معمّر ہیں۔ دیوان خانہ سے نکلکر بغداد کوشک کو جاتے وقت ہم محلسرا کے ایسے حصہ سے گذرے جہاں دوسرے حصّوں کی نسبت باغات عمدہ حالت میں تھے اور بناؤ سنگار کی نقرئی اشیا کی کچھ مقدار دھوپ میں پڑی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی صاف کیا گیا ہے۔ میرے بیٹے نے پتہ لگایا کہ یہ چیزیں اُن منظور نظر میں سے بعض کی ملکیت ہیں جو کسی وقت سیاہ و سفید کی مالکہ تھیں۔ محلسرا کی اون کوٹھیوں میں جنکی حالت باقی سے بہتر ہے موت کے دن پورے کر رہی ہیں۔ آخری سلطان جو محلسرا میں سویا۔ وہ عبدالعزیز مرحوم تھا۔ جو معزولی کے بعد پہلے وہاں بھیجدیئے گئے اور پھر چند دنوں کے بعد چراغاں محل کو جہاں وہ نوت ہوئے بھیجدیئے گئے تھے۔ بغداد کوشک بلندی پر واقع ہے۔ اور سنگ مرمر کے زینوں پر چڑھ کر اوس تک پہونچا جاتا ہے۔ جس قدر کی عمارتیں اس وقت موجود ہیں وہ سب سے خوبصورت تصور کیجاتی ہے۔ دیواریں از سر تا پا نیلگوں چینی کی ہیں۔ دروازہ ہاتھی دانت اور سیپ کے اور جس قدر قالین دیوان اور پردے اوس میں موجود ہیں وہ سب مشرقی صناعی اور کوشکاری کے بہترین نمونے ہیں۔ رنگ گو شوخ ہیں مگر ایسی اُستادی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ کہ کل مجموعہ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی بیہودہ ہیرک نہیں پائی جاتی اس کوشک سے ہم نے خلیج (باسفورس) سے پرے جو ملکی پھلکی قایق سی لیکر بڑے بڑے بدشکل سٹیمروں تک ہر ایک قسم کے مرکب تری سے

پرستی۔ پیرا اور غلطہ کا خوب نظارہ کیا۔ یہ بڑے سٹیمر جن سے عموماً ہر وقت غلطہ و ہوان نکلتا رہتا ہے باسفرس میں یا جزائر شہزادگان تک یحیرہ مرمرا میں آمد و رفت کرتے رہتے ہیں۔ کوشک کے پاس میں جو باغات تھے۔ اون میں ہم نے کاریتھی طرز کی ساخت کا ایک ستون دیکھا جو قیصر تھیوڈوسی اس اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس پر ایک اژدہا مثالکتبہ ہے جس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ستون قیصر کلاڈی اس گوتھی کس کے وقت کا ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہے تو ستون مذکور شہر کی قدیم ترین اشیاء میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے سب سے پرانی چیز وہ ستون باران ہے جو آت میدان میں کھڑا ہے۔ اور اوس پر کسی وقت دلفی کے مندر کی بت اپولو کی سچارن کا طلائی ترسولا نصب تھا۔ اس کو قسطنطین وہاں سے بائی زنطیم لایا تھا۔ سانپ کے تینوں سر اب غائب ہیں۔ ایک کو سلطان محمد فاتح نے فتح کے دن ایا صوفیا کو جاتے وقت اپنے گرز سے توڑا تھا۔ تین میں سے ایک سر عجائب گھر میں پڑا ہے۔ ابتدائی قیاصرہ کے زمانہ میں محلسرا کی گوشہ پر کئی سرکاری عمارات موجود تھیں۔

ہم اب محلسرا کے اوس حصہ میں ہیں جو حرم سرا کا کام دیا کرتا تھا بغداد کوشک حرم کے وسط میں واقع ہے ہمارا دل تو یہی چاہتا تھا کہ خوبصورت بغداد کوشک میں اور عرصہ ٹھہرے رہکر اوس کے نرم اور گدگدے دیوانوں پر استراحت کریں اور اس وحشیانہ شان و شوکت۔ سفاکیوں اور پر از درد و غم واقعات پر جنکو یہ باغ مشاہدہ کرتے رہے ہیں خیال کریں یا ایک کمرے سے دوسرے میں گلگشت کرتے پھریں۔ مگر وقت گذرتا جاتا تھا۔ اور ہم نے خلیج کے پار جاکر اہی بگلر بک اور دولما باغیچہ کے محلات کو بھی دیکھنا تھا چنانچہ ہم متروک الاستعمال اور سنسان صحنوں میں سے واپس ہوتے ہوئے جن میں کبھی وزراء۔ امراء عساکر غلامان شاہی۔ خواجگان۔ اور مشرق مطلق العنان بادشاہوں کے دوسرے وسیع و عظیم لوازمات اور خدام و حشم کا جمگھٹا لگا رہتا تھا اور طہ کاپو سے باہر نکل آئے۔ اور ہمارے قواص نے جو ہر دروازہ اور ہر عمارت میں علیحدہ علیحدہ انعام اکرام خدام کو دیتا رہا تھا۔ آخری بخشش محافظ اور طہ کاپو کو دی۔ وہاں سے ہم گاڑیوں پر سوار ہو کر پل کو دوبارا عبور کر کے غلطہ کے پرلے بازار میں سے تو پخانہ کی گھاٹ پر پہنچکر وہاں خاص سلطانی قایقیں جن میں سے ہر ایک پر دس دس چپو تھے ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں جیسا آرام و عزہ اس کشتی پر حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کے جہاز یا مرکب تری کی سواری میں نہیں ملتا۔ امن پر ہیں اور سیر اخاوند پہلی مرتبہ سوار ہوئے۔ شاہی قایقی بڑی گھیرے دار شلواریں۔ بڑھے کے سفید بانک

ریشمی کپڑے کے کھلے کرتے جن پر طلائی ڈوری لگی ہوئی تھی اور فس پہنے ہوئے تھے۔

اِن پر ہم پہلے محل دولما باغیچہ کو گئے۔ سفید سنگ مرمر کی یہ عظیم الشان عمارت باسفرس کے یورپی ساحل پر واقع ہے اور موجودہ مذاق کے مطابق نہایت شان و شوکت کے ساتھ سجائی گئی ہوئی ہے۔ وہاں کی سب سے عجیب چیزیں بڑا درباری ہال (ایوان) جس کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ اور عجیب و غریب حمام ہے۔ حمام بھی وسعت میں لاثانی ہے۔ اوسکی دیواریں شفاف سنگ سفید کی اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ ہم وہاں کے مرقع یا کمرہ تصاویر کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ اوس میں زیادہ تر فرانسیسی یا دیسی حصوں کی تصاویر تھیں جو سب کی سب نہایت ادنی درجہ کی تھیں۔ درباری ایوان سے پرے حرم سرا ہے جس میں اب وہ کنیزیں رہتی ہیں جو منظور نظر نہیں رہ گئیں اونکی واسطے محل میں ایک خوبصورت باغ بھی ہے۔ اِس موقع سے بعد ہم کئی دفعہ گاڑی پر سوار اوس محل کے پاس سے گذرے۔ مگر خشکی کی طرف کی بیرونی دیواریں بہت بلند ہیں جنکی وجہ سے محل نظر نہیں آتا۔ اِس دیوار میں جداجدا دو نہایت ہی خوبصورت پھاٹک ہیں۔ سلطان المعظم بیرام کے دن اُن میں سے ایک میں سے اپنے درباریوں سمیت جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں گذر کر محل میں رونق افروز ہوتے ہیں اور وہاں عید کا دربار کرتے ہیں۔ محل کا وہ حصہ جو باسفرس کی طرف ہے کمال دلاویز اور خوشنما ہے۔ سنگ مرمر کے زینے محل سے لیکر جسکی عمارت نفاست کے ساتھ ہی پائیداری کی غضب کی ہے پانی تک چلے گئے ہیں۔

یہ تمام سلطانی محلات سے بہت ہی بڑا ہے مگر سال میں صرف دو دفعہ چند گھنٹوں کیلئے سلطان المعظم کے استعمال میں آتا ہے۔ اِسکے سیر سے فارغ ہوکر ہم پھر کشتیوں پر سوار ہوکر اور باسفرس کو عبور کر کے ایشیائی ساحل پر پہونچگئے جس پر اعظم کی سرزمین پر ہم میں سے اکثر نے اب پہلی مرتبہ قدم دھرا۔ بگلربک کا خوبصورت محل جسے نصیب عبدالعزیز نے تعمیر کرایا تھا خالص سنگ مرمر کا ہے۔ اس میں اب کوئی نہیں رہتا۔ اور گو سلطان المعظم وقتاً فوقتاً اوس میں اپنے شاہی مہمانوں کو اُتارتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ابھی تک پورا مکمل ہی نہیں ہوا۔ اوس کی اندرونی آرائش کمال شاندار اور بالکل ایشیائی مذاق کے مطابق ہے۔ پہلی منزل میں ایک بڑا ستون دار ایوان ہے جسکی وسط میں سنگ مرمر کا حوض معہ فوارہ بنا ہوا ہے۔ محل کے اِس حصہ کے دریچہ جالی دار ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی وقت وہ حرم سرا

کا کام دیتا تھا۔ ہمارے چند رفقا چڑیا خانہ دیکھنے کے لئے جسے عبد العزیز نے بنایا تھا اوس پہاڑی باغ پر جو محل کے پچھواڑے میں ہے چڑھ گئے۔ لیکن اکثر نے چونکہ دن بہت گرم تھا سنگ مرمر کی ایک خوبصورت اور سرد کوٹھری میں جو باسفرس کے ساحل پر تھی استراحت کرنے کو ترجیح دی گلاب ہر کنج و گوشہ میں بافراط اُگے ہوئے تھے۔ باغبان سنجیدہ بک کے حکم دینے پر ہمارے لئے اون کے گلدستے بنا لائے۔ یہاں سے ہم قایقوں پر سوار ہو کر توپخانہ کی گھاٹ کو واپس گئے۔ وہاں قلعچیوں کو فراخ دلی سے انعام اکرام دیکر رخصت کر دیا گیا۔ ہمارے رفیق ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ اور اوس دن کی یہ تفریح سنجیدہ وغیرہ ختم ہو گئی۔

۴۔ سلاملک

ہمیں قسطنطنیہ میں آئے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دن ہمارے سفیر نے ہم کو کہا کہ مجھے سلطان المعظم کا پیغام پہونچا ہے کہ حضور ممدوح اب تک پروفیسر کے ورود کی اطلاع نہ دیئے جانے پر حیران ہیں۔ جلالت مآب کی اس شفقت آمیز یاد آوری کے جواب میں تم پر واجب ہے کہ اگلی سلاملک میں ضرور موجود ہو جاؤ۔ سلطان المعظم اس حاضری کو حاضر ہونیوالے کی طرف سے آداب بجالانے جانیکی بر تصور کرتے ہیں۔ سلاملک جمعہ کے دن سلطان المعظم کے مجلوس شاہانہ مسجد کو جانیکی رسم کو کہتے ہیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن ہمارا بیٹا گیارہ بجے کے وقت گاڑی لیکر پہونچگیا۔ اوس کے کوچ بکس پر سفارت کا ایک قواص بیٹھا ہوا تھا۔ قواص اون دیسی ملازموں کو کہتے ہیں جنہیں سلطان المعظم سفراء اور ایلچیوں کی حفاظت کیلئے مقرر کرتے ہیں۔ اون کو تنخواہ اور وردی سفراء دیتے ہیں اور سلطان المعظم کے حضور وہ اپنے اپنے سفراء اور اون کے ماتحتوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ زمانہ سابق میں اگر سفارت کے کسی عہدہ دار پر کوئی حادثہ ہو جاتا تھا تو بدنصیب قواص خواہ اوس کا قصور ہو یا نہ ہو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا جن لوگوں نے پال یاٹوف کا قصہ پڑھا ہے۔ اون کو یاد ہو گا کہ اوناصوفیا سے سکندر یاٹوف کے نامعلوم طور پر گم ہو جانے سے قواص کے کسبے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ انگریزی سفارت میں جو قواص ہیں اونکی غیر رسمی وردی سیاہ نیلگوں کپڑے کی ہے جس پر گنجان سیاہ ڈوری پھری ہوئی ہوتی ہے۔ پیٹی سنہری اور چوڑی ہوتی ہے اور کندھوں پر پتل بھی سنہری ہوتی

ہو وہ سب تلوار اور نیزہ ایک سنہری چمڑی تسمے میں جو کمر بند سے لٹکا ہوا ہوتا ہے رہتا اور رکھتے ہیں انکی رسمی پوشاک ہلکی سی قرمزی رنگ کی ہے۔ جس پر ڈوری بھی اسی رنگ کی ہوتی ہے۔ یہہ صرف درباری موقعوں پر جبکہ وہ سفیر کے ساتھ ہوں پہنی جاتی ہے۔

ہم سب صباحی پوشاک میں ہیں قسطنطنیہ کے سفراء اور انکے ماتحت رسمی لباس بہت کم پہنتے ہیں۔ ہم پہلے بڑے بازار کے نئے حصے سے گذرے۔ کل پیرا میں یہی بازار خوبصورت ہے وہ ۱۸۱۸ء کی عظیم آتشزدگی کے بعد جس میں انگریزی سفارت خانہ بھی جل گیا تھا از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ تمام بہترین دوکانیں۔ کلب گھر اور ہسپانوی سفارت خانہ یہیں ہے۔ اس بازار سے دائیں طرف چکر کاٹ کر ہم قبرستان کی طرف ہو گئے۔ اس میں ابھی تک مردے دفن کئے جاتے ہیں۔ یہہ پہلا تک کی قبرستان تھا جو ہماری نظر سے گذرا۔ مردوں کی قبروں کے سرہانے جو ستون کھڑے کئے جاتے ہیں اون پر شناخت کیلئے عمامہ بنا دیا جاتا ہے۔ کئی ستون گر گئے ہوئے ہیں۔ اور باقی میں سے بھی سیدھا کھڑا ہوا کوئی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کم و بیش سب ٹیڑھے ہو رہے ہیں۔ تمام ترکی قبرستانوں کی یہی کیفیت ہے۔ جس سے دیکھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ترک اپنے قبرستانوں کو درست رکھنے کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ اسکے مقابلہ پر اچھی بات یہہ ہے کہ ہر قبرستان میں چھوٹا ہو یا بڑا۔ سینکڑوں سرو اتنے بڑے قد و قامت کے لگے ہوئے ہیں جس کا انگلستان میں کبھی خیال بھی نہیں ہو سکتا شہر کو دور سے دیکھنے پر خواہ کدھر سے اور کب دیکھا جائے اونکی وجہ سے بہت دلاویز نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر مسجد کے گرداگرد کھڑے ہیں اور چکدار سفید مینار وں کے مقابلہ پر اونکی سیاہ سبزی عجیب سہانی معلوم ہوتی ہے۔ بطور قبرستانوں کی طرح پہاڑیوں پر بھی سیاستونوں کی مانند بفلک کھڑے ہیں۔ ترکی مستعدات قبرستانوں میں قالین بچھا کر سارا سارا دن اون کے سایہ میں گذار دیتی ہیں۔ وہ ایسا اس لئے نہیں کرتیں کہ اون کو متوفیوں سے کوئی گہری محبت ہوتی ہے۔ برعکس اسکے ترک مردہ جسم کی جبکہ وہ ایک دفعہ آغوش لحد میں چلا جائے بہت کم پروا کرتے ہیں۔ اون کا قول ہے کہ جسم کے قبر میں پڑتے ہی روح بہشت میں پہونچ جاتی ہے۔ اور روح ہی وہ چیز ہے جس سے ہم کو الفت تھی۔ اسی وجہ سے ترک لوگ اپنے جنازوں کو ایسی جلدی سے لیکر چلتے ہیں کہ ہم عیسائیوں کو یہہ حرکت بہت نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ جلدی اس لئے کر رہے ہیں کہ جس قدر جلد مردہ قبر میں جائیگا۔ اسی قدر اسکی

روح کو بہشت میں جلد جانیکا موقع ملیگا۔ اگر کبھی نیک بخت اہرتقی ترک کے پاس سے جنازہ گذرے تو وہ جنازہ بردارون کا جو جلد جلد چلنے سے جلد تھک جاتے ہیں ضرور ہاتھ بٹائیگا۔ ایسا کرنے والا اگر چالیس قدم چلے تو اوسکا ایک کبیرہ گناہ بارگاہ خداوندی سے معاف ہوجاتا ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ترکی مستورات صرف تفریح کے لئے قبرستانوں کو جاتی ہیں۔ قلعۂ رومیلی حصار کے پائیں ایک چھوٹا سا متروک الاستعمال قبرستان ہے۔ جو باسفرس کے کنارہ تک چلا گیا ہے۔ اوس نواح کی ترکی مستورات کیلئے وہ عام تفرجگاہ ہے۔ مجھ خیال ہے کہ ہم کبھی باسفرس سے نہ گذرے ہونگے جبکہ ہم نے قبرستان میں ادہر اُدہر اور بالخصوص اوس کی حد پر کے خوبصورت سرو کے درخت کے نیچے سبزہ زار پر چمکدار قالین بچھائے ہوئے اون پر سفید پوش مستورات کے جھرمٹ کو نہ بیٹھا دیکھا ہو۔ عورتوں کی قبر کے سرہانے پتلے سے سیدھے ستون کھڑے کر جاتے ہیں۔ جن پر سنہری رنگ سے ایک شاخ بنا دیجاتی ہے۔ اور جس قدر متوفیہ کے بچے ہوں اوسقدر اوس شاخ پر پھول بنا دیئے جاتے ہیں جو پتوں میں باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس قدر ستون بچوں کے اتفاق ہوا اون میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جنکی شاخوں میں فقط پتے ہی ہوں۔ پھول کوئی نہ ہو۔ سرو کی ہیبتی اور بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے قبرستانوں میں زیادہ عرصہ بیٹھنے سے کوئی مضرت نہیں پہونچتی۔

پہلے قبرستان کے مقابل جرمنی سفارت کا گرانڈیل محل ہے جہاں سے باسفرس کے اوپر سے دور تک نظارہ ہوتا ہے۔ شرک یہاں بہت ڈھالو اور پیچ در پیچ ہے۔ اوس پر سے ہم سنگ مرمر کے محل دولمہ باغچہ پہنچے جو باسفرس پر ہے۔ اور صرف عید کے بڑے درباروں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے سلطان عبدالمجید نے بنایا تھا۔ وہ اور اوسکا جانشین بدقسمت عبدالعزیز یہ اکثر اسی میں رہائش رکھتے تھے۔ عبدالعزیز جب ۱۸۷۶ء میں معزول کئے گئے تھے۔ تو وہ اوس وقت اسی محل میں سکونت گزین تھے یہاں سے پہلے اون کو محلسرا اور پھر چراغان محل کو جو اس سے کچھ پرے باسفرس پر ہے اور جہاں اونکی زندگی کا بے وقت خاتمہ ہوا بھیجدیا گیا تھا۔ محل مذکور سے لیکر بشکطاش کے کل مضافات کی۔ شرک فوج سے بھری ہوئی تھی۔ جو سلاملک کو چلی جارہی تھی۔ ہر چوک پر ہم کو سالم کی سالم کمپنیاں ملیں جو غبار آلود سڑکوں پر لمبا سفر کرنیکے بعد درختوں اور بوٹوں کو جھاڑ رہی تھیں کئی رجمنٹیں سلاملک کے موقع پر استنبول کے بعیدی حصوں یا شہر پناہ کے باہر سے آتی ہیں۔ اون کے افسر

زرق برق وردیاں پہنچو قہوہ خانوں کے دروازوں پر جو بازار میں بہ تعداد کثیر موجود ہیں آرام کر رہے اور قہوہ و تمباکو پی رہے ہیں۔ وہاں سے بائیں طرف تنگی کی جانب سیدھا چکر کاٹ کر ہم اوس سیدھی چڑھائی پر ہو گئے جو بلند محل کو جاتی ہے۔ سلطان المعظم ہمیشہ اسی محل میں رہتے ہیں اور صرف مسجد کو جانیکے لئے جو محل سے ایک گولی کے ٹپہ پر ہے۔ یا عیدین کے موقع پر دولمہ باغچہ میں اعیان و ارکین سلطنت کو شرف باریابی عطا کرنے کے لئے باہر تشریف لیجاتے ہیں۔ خرقہ شریف کی زیارت کیلئے جو رمضان میں کیجاتی ہے وہ ہر سال قدیم محلسرا کو نہیں جاتے اور جس سال وہ جانیکا عزم کر لیتے ہیں تو جس راستہ سے تشریف لیجانیکا قصد ہو اوسی آخری وقت تک خفیہ رکھتے ہیں۔ تاکہ اعداء اور مفسدین اوسکی ذات خلافت پناہی پر کسی قاتلانہ حملہ کا کوئی انتظام پہلے سے نہ کر سکیں۔ پہلے جبکہ سلاطین باسفرس کے ساحلی محلات میں سے کسی ایک میں رہتے تھے تو شاہانہ جلوس بڑی بڑی گلٹ شدہ قایقوں پر جو ایک سو فیٹ لمبی ہیں اور ہر ایک میں ۲۶ قایقچی ہوتے تھے باسفرس کے راستہ محلسرا کی گوشہ کے پائین تک جاتی تھے اور وہاں قایقوں سے اتر کر سب شاندار گھوڑوں پر سوار ہو کر باغوں میں سے باب ہمایون کو جاتے ہیں۔ اب یہہ کشتیاں خلیج کے دہانہ پر ایک عمارت میں جو بندرگاہ پر بنی ہوئی ہے بند ہیں۔ اس دربار جلوس کا نظارہ واقعی بہت ہی شاندار اور خوشنما ہوتا ہوگا۔ کیونکہ تمام درباری اور امرا وزرا سلطان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ پہلے سلاطین میں سے اکثر رمضان کے آخری سات راتوں کو جن میں قرآن شریف آسمان سے نازل ہوا یا صوفیا کو ہی جایا کرتے ہیں اور اوان موقعوں پر وہی تزک و احتشام اور ٹھاٹھہ ہوتا تھا جیسا اب عیدین کے دربار کے لئے دولمہ باغچہ کو جاتے وقت ہوتا ہے۔ فرق صرف یہہ ہوتا تھا کہ اون جلوسوں میں تمام بڑی بڑی مساجد کے امام بھی جلوس میں شامل ہوتے تھے۔ موجودہ فرمانروا نے ایا صوفیا جانا بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔ مکانوں کی جالیدار کھڑکیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ سارا محلہ شکستہ حال ترکوں کا ہے۔ غربا کے مکانات کی کل دریچہ جنکی مستورات کو گھر کا کل کام بلا کرنا پڑتا ہے جالی دار ہیں۔ اور متمولوں کے مکانوں میں جنکے پاس خدمتگاری کے لئے باندیاں موجود ہوتی ہیں صرف عدم سرا کے دریچے اس طرح محفوظ ہیں۔ سلاملک یعنی مردانہ حصوں کے دریچے جن میں مستورات کبھی داخل نہیں ہونے بلا جالی ہیں۔ پست قامت مگر مضبوط و چابک عربی گھوڑے سیدھی پہاڑی پر ایسی تیزی سے چڑھے ہے کہ ہم کو اون پیدلوں کے متعدد جھنڈوں کو بھی جو ایک ہی

جگہ جانے کے لئے پہاڑی پر چڑھے چلا جا رہا ہے تھوڑی دیکھنے کا پورا موقع نہ ملا۔ کہیں عرب عمامہ باندھے اور لمبے لمبے چغے پہنے کہیں ہتین وغیرہ ترکی فس اور لمبے کوٹ پہنے اور ان میں سے بعض بعض اپنے خود سال بچوں کو بھی جو نیز اوسی طرح کوٹ اور فس ڈاٹے ہوئے تھے ساتھ لئے ہوئے تھے۔ کہیں افغانی جماعتوں کی مستورات سفید برقعے لئے کہیں درویش لمبی لمبی بھوری کلاہیں اوڑھے۔ اور کسی جگہ ترکی سائیس فوق البھڑک وردیوں میں اپنے اپنے آقاؤں کیلئے جو پہاڑی کی چوٹی پر محل کے قریب منتظر کھڑے تھے خوبصورت اور شاندار گھوڑے جن پر ساز بھی نہایت زرق برق کے پڑے ہوئے تھے لئے چلے جا رہے تھے۔ انکے علاوہ علما شیوخ اور مفتی گروہ در گروہ سڑک پر موجود تھے جو سب کے سب ان السلطان المعظم کے دیدار کے لئے جو کہ وہ بحیثیت اپنے شہنشاہ کے ہی نہیں بلکہ بحیثیت نائب رسول اللہ و خلیفۃ المسلمین بھی ادب عزت کرتے ہیں چلے جا رہے تھے۔

آخر ہم مسجد جامع حمیدیہ کے مقابل ایک پست سفید عمارت کے سامنے جا کر جس کے دریچوں سے وہ لوگ جنکو سفارتی وکلا اور ایلچی ساتھ لیجائیں یا مصرف کرائیں جلوس کو دیکھ سکتے ہیں گاڑی سے اتر پڑے اور صحن میں سے گذر کر جس میں وہ لوگ جن کے پاس داخلہ کے ٹکٹ نہ تھے اور نیز مشیر پاشا اور یاور اپنے اپنے مقررہ مقام پر قائم ہونیکے وقت کے پہونچنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ گذر کر دروازہ پر پہونچگئے۔ اور اپنے نام کے کارڈ دیکر عمارت کے اندر داخل ہوگئے۔ ہم کسی قدر سویرے پہونچگئے۔ ابھی سارے دریچے نہیں بھرے تھے جس سے ہم کو ایک دریچہ میں اگلی کرسیاں مل گئیں۔ اور گو جلوس کے آنے میں کچھ دیر تھی مکان سے باہر میدان میں خاصی چہل پہل اور رونق ہوگئی ہوئی تھی۔ ہماری سامنے سڑک سے پرے وسیع فرش پر وہ چھوٹی سی سفید مسجد تھی جس میں سلطان نماز ادا کرتے ہیں۔ دائیں طرف اس سڑک کے پرلے کنارہ پر جس کے راستہ ہم پہاڑی پر چڑھے تھے فوج سوار اس کے دو زبردست بیڑے باندھے کھڑے تھے۔ ایک بیڑہ کے گھوڑے سمند اور دوسرے کے بادامی رنگ کے تھے سواروں کے ہاتھ میں نیزے تھے جنکی سرخ سیر نیں دھوپ میں آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ انکے سامنے کئی سو تک عورتیں سروں پر سفید ململ کا بڑا رومال برقعہ کا کام دینے کے لئے باندھے ہوئی کھڑی تھیں۔ یہ غریب لوگوں کی مستورات کا لباس ہے۔ امرا اور متمولین کی عورتیں یشمک یعنی باریک ململ کا نقاب پہنتی ہیں۔ غریب عورتیں اس رومال کا ایک سرا منہ کے اوپر سے ہی باندھ لیتی ہیں

مرد تماشائی طرح طرح کی پوشاکیں پہنے جہاں اُنکے سینگ سمائے کھڑے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں پہلا بینڈ ٹوچی باجہ کی آواز سنائی دی اور پیدل رجمنٹیں یکے بعد دیگرے بسرعت پہاڑی پر چڑھکر اون تمام سڑکوں پر جو مسجد کے اردگرد ہیں اپنے اپنے موقع پر صف بستہ ہوگئیں۔ بعد ازاں ذوالعہدوں کی دو رجمنٹیں جنکے عمامے سبز سرخ ڈھیلی شلواریں اور سفید گیٹرز تھے۔ ہماری کھڑکیوں کے نیچے صف آرا ہوئیں۔ وہ محل کی طرف سے پہاڑی کے اوپر سے یہاں آئی تھیں۔ باجہ اون کے آگے آگے بجتا آتا تھا اور سپاہیوں کے قدم نہایت سبک اُٹھتے تھے۔ چنکی رسالہ واقعی سپاہیانہ اور کمال بانکی اور خوش وضع تھی۔ ہمارے بالمقابل سڑک سے پرے بحری سپاہیوں کی رجمنٹ تھی۔ اُنکے سپاہیوں کے کالر لال حاشیہ یعنی بہت اونچے تھے۔ الغرض ہر ہفتہ مسجد کے گرد جملہ تقریباً آٹھ ہزار سپاہ جمع ہوجاتی ہے۔ اور یہ فوج ہی بذاتہا کچھ کم فرحت بخش نظارہ نہیں۔ کیونکہ ترکی سپاہی اعلیٰ درجہ کے قواعد دان ہیں اور اونکی وردی بھی بہت عمدہ اور نفیس ہے۔ اون کے افسروں کی وردیاں سنہری لیس سے آنکھوں میں چکا چوند ڈال دیتی ہیں اور بالعموم تمام افسروں کے سینے نشانوں اور تمغوں سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ ہماری کھڑکیوں کے نیچے ایک ایک دو دو رکے اسپ سوار افسروں کی درخشاں جماعت جمع ہوگئی تھی۔ اور سامنے میں بہادر دیاں پہنے ہوئے لڑکوں کا ایک گروہ تھا۔ یہ سلطان المعظم کے فرزند اور وہ لڑکے تھے جو اُنکے ساتھ تعلیم پاتے ہیں۔ دیدار سلطانی کی منتظر فوج کی صفوں میں تمغہ پانی پلاتے پھرتے تھے پہلی صف والوں میں سے اکثر کو ہم نے سقوں سے کٹورے لیکر پہلی صف والوں کو دیتے دیکھا۔

اتنے میں ہمارے قریب کسی نے آواز دی "تہرا کسلینسی وہ چلا آرہے ہیں" اس پر ہم نے باہر جھانک کر دیکھا تو ہمارے سفیر کی گاڑی پہاڑی پر چلی آرہی تھی اور دو قواص سرخ دربار لباس میں آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت بالو سے بھری ہوئی متعدد گاڑیاں آگئیں۔ اون کے آگے گدھے اور ٹٹو جتے ہوئے تھے۔ ان میں سے جھٹ پٹ ہمارے سامنے کی سڑک پر جس پر سے سلطان المعظم نے گذرنا تھا۔ ریت بچھا دی گئی۔ یہ آخری انتظام تھا جس پر تمام افسر جو نیچے کھڑے تھے خبردار ہوگئے۔ نوکر چھوٹے چھوٹے سیاہ چرمی بکس لیکر مسجد کو دوڑ پڑے۔ اون میں اون کے آقاؤں کے دو نشانات وغیرہ لگائے بغیر گھوڑوں یا گاڑیوں پر مسجد کو چلے گئے تھے اور اوس کے دروازہ پر جلوس میں شامل

ہوئے بغیر سلطان المعظم کا استقبال کرینگے۔ نشان، تمغے اور کمندھوں کے سنہری جھالریں بند نہیں۔ اوس وقت اعلیٰ خواجہ سرا رجو دراز قامت مضبوط جسم معمر حبشی ہے صحن سے آہستہ آہستہ نیچے اُتر کر مسجد کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایک خادم اوسکے نشانات وغیرہ کا بکس لئے ہوئے آگے آگے تھا اعلیٰ ترین اراکین سلطنت (آلتی سی) میں اوس کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے یعنی خدیو مصر پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ عین اس موقع پر ہمیں پیغام پہونچا کہ ہم اپنے سفیر کی کوشک میں جو اس عمارت کی نسبت محل سے زیادہ قریب ہے۔ آجائیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی جگہ سے بدرجہا بہتر نظارہ ہوسکتا تھا۔ ایک طرف یلدز کے پہاٹک دکھائی دیتے تھے اور دوسری طرف وہ پہاڑی۔ جو فوج سواران کے عقب میں تھی ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے آواز دی "وہ دیکھو خاتونان حرم آرہی ہیں"۔ وہ نہایت خوبصورت چہ بند گاڑیوں میں سوار تھیں۔ جو یکے بعد دیگرے یلدز سے نیچے اُتر کر ہمارے دریچوں کے سامنے سے گذرتی ہوئیں مسجد کے صحن کے آہنی پہاٹک پر پہونچگئیں۔ وہاں وہ ایک دوسری کے پیچھے کھڑی کر دیگئیں۔ گھوڑے کھول دیئے گئے اور خاتونیں جلوس کا نظارہ کرنیکے لئے گاڑیوں میں ہی بیٹھی رہیں۔ جن کے دریچوں کے پردے اوٹھے ہوئے تھے۔ ہر گاڑی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ایک ایک بدشکل مگر وہ حبشی خواجہ سرا ہوتا ہے والدۂ سلطان سب پر فوقیت رکھتی ہیں۔ موجودہ والدہ سلطان فی الحقیقت سلطان المعظم کی دایہ ہیں۔ اونکی حقیقی والدہ اُنکے پیدا ہونیکے وقت فوت ہوگئی تھیں۔ گاڑیوں کے مقابل سے گذرتے وقت اونکی نیم برداشتہ چلمنوں میں سے ہم صرف بیگمات کی گلابی نیلگوں۔ اور زرد رنگت کی پوشاکوں کی ایک جھلک دیکھ سکے۔ البتہ سلطان المعظم کی ایک خورد سال دختر بلند اختر کا چہرہ جسکی عمر ابھی اتنی نہ تھی کہ اوسے نقاب پہنایا جائے اور اوس نے چلمن کھسکے اوپر سے طفلانہ اشتیاق اور اچنبھے کی نظر سے ہماری طرف دیکھا ہم کو اچھی طرح دکھائی دیا۔

اس وقت تک مسجد کا صحن بادشاہوں۔ یاوروں اور ہر قسم کے عہدہ داروں سے جو رسم قدیمی کی رو میں پہنچے ہوئے تھے بھر گیا۔ صرف سلطان المعظم کی گاڑی اور اُنکے ہمرکاب افسروں کیلئے جگہ باقی رہی۔ اب بارہ بجکر کچھ منٹ ہوگئے تھے۔ موذن مادنہ کی گیلری دبالا مدہ، پر جو مینار کی چوٹی پر اوس کے گرد اگرد بنی ہوئی ہے نمودار ہوگیا۔ وہ اسی انتظار میں تھا کہ جونہی جلالت مآب کی سواری محل سے روانہ ہو۔ اذان دینا شروع کرے

اب تک تمام جنبٹوں کے بینڈ باری باری بجتے رہے تھے۔ موسیقی بالکل یورپین تھا۔ مگر اب وہ رک گئی اور موذن کی پہلی صدا اللہ اکبر ہوا کے لطیف جھونکوں سے ہم تک پہونچا دی۔ وہ کیلری پر جنوب کی طرف گھوم گیا تھا۔ اور اس طرح اوس کے اور ہمارے درمیان مینار کے حایل ہوجانے سے ہماری نظر سے اوجھل ہوگیا تھا۔ وہ کیلری پر گھومتا ہوا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ کے موثر فقرے دہراتا گیا اور اوس کے بتدریج ہماری طرف کو گھومتے آنے سے اوسکی آواز زیادہ بلند ہوتی گئی۔ اتنے میں تازہ بچھائی گئی ریت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی یہہ اون پاشاؤں کی لمبی قطار تھی جو جلوس کے اگلے سرے پر تھے۔ اونکی وردیوں پر جو تمغوں سے ڈھکی ہوئی تھیں نظر نہیں ٹھیر سکتی تھی۔ وہ شرک کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے پیچھے قطار باندھے محل سے نکلکر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے مسجد کے دروازہ پر پہونچگئے۔ اور وہاں اون لوگوں کے آگے جو پہلے سے منتظر کھڑے تھے صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اون کے بعد پانچ یا چھ دوسرے عہدہ دار گذرے۔ یہہ ذرا رتھ اور شرک کے بیچوں بیچ چل رہے تھے۔ اس وقت ہم کو سلطانی ترانہ۔ "حمیدیہ راگ" کی ابتدائی سُریں سنائی دیتی ہیں۔ یہہ اس امر کا نشان تھا کہ جلالت مآب بلند کی پہاٹک سے باہر رونق افروز ہوگئے ہیں۔ اب توسب کی گردنیں موکب ہمایون کی اوّل جھلک دیکھنے کے لئے محل کیطرف مڑ گئیں۔ سنو! سنو! یہہ پُرزور صدائیں کیسی ہیں؟ یہہ ہر ایک جنبٹ کے خلوص دل سے بلند کئے گئے نعروں کی آوازیں ہیں جو سلطان المعظم کے انکے مقابل سے گذرتے وقت نوبت بنوبت بلند کر رہی ہیں۔ یہہ نعرے انگریزوں کے پرآواز اور گونجتے ہوئے فوجی نعروں (ہرّاہ) یا الہالی سویڈن کے نعرہ ہائے "راہ۔ راہ" یا جرمنیوں کے نعرہ ہائے "ہاک۔ ہاک" یا الہالی اٹلی کے مختصر نعرہ "ہوا" کے مشابہ نہیں بلکہ عمیق جاذبہ اور تقہ گر ساتھ ہی موثر اور جرأت انگیز مسلسل سریلی گونج کی سی آواز سے مشابہ ہیں۔ چند لمحوں کے بعد از سر تا پا سنہری گلٹ کی ہوئی برقش دار ایک قسم کی چوپہ گاڑی جس پر سبز مینا کاری تھی دکھائی دینے لگ گئی۔ اوس کے آگے دو شاندار مشکی گھوڑے جن پر طلائی ساز پڑا ہوا تھا جتے ہوئے تھے۔ کوچبان شوخ نیلگوں رنگ کی وردی جو طلائی کام سے ڈھکی ہوئی تھی۔

پہنے ہوئے تھا۔ دونوں طرف یہی وردیاں پہنے ہوئے سائیس گھوڑوں کو تھامے ہوئے ساتھ ساتھ تھے۔ اور تمام طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی بحری۔ فوجی۔ ملکی۔ ملازم و آقا ہر ایک شخص کے سر پر یہی کمال رواج یافتہ اور کمال زیبندہ فس ہی فس نظر آتی تھی۔ گاڑی میں ایک میانہ قامت مگر باجلال شخص سیدھا سادہ فوجی اوورکوٹ (لمبا کوٹ) پہنے ہوئے بیٹھا تھا سینہ پر کوئی تمغہ یا نشان کسی قسم کا نہیں صرف ایک خمدار شمشیر کمر سے بندھی ہوئی ہے۔ اور سر پر باقی تمام لوگوں کی طرح فس رکھی ہے خمدار یعنی ناک بتا رہی ہے کہ اون کی والدہ ارمن تھیں۔ گذرتے ہوئے انہوں نے اپنی تیز نگاہ اٹھائیں اٹھا کر ہمارے دریچہ کی طرف دیکھا۔ اوس وقت اون کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے چند کے چہرے کو پہچان لیا ہے۔ مگر بظاہر اون کا چہرہ بدستور ساکن اور برقرار رہا اوس پر کوئی حرکت یا جنبش نہ پائی گئی۔ نہ کسی کو اونہوں نے سلام کا جواب دیا۔ گو اُن کی تمام جسم پر ایک خفیف سی دولتی ہوئی حرکت پائی جاتی تھی۔ جو ایسی خفیف تھی کہ ممکن ہے وہ صرف گاڑی کی حرکت سے پیدا ہو رہی ہو اور عمداً نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت کے مقابل شیر پلیونا عثمان غازی بیٹھے تھے۔ صرف غازی ممدوح ہی ایسے شخص ہیں جو جلالت مآب کے ہر وقت کے رفیق و مصاحب ہیں اور جن پر سلطان المعظم کو پورا اعتبار اور بھروسہ ہے۔ گاڑی کے پیچھے نہایت ہی شاندار زین سواری کے چھ خالص عرب گھوڑے آرہے تھے جنکو ایک ایک سائیس تھامے ہوئے تھا۔

چمکدار گاڑی آہستہ آہستہ گذر کر مسجد کے دروازہ میں داخل ہو گئی تمام پاشا نعرے بلند کرتے ہیں۔ اور گاڑی اون سنگ مرمر کے زینوں کے پاس جو عام کی آمد و رفت کے دروازہ سے بائیں طرف ہیں کھڑی ہو جاتی ہے جب سلطان المعظم جو اس تمام شان و شوکت اور جاہ و جلال کے مرکز اور روح رواں ہیں اپنی سیدھی سادی صوفیانہ پوشاک میں گاڑی سے برآمد ہوئے تو موذن مینار کی گیلری کے کٹہرے پر جھک گیا اور حضور ممدوح کو مخاطب کر کے یہ فقرہ جو صرف اسی موقع پر کہا جاتا ہے بآواز بلند کہا "یا ورکہ کہ تجھ سے بھی ایک بڑا موجود ہے"۔ اسکے بعد سلطان مسجد میں[1] داخل ہو کر نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اور

---

[1] مسجد کی اندرونی کیفیت سے ناظرین کو آگاہ کرنے کے لئے میں مولانا شبلی کے سفرنامہ سے سلاطین کا پورا بیان یہاں درج کر دیتا ہوں۔ تاکہ اس ہفتہ وار شاہانہ جلوس اور مذہبی رسم کے پوری حالات سے ناظرین کو واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور ایک سیاح کے بیان کردہ حالات کی کسی دوسرے کی تحریر سے

پاشا عام دروازہ کے راستہ نمازیں شریک ہونیکو لئے جلد جلد اندر چلے گئے جب نمازی زیادہ ہوئے اور جامع حمیدیہ جو دوسری جامع مسجدوں سے بہت چھوٹی ہے بھر جائے۔ تو صحن مسجد کے صحن میں بھی بچھا دیئے جاتے ہیں تاکہ سب نمازیں شریک ہو جائیں مسجد کے کھلے دروازوں اور دروں سے امام کی گنگناتی ہوئی آواز ہم کو سنائی دیتی رہی اور ہم صحن والے نمازیوں کو ہر تکبیر پر ایک ساتھ کمال باقاعدگی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ - پوری ہو جائے۔ مولانا شبلی حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:-

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پُر لطف اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جسکا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اسلئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اوس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے زبان یا قلم کے ذریعہ سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے۔ باوجودیکہ مہینوں میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جا سکتا ہے تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا بیحد ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے چنانچہ ہر ایک جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا۔ اس لئے قسطنطنیہ پہونچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کے جن سے حال میں ملاقات ہوگئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہونچا۔ وہاں پہونچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ یہ حسین حمید آفندی جو کسی زمانہ میں سفیر ترکش کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولیس کمشنر ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعہ سے جانتے تھے۔ کہ محاربہ روس میں میں بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن مسجد حمیدیہ میں آنا تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھونگا لیکن قسمتی سے اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے جب میں وہاں پہونچا تو وہ وہاں موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازہ پر انکا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک

سلہ باون دفعہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہو۔ مترجم

رکوع و سجود اور قیام کرتے دیکھتا رہا ہے۔ اب ہم کو اپنے دوستوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملگیا ہم کو فرنچ سفیر سویڈن کے ایلچی اور دوسرے حاضرین سے روشناس کرایا گیا۔ سیاہ وردی پہنے خدام نہایت اعلیٰ قسم کی چاء لائے۔ اور سب میں سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ اور سلطان المعظم کی مراجعت کے انتظار کا وقت بڑی خوشی اور لطف میں بسر ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد مدیر التشریفات سب کو اپنے آقا نامدار کا سلام پہونچانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰ پہنچ کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہوگئیں اور تمام راستہ رک گیا۔ میں مایوس ہوکر مسجد میں داخل ہوا اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام مسجد ان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب پہونچی اور یہ "بادشاہم چوں ایشاء" کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے۔ یہ نعرے پے در پے تین بار بلند ہوئے۔ کہ سلطانی مستحبد پہونچا اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ مؤذن نے جو سلطان کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں ملکر دل پر عجیب اثر کرتی تھیں۔ سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہن کر جا سکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب اکر ٹھہری۔ مسجد دو منزلہ ہے اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیئے گئے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا عرب نہ تھا اسلئے اوس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر کے پرجوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے۔ اللھم انصر ھذا السلطان ابن السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان۔ تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور دیر تک بے اختیار دعائیہ الفاظ نکلتے رہے میں اس موقع پر کیا کسی پندرہ بیس شخص جھکے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اٹھے کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے آداب اور رسوم کے خلاف تھیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں۔ دریافت

کے لئے داخل ہوئے۔ اور ہم کو پیغام دیا کہ انگریزی اور فرانسیسی سفراء کے بعد جلالت مآب ہیں پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرماویں گے۔ اس غیر مترقبہ خسروانہ کرم گستری اور عزت افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۔ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان اعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ اس ذریعے سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہے۔ اس طریقہ کو بند نہیں کیا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں تم کو ڈھونڈتا پھرتا تھا تم کہاں غایب ہو گئے تھے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھہرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے دائیں طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے حسین حسیب نے مجھکو اسی صف میں لاکر کھڑا کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر حسن اخلاق کی وجہ سے ہچکچا ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے فوجیں جو دو دو تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی ہیں اور دوسرے دروازے سے نکلتی ہیں صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزوں اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحے مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے در پے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپیریل گارڈ ہے اُنکے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اڑکر عجب لطف دکھاتے تھے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم و بیش دس ہزار فوجیں گذریں۔ آخیر میں سلطان کے دونوں شاہزادے آئے اور عجب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور اون کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا۔ شاہزادے بھی جا چکے تو سلطان زینہ سے اترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعتہً سلام کو جھکیں۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو

سے ہم حیران سے ہو گئے۔ جب موسم خنک ہو تو نماز کے بعد سلطان المعظم ایک چھوٹے سے بالاخانہ میں جو ہمارے گرجوں کے بغلی کمرہ کی طرح مسجد کے متصل ہے رونق افروز ہو کر دریچہ میں کھڑکی ہو جاتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ ٹکٹکی لگ گئی تھی۔ پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤنگا۔ لیکن بخود ٹکٹکی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے افسروں نے دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب و غریب سامان دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا۔ ع دیدہ من بار دیگر ہم نہ دید۔ سلطان جس وقت زینہ سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اس وجہ سے میں اچھی طرح اون کو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہ ہے۔ قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرا۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ۔ اور معمولی ترکش ٹوپی ہے۔

ترکوں میں سلامتی کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بنگیا ہے۔ اس سے فقط شاہانہ جاہ و جلال کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ بڑا فایدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جایزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پائے تخت اور اوس کے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار بلاخطہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں۔ سلطانِ وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہ تماشہ دیکھ کر قیامگاہ پر واپس آیا تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے تھے۔ قلم و کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی کچھ بڑھ کر سامان ہوگا۔ اوس کو بھی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تہمید کے جس قدر اشعار اُسوقت تک موزون ہو گئے تھے لکھ کر چھوڑ دئے تہمید کے آخر کے ان اشعار سے

دیں کہ پیر سید کہ زاں جلوہ گاہ تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ

اس شعر تک۔

اور فوج کے دستے باری باری سے اون کے سامنے سے گذرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اوس دن سخت گرمی تہی اور فوجیں باجہ بجانے کے بغیر آہستہ آہستہ روانہ ہونی شروع ہوگئیں۔ فوج سواران دائیں طرف کو چلی گئی۔ اور گھوڑوں کے سموں سے گرد و غبار اُٹھ کر دور تک ہم کو اوس سڑک کا پتہ بتاتا رہا جس پر سے وہ واپس جا رہی تہی۔ اون کے بعد کئی دوسری رجمنٹیں بہی واپس چلی گئیں اور صرف وہ باقی رہ گئیں۔ جو مسجد اور محل کی درمیانی سڑک پر دو رویہ صف بستہ کہڑی تہیں۔ ہم دیکہتے رہے تہے کہ سلطان المعظم جس پلٹن کے پاس سے گذر جاتے تہے وہ اپنا رخ سڑک کی طرف سے ہٹا کر مسجد کی طرف کر لیتی تہی۔ آدہ ایک گھنٹہ کے بعد صفیں اٹہا لیے گئے اور پاشا مسجد سے باہر نکلکر پہر صحن میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اوسوقت ایک چہوٹے قامت کی فٹن سنگ مرمر کے زینوں کے پاس لائی گئی۔ اوس میں برف ایسی سفید و کمال خوبصورت نقرئی گہوڑی جو قیصر آسٹریا نے تحفتاً ارسال کیے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۔ بزم چو از جلوۂ زیبا پرست ✦ دامن چشمم زتماشا پر است۔

یہی پر اثر اور پر جوش نظارہ مراد ہے۔

عید کو دن سلاملق نہ تہی اور اس صبح سے فوج کی تعداد کم تہی۔ لیکن شان و شوکت جاہ و جلال۔ جوش و اثر سلاملق سے بہی کچہ بڑہ کر تہا۔ قریباً آٹہ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑہ گھنٹہ تک تانتا بندہا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تہا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی۔ سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدہ میل تک تہیں۔ اور اونکے وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تہا۔ شانوں پہندہن پہول۔ دامن اور آستینوں پہ کلابتون کی تحریر سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹھا۔ یہہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا جناب ممدوح گہوڑے پر سوار تہے۔ لباس بالکل سادہ تہا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تہے۔ گہوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹہاتا تہا اور ہر قدم پر اس نر و سی بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تہا کہ تمام میدان گونج اُٹھتا تہا۔

بس یہہ سماں دیکہکر واپس آیا تو قلم دوات لیکر بیٹہا کہ جو کچہ خود دیکہا ہے دوسروں کو بہی دکہا سکوں لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کہینچی ہے۔ وہ بالکل نامکمل تصویر ہے۔

تھے جیتو ہوئے تھے۔ سلطان باہر برآمد ہوئے۔ پاشاؤں نے زمین تک جھک کر فرشی سلام کیا۔ امیر المومنین گاڑی پر سوار ہوگئے۔ اوس کا پچھلا پردہ اٹھا دیا گیا۔ اور جلالت مآب باگیں خود پکڑ کر تیز دلکی سے محل ہمایون کو روانہ ہوگئے۔ سائیس۔ یاور اور پاشا۔ دبلے موٹے سب کے سب پارکاب ساتھ ساتھ دوڑے گئے۔ جلالت مآب نے واپس جاتے وقت دائیں بائیں کسی کی طرف توجہ نہ کی اور آناً فاناً محل کے دروازہ میں داخل ہو کر نظروں سے پنہاں ہوگئے اور سلاملق کا جلوس ختم ہوگیا۔

(۵) محل یلدز سرائے

میں اس پیغام کا اوپر ذکر کر چکی ہوں کہ سلاملق کے بعد سلطان المعظم ہمکو پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمائینگے۔ چنانچہ سلطانی حاجب ہم کو ایک دو کمروں میں سے ایک چھوٹے سے دیوانخانہ میں لیگیا۔ اسکی آرائش سیدھی سادی صوفیانہ تھی۔ البتہ قالین نہایت قیمتی بچھے ہوئے تھے۔ دیوان خانہ میں ہم نے اعلیحضرت گرینڈ ماسٹر آف سیری منیز (رئیس التشریفات، انگریزی سفیر اور اوس کے اول ترجمان کو پایا۔ جلالت مآب سے گفتگو آخر الذکر کی وساطت ہوئی۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ سلطان المعظم ترکی کے سوائے اور کسی زبان میں تکلم نہیں کرتے۔ اور گو وہ فرنچ زبان کے بڑے عالم ہیں مگر آداب شاہی میں داخل ہے کہ وہ کسی غیر زبان کو سمجھ سکنے کا بھی اظہار نہ کریں۔ پس حضور ممدوح جس سے گفتگو کر رہے ہوں اگر وہ فرنچ زبان میں ہی کیوں نہ کچھ کہے جسے سلطان المعظم بخوبی سمجھتے ہیں ترجمان کو اوس کا ترجمہ ترکی زبان میں کر کے سلطان کو سنانا پڑتا ہے۔

جلالت مآب میرے خاوند سے ایسی خوش اخلاقی کے ساتھ اور مجھ سے اور میرے فرزند سے ایسی شفقت اور نوازش سے پیش آئے کہ وہ نہ صرف ہماری توقع سے ہزارہا درجہ بڑھ کر تھی۔ بلکہ اوس سے زیادہ کوئی خوش اخلاقی اور شفقت ہو نہیں سکتی حضور ممدوح نے خود سگرٹ پیش کئے اور دست مبارک سے دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ہم سب ایرہ کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے۔ مجھ کو سلطان المعظم نے اپنے دائیں ہاتھ بٹھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے پروفیسر کی ایک تصنیف کا فرانسیسی ترجمہ مطالعہ کیا تھا۔ اون کے خوبصورت دارالخلافہ کا جس قدر حصہ ہم اب تک دیکھ چکے ہیں اوسکی تعریف ہماری زبان سے سنکر بہت محظوظ ہوئے۔ اور جب ہم کو رخصت کر چکے تو کرسی سے

اُٹھے تو میرے خاوند کو مجیدیہ تمغہ عطا فرمایا۔ اور مجھ کو اُپنے بانو کا سہارا دیکر کمرہ کے دروازہ تک چھوڑنے آئے۔ عزت افزائی اور شاہانہ تواضع کا یہہ انتہائی درجہ تھا۔ اور دوسرے ہی دن کل اخبارات نے اسکا لمبا چوڑا ذکر کرکے ہم کو بڑی بڑی مبارکبادیں دیں۔

سلطان المعظم نے ازراہ عنایت خسروانہ بدوران ملاقات ارشاد فرمایا تھا کہ ہم کو حضور ممدوح کے پرائیویٹ عجائب خانہ۔ کتب خانہ اور باغ کا بھی معاینہ کرایا جائیگا۔ چنانچہ ہم ایوان سے باہر آئے تو ہم نے ایک چیمبرلین (حاجب) اور اعلیٰ داروغہ اصطبل کو اس انتظار میں ایستادہ پایا کہ بارگاہ سلطانی سے برآمد ہونے پر ہم کو محلسرا سلطانی کے وہ مقامات دکھلادیں۔ جہاں اجنبیوں کو بار نہیں ملتا۔ مشہور سیاح پروفیسر ویمبری کے بعد جو سلطان المعظم کا بے تکلف اور گاڑھا رفیق ہے غالباً ہم ہی ایسے پہلے اجنبی ہیں۔ جنکو محل کے یہ حصے دیکھنے کا اتفاق حسنہ نصیب ہوا ہے۔ جس کو شک میں ہم کو شرف باریابی عطا کیا گیا تھا۔ وہ اس کمرہ کے عین عقب میں ہے۔ جہاں سے سفراء حلیوس سلاطین کو معاینہ کرتے ہیں۔ کوشک مذکور سے باہر نکلکر ہم پہاڑی کے اوس ڈھالو راستہ پر جس پر سے اُتر کر سلطان المعظم گاڑی پر جامع مسجد کو تشریف لیجاتے ہیں اوپر کو چڑھے اور یلدز سرار کے بڑے پھاٹک میں سے گذرکر بائیں طرف کو مڑ گئے۔ دائیں جانب حرم سرا کی سڑک کے بے دریچہ دیواریں کھڑی نہیں۔ جن کے برابر انگلستان کے کسی حویلیخانہ کی سی دیواریں بلند نہیں۔ ہم ایک بند دروازہ کے راستہ جس پر سنگین پہرہ موجود تھا ایک چاردیواری کے اندر داخل ہوئے۔ بائیں ہاتھ ایک خوبصورت کوشک بنی ہوئی تھی۔ اوس کے قریب سے ایک تنگ روش کے راستہ ہم اچانک ایسی موقعہ پر پہنچگئے جہاں کا نظارہ عجب کیفیت بخش اور تحیر خیز خوبصورت تھا۔ محل یلدز قسطنطنیہ کی سب سے بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ وہاں ہمیں اپنے سامنے ایک کلان جھیل یا مصنوعی دریا پھیلا ہوا نظر آیا۔ وہ قسم قسم اور وضع کی کشتیوں اور قایقوں سے پٹا ہوا تھا۔ اون میں ایک کشتی ایسی بھی تھی جو برقی طاقت سے چلائی جاتی تھی۔ چاروں

۱؎ یہہ شخص نہایت ہی دلفریب ہے۔ اور اوسکی ملاقات سے طبیعت کو کمال فرحت حاصل ہوتی ہے۔ آجکل وہ جلاوطن ہے کیونکہ نوجوان ترکی پارٹی کا وہ بڑا سرگرم رکن ہے۔ مصنف

نوجوان ترکی پارٹی کا بست سالہ عہد حکومت کے ضمیموں میں مفصل ذکر ہوچکا ہے یہاں توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں۔ مترجم

۲؎ اس ہنگرین پروفیسر کے بعض لکچر کتاب بست سالہ عہد حکومت میں درج ہیں۔ مترجم

طرف سے باغ ڈہال کہاتے ہوئے اوسکے کناروں تک چلا آئے تہی۔ گہاس کے تختے سبزی میں انگلستان کے بہترین باغ کو ماند کر رہے تہے اور خود گہاس بہی کمال صفائی کے ساتہہ ترشا ہوا تہا۔ ہر طرف نہایت خوبصورت چہوٹے چہوٹے پودے اور نمائشی کہجوریں لگی ہوئی تہیں اور پہولوں کے حاشیے تو بیچ بیچ بقعہ نور معلوم ہوتے تہے۔ ہوا نارنگی کے پہولوں کی خوشبو کے بوجہہ سے دبی جاتی تہی اور باغبان ہر تختہ میں گہاس بلکہ روشوں پر بہی جو کنکر ہی سے بہر بہری ہو رہی تہیں چھڑکاؤ کرنے میں لگے ہوئے تہے۔ حرم کی دیوار جو اب ہمارے دائیں ہاتہہ تہی اس جگہ چار دیواری کے بیرونی حصہ کی طرح برہنہ نہ تہی۔ بلکہ بانک کے سفید گلاب سوسن لکہی۔ خوشبودار و رنگا رنگ پہولوں اور دیگر کئی اقسام کی بیلوں سے تا لب بام ڈہنپی ہوئی تہی۔ اسکے ساتہہ ایک بہت بڑا کبوتر خانہ بنا ہوا تہا جو نصف کے قریب انہی بیلوں سے چہپا ہوا تہا۔ اور ہزاروں سفید کبوتر جن کو سول خدا کو بہت محبت تہی اڑتے ہوئے اوس سے باہر نکل رہے یا اندر داخل ہو رہے تہے اور اس کل مجموعہ کو مشرق کی چمکدار دھوپ جس میں ہر چیز ایسی صفائی سے دکہائی دیتی ہے۔ کہ انسان میں بعد مسافت کی تمیز تقریباً معدوم ہو جاتی ہے سنہری رنگ سے رنگ رہی تہی جبل کے آخری سرے پر صحرائی مرغابیوں کو پہسلانے کے لئے ایک پالتو لطیخ موجود رہتی ہے۔ وہاں سلطان المعظم اکثر شکار کہیلا کرتے ہیں۔ اوس سے پرے باسفرس کے کنارے تک رمنہ (سیرگاہ) پہیلا ہوا ہے۔ اوس کا کچہہ حصہ ہم کو مندرجہ بالا موقع سے دکہائی دے رہا تہا۔

ہم کبوتر خانہ سے پرے کی ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ اوس میں ایک ہی لمبا سا کمرہ ہے۔ جو مشیہا خزاین اور اشیاء سے معمور ہے اور یہی سلطان المعظم کا پرائیویٹ عجائب خانہ ہے۔ اوس میں وہ تمام تحائف جو حضور ممدوح کو موصول ہوئے ہیں اور نیز اون کے بعض متقدمین کے وقت کی بہی بیشبہا قیمتی چیزیں نہایت سلیقہ اور خوبصورتی سے ترتیب وار رکہی ہیں مثلاً کلاک دیواری گہڑیاں، اوجیبی گہڑیاں مرصع زریں۔ زمرد کی بنی ہوئی چیزیں۔ صندوقچے۔ کمال خوبصورت مجلد کتابیں۔ تمام قسم کے ظروف چینی بڑی اور چہوٹی تصویریں۔ مرصع زیورات ہر قسم کے۔ الغرض نوع فوع کی گوناگوں بیش بہا اشیاء اوس میں موجود ہیں جو سب کی سب الماریوں میں اس طرح سے باسلیقہ چنی ہوئی ہیں کہ انسان ہر ایک کو فرداً فرداً بغور دیکہہ کر لحظ اٹہا سکتا ہے۔ اوس میں اوس گڑبڑ اور خلط ملط کا نام و نشان نہیں جو قدیم مجلسوں کے خزانہ میں پائی جاتی ہے۔ ایک سیدہی الماری

میں سیورس[1] کی ساخت کی نہایت ہی خوبصورت ۴۸ کاریاں نیلگوں چینی کی رکھی ہیں۔ یہہ شہنشاہ نپولین نے بطور تحفہ بھیجی تھیں۔ ہر ایک کا بی نہایت دبیز مخملی خانہ میں ہے۔ ۲۴ الماری کی ایک طرف ہیں اور ۲۴ دوسری طرف۔ ایک ایک کا بی صناعی و دستکاری کا اعلیٰ اور کامل ترین نمونہ ہے چیزوں کے نام لکھنے میں بعض بعض جگہ غلطی ہوگئی ہے مثلاً ایک تصویر کی نسبت لکھتی پر جسے ہم نے پہچان لیا کہ لارڈ پامرسٹن (مرحوم) سابق وزیر انگلستان کی ہے۔ شوہر ملکہ معظمہ لکھا ہوا ہے۔ ایک ایک چیز کی پڑتال اور معاینہ میں اگر ہم کئی کئی گھنٹے لگا دیتے تو بھی طبیعت سیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر وقت تھوڑا تھا۔ اور اوس میں کل مقام دیکھنے تھے۔ یہاں سے ہم پائیویٹ اصطبلوں کو گئے۔ یہہ بھی حرم سرا کی چار دیواری کے اندر ہیں۔ اُن میں خالص ترین عرب نسل کے بارہ عرب۔ ہوا بند ہے ہوئے تھے۔ سلطان المعظم یلدز سرا کے رستہ میں ان ہی پر زین سوار ہو کر یا اون کو گاڑی میں جتوا کر ہوا خوری کرتے ہیں۔ وہ سب کے سب نقرئی یا سیمیں تھے۔ ہم نے کتوں کا کہیں وجود نہ دیکھا۔ مشرق میں اونکی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ ہاں یہہ سُنا کہ سلطان المعظم کے پاس انگورہ (انقرہ) کی سفید بلیوں کی ایک نہایت ہی خوبصورت اور بے نظیر نسل ہے۔ اون سے اون کو کمال محبت ہے۔ اور کبھی کبھی اون کے بچے اپنے دوستوں کو بھی عطا کر دیتے ہیں۔ مگر میں نے ان بلیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ دل بہلانے والے جانوروں کی قسم سے ہمیں صرف ایک کلاں جسم طوطا نظر آیا جو حرم سرا کے دروازہ پر پنجرہ میں بند تھا جب ہم اوس کے پاس سے گذرے تھے تو کسی نامعلوم زبان میں جو غالباً ترکی ہوگی اوس نے چند فقرے کہے حرم سرا کے دروازہ سے باہر نکلنے پر جب ہم سے رخصت ہو گیا۔ وہاں دو گاڑیاں ہم کو شاہی اصطبلوں میں پہونچانے کے لئے کھڑی تھیں۔ ہم سوار ہو گئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری کے گرداگرد خوبصورت درختوں کے رستہ میں سے پتھر کی ایک بڑی عمارت پر پہونچگئے۔ ہم گو حرم سرا کی چار دیواری سے باہر ہو گئے تھے۔ مگر ابھی تک یلدز سرا کی بیرونی چار دیواری کے اندر ہی تھے۔ حد نہ ایسا پر فضا تھا کہ اگر اوس کے پرلے سرے پر ہم کو یاسفرس کا دلفریب پانی نظر نہ آرہا ہوتا تو بلا مبالغہ یہی

---

[1] فرانس کا ایک شہر جو وہاں کے دارالخلافہ پیرس سے بجانب جنوب مغرب چھ میل کے فاصلہ پر واقع اور ظروف چینی کیلئے شہرہ آفاق ہے۔ وہاں کی آبادی سات آٹھ ہزار کے قریب ہے۔ مترجم

[2] سنہ ۱۷۸۳ء میں پیدا اور سنہ ۱۸۶۵ء میں فوت ہوا۔ مترجم

گمان ہوتا کہ ہم انگلستان کے کسی رمنہ سے گذر رہے ہیں۔ پتھر کی اس عمارت میں صرف گھوڑے ہوتے اصطبل ہے۔ سیاہ فام اور سفید رنگ سائیس چمکدار وردیاں پہنے ہر طرف موقع بموقع کھڑے تھے۔ طویلے دو رویہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طویلہ یا کمرہ میں ایک ایک گھوڑی بندھی تھی۔ ہم گاڑیوں سے اتر کر درمیانی راستہ پر پیدل چلکر ان خوبصورت جانوروں کو جن کے چمڑے ملائم اور چمکدار۔ آنکھیں مست اور تیز فہم اعضا کامل وضع دار تھے دیکھتے گئے۔ میرزا رضا نے ان میں سے خوبصورت تین گھوڑی کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا کہ زین کسکر اوسے ہمارے سامنے پھرا کر دکھایا جائے۔ یہ سکانگ سفید رنگ تھا دم لمبی اور خمدار۔ اور بعینہ اوس شکل کی تھی جیسی کہ تصویروں میں نرکوں اور اون کے گھوڑوں کی دکھائی جاتی ہے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مجھے اسلئے پھرایا جارہا ہے چنانچہ اوس نے اپنا فرض ٹھیک کسی ویسی ملکہ حسن و جمال کی طرح جو اپنی خوبصورتی اور رعنائی سے واقف ہو۔ قابل تعریف طریق سے ادا کیا۔ یہاں سے سوار ہو کر ہم پھر دوسرے اصطبل میں گئے۔ یہ گھوڑوں کا تھا جو سب کے سب سانڈ ہیں۔ گھوڑے مختلف نسلوں کے تھے۔ ان میں دو وہ سفید آسٹرین تھے۔ جو صبح سے واپس آتے وقت سلطانی گاڑی میں جتے ہوئے تھے۔ چند نہایت ہی مضبوط مشکی رنگ کے ویسی گھوڑی تھے۔ سائیسوں نے ہم کو جاتے ہی کہدیا کہ اُن کے قریب نجائیں۔ کل اصطبلوں کا انتظام خفیف جزئیات تک کمال پسندیدہ اور جدید ترین فیشن کے مطابق تھا۔ یہاں ہی ایک گھوڑے پر زین ڈالی گئی اور ہمیں پھرا کر دکھایا گیا۔ اس اصطبل سے باہر کئی بڑی بڑی سقف عمارتیں تھیں جنکی چھتیں دیواروں کی بجائے ستونوں اور محرابوں پر قایم ہیں۔ ان میں سلطان المعظم کی طرف سے رمضان کے مہینہ میں ہر رات کئی ہزار غربا کو اور عید کے دن بیشمار مخلوق کو کھلایا جاتا ہے۔ یہاں سے ہم اوسی راستہ جس پر سے آئے تھے۔ یلدز سرا کے پھاٹک کو واپس گئے اور ان سب نظاروں سے جو فرحت حاصل ہوئی تھی۔ اوس کا اظہار کر کے وہاں پر میرزا رضا سے رخصت ہوئے اور پھر اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔

اوس سے دو دن بعد سلطان المعظم کی دعوت پر میرا خاوند اور فرزندرات کے وقت محلسرا سلطانی میں شریک ضیافت ہوئے۔ اوس موقع پر جب میرے خاوند نے جلالت مآب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ وہ یلدز سرا کے متذکرہ بالا مقامات کو دیکھ کر کمال محظوظ ہوا ہے تو حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا "تم نے میرا پرائیویٹ کتب خانہ نہیں دیکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہی تم ضرور دیکھو" ہم نے اس کا

ذکر صادق بک سے کیا۔ بک ہوصوف کو جو سلطانی یاور تھا۔ جلالت مآب نے اس کام پر مامور فرما دیا تھا کہ جب تک ہم ممالک محروسہ میں ہیں جہاں ہم جائیں ہمارے ساتھ جاکر ہم کو ہر ایک چیز کی سیر کرائے۔ وہ بہت خوش اخلاق شخص ہے۔ اور یہ زیادہ تر اسی کی مسلسل نوازش و شفقت اور توجہ کا باعث تھا کہ قسطنطنیہ میں ہمارا وقت ایسی خوشی اور مسرت کے ساتھ بسر ہوا۔ اوس نے فوراً اس بات کا انتظام کر دیا کہ ہم دوسرے دن کتب خانہ کو دیکھ سکیں۔

چنانچہ ہم پیر بلیز سرا کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوئے۔ مگر داخل ہوتے ہی دائیں طرف کو مڑ گئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری سے باہر باہر ہی رہکر جلد ایک کوشک میں جس میں ایک ہی طویل و بلند کمرہ بنا ہوا ہے پہونچ گئے۔ یہ سلطان المعظم کا پرائیویٹ کتب خانہ تھا۔ اس کا مہتمم ایک پیرانہ سال مقبول صورت اور خوش خلق ترک تھا۔ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ تاہم اپنے زیر اہتمام کتابوں کا عاشق شیدا اور اُن پر کمال نازاں ہے۔ اوسکے ماتحت سات یا آٹھ فہین طبع اسسٹنٹ تھے۔ مہتمم نے ہم کو جھٹ پٹ ایک میز کے گرد بٹھا کر کتابوں کی فہرست جو نہایت احتیاط سے تیار کیگئی ہوئی اور خوب پُرتہی ہمارے سامنے رکھ دی۔ اور صادق بک ترجمانی کا کام دینے کے لئے ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ میرا خاوند جس کتاب کا نام بتاتا۔ اوسی وقت ایسی مخلصانہ مستعدی سے تلاش کر کے فی الفور لے آتا۔ کہ اوسے دیکھ کر دل پر اچھا اثر ہوتا تھا۔ اسسٹنٹ بھی قابلیت کے ساتھ اوسے امداد دیتے رہے۔ پہلے وہ چند خوبصورت فارسی زبان کے قلمی نسخے لائے۔ اون کے صفحوں اور جلدوں پر ہنری کام تھا۔ پھر میرے خاوند نے ترجمان کی معرفت اُنہیں کہا کہ کتب خانہ میں اگر ہندوستان کی کوئی کتابیں ہوں تو میں اون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ چند لمحوں میں پھرتی کر کے ویسی سب کتابیں لے آئے۔ مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ زیادہ تر فن موسیقی پر تصنیف کتابیں ہیں۔ بعد ازاں وہ قرآن شریف کے چند قلمی نسخے اور تفسیریں ہمارے سامنے لائے۔ اور اسکے بعد ہم سے درخواست کی کہ کمرہ میں گشت کر کے کل کتابوں کو ایک نظر ملاحظہ کر لیں۔ الماریاں گول اور بہتر بن ساخت کی تھیں اور پھیرائی جا سکتی تھیں۔ کمرہ کے ایک سرے پر انگریزی۔ فرنچ اور جرمن زبان کے مستند مصنفین کی تصنیفات کا بہت عمدہ ذخیرہ تھا۔ کمرہ کے وسط میں آئینہ دار الماریاں تھیں۔ جو زرنگار جلدوں کی باتصویر کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بطور تحفہ موصول ہوئی تھیں جب تک میرا

خاوند صادق بک کی وساطت سے پیرانہ سال مہتمم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اسسٹنٹ مجھ اور میرے فرزند کو استنبول کی شاہی عمارات اور ممالک محروسہ عثمانیہ کے دیگر مقامات کی چند نہایت ہی خوبصورت عکسی تصویریں دکھاتے رہے۔

ان لوگوں نے ہم کو خوش کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اور کمال خوش اخلاقی اور توجہ سے پیش آئے سلطان المعظم نے اون کو ہمارے آنیکی پہلے سے خبر بھجوادی تھی۔ مہتمم نے ہم سے ذکر کیا کہ جلالت مآب کو اس کتب خانہ سے بہت اُنس ہے اور تقریباً ہر روز بلا ناغہ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرے خاوند نے خصوصاً محمد روح سے اپنی تصنیفات پیش کرنیکی اجازت ملنے کی درخواست کی تھی۔ مہتمم نے ہمیں بتایا کہ سلطان المعظم نے مجھ حکم بھیجدیا ہے کہ جب وہ کتابیں آئیں اون کو نمایاں جگہ پر رکھو۔ ہم اس دلکش مقام سے طبیعت پر بڑا جبر کرکے رخصت ہوئے۔ حضرت مہتمم مع اپنے تمام عملہ کے دروازہ تک ہمارے ساتھ آیا اور وہاں سے وہ مشرقی قاعدہ کے مطابق مودبانہ فرشی سلام کرکے یعنی دایاں ہاتھ پہلو سینہ اور پھر پیشانی پر رکھ کر واپس ہو گئے۔ ہم کتب خانہ میں دو گھنٹے ٹھہرے۔ جو وقت وہاں کے عملہ کی نوازش اور خوش اخلاقی سے بہت خوشی کے ساتھ بسر ہوا۔

(۶) رسول اللہ

زمانہ قدیم یعنی بت پرستی کے زمانہ کی عجائبات کا بھی ایک عجائب گھر اب قسطنطنیہ میں قایم ہو گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ کی رفتار اور ترقی کے ساتھ بتدریج کل تعصب اور توہمات دور ہوتے جاتے ہیں عجائب گھر کی عمارت کے گرداگرد جو یونانی سنگی مورتیں رکھی ہوئی ہیں وہ سب کی سب بے سر ہیں۔ یہ امر اوس ملک کو جو زمانہ قدیم کی ان نادرہ روزگار عجوبات سے گذشتہ زمانہ میں ہوتا تھا۔ بخوبی واضح کر رہا ہے۔ مگر اب نقشہ بالکل بدل گیا ہے۔ ان بے سر اور شکستہ مورتوں کو درست کرنے کی گو کوئی کوشش نہیں کیگئی جنکی اگر درستی کر دیجائے تو اشیاء قدیم کے تمام شایقین نہایت ممنون ہوں۔ تاہم اسوقت جو پرانی چیزیں نئی دستیاب ہوتی ہیں۔ اونکا ایک ذرہ اور ٹکڑہ نہایت احتیاط سے جمع کیا جاتا ہے اور اگر ممکن ہو تو اس شکستہ ٹکڑے کو اوس کے مناسب موقع پر جوڑ دیا جاتا ہے اسلامی ملک میں ایسا ہونا بالکل نئی بات ہے۔ اور اکثر دیگر چیزوں مثلاً بیل۔ ماربقی اور دوزانہ اجناس

وغیرہ کے اجرائے کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ ترکی بالیقین ترقی کر رہی ہے اور اکثر لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ اسلامی ممالک کبھی ترقی نہیں کر سکتے اور اسی طرح ترکی بھی مسلمانوں کا ملک ہونیکی وجہ سے بالکل بے حس و حرکت پڑی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اہالی فرنگستان کا یہ مقولہ ہے کہ اسلام اور ترقی دو متضاد چیزیں ہیں۔ اون بیشمار غلط اور مہمل اوہام مقولوں میں سے ہے جن میں صداقت کا صرف چھوٹا سا ذرہ غلط فہمی کی مقدار کثیر سے ڈھنپا ہوا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور اپنی پرانی رسم و رواج اور احادیث و روایات قدیمہ کے سخت گرویدہ ہیں۔ وہ ان روایات کو تقریباً ویسا ہی مقدس سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کو۔ اور معاشرت و زندگی کے ضروری کے کاروبار میں یہی انہی پر دار و مدار رکھتے ہیں۔ اسی طرح ترک بھی لاکلام بڑے پابند مذہب اور لکیر کے فقیر بلکہ بعض معاملات میں وہی مزاج اور تنگ خیال ہیں۔ وہ ہر قسم کی فلسفیانہ بلند خیالیوں کے بڑے مخالف ہیں۔ گو ان میں سے چند اشخاص صوفیاء کے پراسرار طریقہ کے پیرو ہیں۔ تاہم عوام جس بات میں آزاد خیالی کی بو بھی پائی جائے اوس سے سینکڑوں کوس پرے بھاگتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایران میں جو کئی باتیں گوارا کر لی گئیں ہیں۔ اون کو ترکی میں کبھی پسند نہ کیا جائے جس خلوص اور صدق دلی سے ترک اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہیں اوسے دیکھکر غیر مذہب والے کو بھی سچی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ کوچہ و بازار میں راہ چلتے چلتے تم اکثر دیکھو گے کہ جب نماز کا وقت ہوا۔ عام آدمی ہوں یا سپاہی حمال ہوں یا گداگر۔ فوراً قبلہ رُخ ہو کر رکوع و سجود میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مسجدوں میں ہر روز لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں اور اوس سے فارغ ہو کر پھر گھروں یا دکانوں کو لوٹ جاتے ہیں اور اپنی دنیاوی کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مساجد میں یا وہ نرم دجاتے ہیں جن میں جوان بوڑھے سب عمر کے ہوتے ہیں جمعہ کے دنوں کو تمام مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ اور نمازیوں کا بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ یا چپکے چپکے دل میں نماز پڑھیں یا امام کے پیچھے چپ چاپ کھڑے ہو کر قرآن شریف کی قرات سنیں۔ یا نماز کے بعد اخلاقی و مذہبی بلکہ پولیٹیکل (سیاسی) امور پر وعظ و نصیحت اور خطبے سنیں۔ جامع یا صوفیا میں امام کو تلوار پر سہارا لگائے محراب پر چڑھتے ہوئے اور پھر تلوار کو کندھوں کے اوپر سے ہلاتے ہوئے خطبہ دیتے یا وعظ کرتے دیکھنا قابل دید نظارہ ہے خواہ اوس کے دیکھنے سے ہم عیسائیوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہو جائیں وہ کسی طرح کے ہی کیوں نہ ہوں۔ وعظ ہمیشہ اخلاقی اور مذہبی معاملات پر ہی نہیں بلکہ بعض

وقت پولیٹیکل قسم کا ہی ہوتا ہی۔ اور عوام الناس اوس کو ویسے ہی غور سے سنتے ہیں جس غور سے کہ وہ قرآن شریف کی کسی سورت کو سنیں۔ البتہ یہہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف میں ہی فقط مذہب کے بنیادی اصولوں کا ہی نہیں بلکہ معاشرت[۱] اور تمدن کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے متعلق ہی متعدد جزوی قواعد درج ہیں۔ اُن معاشرتی قواعد میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ فقط صحرا کے بدوؤں کے حسب حال تھے۔ اُن پر یورپ کے موجودہ بڑے بڑے شہروں میں سے کسی ایک میں کاربند ہونیکی چنداں تعمیل ہی نہیں۔ بلکہ یہہ کہ وہاں اُن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اونکی سوسائٹی کا نقشہ اوس سوسائٹی سے جو ان اخلاقی قواعد کو وضع کرتے وقت (حضرت) محمد[۲] (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے موجود تھی بالکل مغایر ہے۔ معلوم ہوتا ہی کہ جناب ممدوح کے پیروؤں نے اون کے اس ارشاد کو بالکل بھلا دیا ہی۔ کہ میں[۳] بھی تم جیسا ایک انسان ہوں جب میں مذہب کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں۔ تو اوسکی تعمیل کرو مگر جب میں تم کو دنیاوی معاملات کے متعلق کچھہ حکم دوں تو اوسوقت میں بھی تم جیسا انسان ہوں"۔ حالانکہ حضرت ممدوح کے وقت سے اب زمانہ کی ہر چیز کا رنگ ڈھنگ بدل گیا ہی۔ اور ان کے لئے قواعد جدید حالات پر اطلاق کئے جانیکے قابل نہیں رہگئے جس نظر سے ابتدائی خلفا کے فاتح و منصوبہ[۴] بیوں غیر مذاہب کے لوگوں کو

---

[۱] میں اسجگہ پر فنیسر میک مولر کے ساتھہ بحث کرنا پسند نہیں کرتا ایسی سطحی اعتراضات کے جواب قبلہ سرسید مرحوم اور آنریبل سید امیر علی صاحب ایسے جادوگار مفصل اور واضح طور پر دیچکے ہیں انہی قواعد کی خوبیاں کم نظر عیسائی مہذبین پر جو پچاس ساٹھہ برس ہوئے اس بات کے قابل ہی نہ تھے کہ اسلام کے کسی قاعدہ میں ہی کوئی خوبی ہوسکتی ہو اب خود بخود بتدریج واضح ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اور وہ وقت بعید نہیں کہ اونکی سب احکام کی موزونیت اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے حسب حال ہونیکی کیفیت پوری طور پر واضح ہو جائیگی۔ مترجم

[۲] پرفنیسر کے اس فقرہ سے عیسائیوں کی غلط فہمی کی اصل کنہ ناظرین کو معلوم ہوگئی ہوگی بات یہہ ہی کہ نصف مزاج سے منصف مزاج عیسائی یہی ہی خیال کرتا ہی کہ یہہ احکام قواعد حضرت سرور کائنات کے خود وضع کردہ تھے۔ حالانکہ اونکی واضح وہ ذات برتر و اعلی ہی جس کے علم سے ماضی حال اور استقبال کی ذرہ ذرہ چیز پوشیدہ نہیں۔ مترجم

[۳] یہہ حدیث یہی درست محل پر استعمال نہیں کیگئی حضرت سرور کائنات نے صرف اپنے ارشادات کی ایک قسم کی نسبت ایسا بیان فرمایا تھا۔ نہ کہ قرآن کریم کے احکام کی نسبت جسکو وہ صادر کنندہ تھے بلکہ محض سنا دینے اور پہونچا دینے والے۔ مترجم

[۴] یہاں ہی پر فنیسر صاحب بقول کسے بودم مرکب کجا تا خنم عجب غلط فہمی میں پڑ رہے ہیں سمجھ تو کر رہے تھے حضرت سرور کائنات

دیکھتے ہو ویسی نظر سے کم از کم قسطنطنیہ ایسے شہر میں جہاں اعلیٰ ترین منصبوں میں سے کئی ایک پر عیسائی مامور ہیں اور جہاں عیسائی اور مسلمان سٹیمروں۔ ٹرام گاڑیوں اور ریل کی گاڑیوں میں ایک دوسرے کے دوش بدوش بیٹھتے سگرٹ پیتے اور اپنے اپنے اخبار پڑھتے رہتے ہیں مسلمان غیر مذاہب والوں کو نہیں دیکھ سکتے میں یہ نہیں کہتا کہ ترکوں کی متوسط اور ادنیٰ جماعتوں کے دلوں میں عیسائیوں اور اجنبیوں کی طرف سے مطلقاً عناد اور دشمنی موجود نہیں ہوگئی۔ اگر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کوئی بلوہ ہو جائے۔ یا ترکوں کو مفصلات میں عیسائیوں کے بغاوت کر دینے کا اندیشہ ہو جائے تو ان کے دلوں میں "عیسائی کتوں" کی طرف سے جو نفرت خوابیدہ موجود ہے وہ بآسانی مشتعل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک پکے ترک کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ قرآن شریف کو خدا کا کلام نہیں مانتے وہ لظے (دہکتی ہوئی آگ) میں ڈالے جائیں گے پس جن لوگوں کی یہ کیفیت ہو۔ ہمکو (ان کے تعصبات اور توہمات کی اصلاح کے بارہ میں) بے اندازہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ ہم کو اپنے عیسائی ممالک کے فرقہ پیوری ٹن[1] کی تنگ خیالی کیا معلوم نہیں۔ یہ کوئی زیادہ برسوں کی بات نہیں ہے کہ کلیسیائے سکاٹ لینڈ کے چند ارکان نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ کہ جو لوگ گرجا میں ارغنون (باجہ) کے استعمال کو پسند کرتے ہیں وہ کبھی عذاب اُخروی سے مخلصی نہیں پا سکتے۔ ترک لوگ سکاٹ لینڈ والوں سے نہیں پیوری ٹن فرقہ کے معتقدوں سے کئی باتوں میں مشابہ ہیں۔ اور ان کا مذہبی جوش بڑی آسانی سے مشتعل ہو سکتا ہے۔ ہم بے تعداد کہانیاں سن چکے ہیں کہ بلگیریا میں ترکوں نے ناگفتہ بہ ظلم و ستم کئے ہیں۔ مگر عیسائی یہ تو بتائیں کہ لڑائی میں کون قوم اس سے بری رہتی ہے۔ مان لیا کہ ترک سفاک اور ناگفتنی ہیں۔ بلغاری عیسائیوں کی اسوقت کیا کیفیت تھی جبکہ وہ چیرہ دست ہو گئے تھے اور ان کو بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ یہ درست ہے کہ موجودہ علما ترک سپاہیوں کو یہی تلقین کرتے ہیں کہ موقع حرب پر جس قدر زیادہ عیسائیوں کو قتل کیا جائے اوسی قدر سہولت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳۔ کے وضع کردہ قواعد پر چنکہ زمانہ مبارک میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر کوئی نتیجہ خیز فتح نہیں حاصل ہوئی تھی۔ بلکہ الٹا عیسایان حبش کا ممنون احسان ہونا پڑا تھا اور آپہونچے ہیں۔ ابتدائی خلفاء کے زمانہ میں جنکو قواعد کی توضیح میں کوئی دخل نہیں حاصل تھا۔ علاوہ بریں ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اس زمانہ میں غیر مذاہب بالخصوص عیسائیوں کو حقارت یا عناد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا زیادہ صحیح کیلیو دیکھو فیروز ضیاء الدین مترجم

[1] یہ فرقہ عیسائیوں کا گویا ہمارا یہ فرقہ ہے مترجم۔

کا اطمینان زیادہ یقینی ہوجاتا ہے۔ اور جب ایسی تعلیم ملے تو ظاہر ہے کہ سپاہی بہشت میں جانیکے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اُٹھا رکھیگا۔ لیکن اسکو ساتھ ہی یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ دیگر مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف اسیروں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیتا ہے اور عورتوں اور بچوں پر سختی نہ کیجائے یہی خاص طور پر تاکیدی ممانعت کرتا ہے۔ افسوس ہے تو یہی کہ عام درجہ کے ترک قرآن شریف جانتے نہیں وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ اور ترکی ترجمہ کے چھپنے کی اجازت نہیں۔ چند برس ہوئے۔ مدراس میں ایک مسلمان اہل جرم میں اسلام کے دایرہ سے خارج کر دیا گیا تھا کہ اوس نے عربی کے بجائے قرآن شریف کی آیات کا اردو ترجمہ نماز میں پڑھا تھا۔ جو عربی جانتے ہیں۔ اُنہوں نے تو قرآن شریف کا مطلب درست سمجھ لیا۔ مگر جو نہیں جانتے اون کو جو کچھ ملا اور امام بتائیں درست اتنا پڑھتا ہے مسلمانوں میں نہ ہی تعقد اور اس کا ویسا کوئی طبقہ موجود نہیں جس طرح ہم عیسائیوں میں پادریوں کا۔ اسلامی ممالک میں علما کی ایک جماعت ہوتی ہے جو الہیات فقہ اور دیگر مذہبی علوم میں ماہر ہوتے ہیں۔ اہل محلہ و دیہات انہی میں سے امام مقرر کر لیتے ہیں مساجد میں باجماعت نماز پڑھانا اُنکا کام ہوتا ہے مفتی (مشیران قانونی) اور قاضی (جج) گورنمنٹ مقرر کرتی ہے۔ ان علما کی تعلیم بالطبع اُنکے ذاتی خیالات سے رنگی ہوتی ہے جن خیالات میں سے اس کا باعث خواہ مذہبی یا سیاسی وجوہات ہوں ایک یہ ہوتا ہے کہ اون کے دلوں میں عیسویت کی طرف سے بخش اور نفرت ہوتی ہے۔ مذہبی اور سیاسی پرجوشی اور تحریک کے اوقات میں اُن لوگوں کو عوام الناس پر بڑا اقتدار حاصل ہوتا ہے اور اوس موقع پر وہ گورنمنٹ کی صلح کل اور زیادہ وسیع الخیال پالیسی کو ہر قسم دیگر بہت کچھ نقصان پہونچا سکتے اور شرارت کھڑی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ترک عیسویت سے بے خبر رہتے اور اوس سے نفرت رکھنے کی وجہ سے مستوجب ملامت ہیں تو ہم عیسائی تو اون سے بدرجہا زیادہ اسکے مستوجب ہیں۔ ترک تو صرف بیخبر رہتے ہیں یا دل میں نفرت رکھتے ہیں۔ ہمارے عیسائی حضرات مذہب اسلام کی نسبت علانیہ حقارت کے ساتھ ذکر اذکار کرتے ہیں۔ عیسائی فقیہ اور علمائے علوم مذہبیہ اس کے جواب میں یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم قرآن نہیں جانتے۔ قرآن کے متواتر کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور گو اسلامی علوم دینی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے احادیث اور روایات کا علم ہونا ضروری ہے تاہم صرف قرآن شریف کو ہی بغور پڑھنے سے انسان مذہب اسلام سے خاصی واقفیت پیدا

لہ کیا توریت اور وید میں بھی ایسی ہی نرمی کا حکم ہے۔ مترجم

کرسکتا ہے۔ دنیا میں تمام ضروری اصولوں میں کوئی دو مذہب ایسے کامل متفق اور متحد نہیں جیسے کہ اسلام اور عیسویت۔ یہہ دونوں ملتیں ایک ہی باپ کی بیٹیاں۔ ایک دوسری کی سگی بہنیں۔ اور ایک ہی روح سے فیضیاب ہیں۔ اگر حضرت محمدؐ کو عیسویت کے بعض عقاید کے مدعا کے سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہوجاتی تو ظن غالب ہے کہ رسول خدا اور اون کے معتقدین عرب صاف اور سادی عیسویت کو اپنا مذہب قبول کرلیتے۔ اس کو کل تسلیم کرتے ہیں اور سب سے بڑھکر خود آنحضرت صاف صاف تسلیم فرما چکے ہیں کہ اونہی منجملوں سے ہے جو کہ یہودی اور مسیحی مذہب کے تھے اون کو علم اور الہام حاصل ہوا اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے مخالفین کو بھی اس بات کا پورا پورا علم تھا۔ کیونکہ رسالت سے انکار کرتے وقت وہ یہہ کہا کرتے تھے کہ یہہ باتیں کسی انسان نے آنحضرت کو سکھائی ہیں۔ اسبارہ میں وہ یہودیوں جبر اور یاسر کا نام لیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت کو عہد نامہ عتیق پڑھکر سنایا تھا۔ حضرت کی حرم محترم سے بھی یہ سنا ہے یہودی المذہب اور آریہ مسیحی المذہب فیطن تھیں۔ حضرت خود نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور اس امر کا سخت افسوس ہے کہ اون کو یہودیت اور نصرانیت کا علم کسی پاک اور زیادہ براہ راست ذریعہ اور وسیلہ سے نہ ہوا (یعنی عیسائیت اور یہودیت کے اچھے نمونے اونکی نظر سے نہ گذرے) عیسائیوں کے جو فرقے اونکی نظر سے گذرے اونہوں نے عیسویت کو خراب کردیا ہوا اور اوس کے چند لازمی اور مسلمہ عقاید کو غلط لباس پہنا دیا ہوا تھا۔ اوسوقت عیسائی علماء کا یہہ حال تھا کہ اون میں فی الواقع اس مسئلہ پر بڑے زور شور سے بحث مباحثہ ہورہے تھے کہ آیا مریم دیبی تھیں انسان اور آیا وہ معصوم تھیں یا خطاکار۔ ایسی صورت میں کیا حضرت محمدؐ اور اون کے پیروؤں کے عیسائیوں کی اصلاح سے مایوس اور اون کے عقاید سے متنفر ہوکر عیسویت سے روگردان ہوجانے اور تثلیث کے کل عقیدہ کو تین خداؤں کی پرستش اور توحید کا (جو کہ حضرت ممدوح اور اونکے معتقدین کے اعتقاد اور دین و ایمان کا اصل اصول تھی) نقیض قرار دینے پر کوئی تعجب ہوسکتا ہے؟۔ اوسوقت اونہوں نے عیسائیوں کے اعتقادات کو دیکھکر یہی رائے قائم کرلی تھی کہ عیسائی تثلیث سے

لہ پروفیسر کا یہہ بھی خیال غلط ہے۔ کئی پاکیزہ صفات عیسائی اور یہودیوں سے آنحضرت کو سابقہ پڑا۔ اور جونہی اونکو رسالت کا حال معلوم ہوا وہ فی الفور ایمان لے آئے۔ بلکہ یہہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ بعثت کے منتظر بیٹھے تھے دعوت اسلام کی خبر پاتے ہی مسلمان ہوگئے۔ مترجم

باپ۔ ماں اور بیٹا کی مراد لے رہی ہیں یعنی اللہ کو باپ۔ کنواری مریم کو ماں اور مسیح کو فرزند بتا رہا ہے۔ زمانہ مابعد میں بیضاوی نے عیسوی تثلیث کا نسبتاً زیادہ درست مطلب سمجھا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھ کو ایک عیسائی نے بتایا ہے کہ تثلیث فی الحقیقت اب (باپ) یعنی وجود باری تعالیٰ۔ ابن (فرزند) یعنی عقل ایزدی اور روح القدس یعنی حیات ایزدی پر مشتمل ہے۔

حضرت محمدؐ کو اپنے اہناء ملک کے شرک سے جو ہزارہا معبودوں کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے سخت نفرت تھی۔ ان کے نزدیک ہر ایسی چیز جس میں ایک خدا سے زیادہ معبودوں پر اعتقاد کرنے کا ذرا سا شائبہ بھی پایا جائے نہایت ہی پلید اور ناپاک تھی پس کوئی شک نہیں کہ یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ عیسویت سے بیزار ہو گئے۔ گو عیسیٰ مسیح سے تعلق برابر قائم رکھا۔ کسی نئے مذہب کے بانی نے دوسرے مذہب کے بانی کا کبھی ایسا ادب اور احترام سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ آنحضرت نے حضرت مسیح کا کیا ہے۔ آنحضرت کا عقیدہ تھا کہ خداوند کریم باوقات مختلف اپنا منشا رسولوں کی وساطت سے مخلوق پر واضح کرتا رہا ہے۔ ان پیغمبروں میں کسی پیغمبر کی آنحضرت کے دل میں اسقدر وقعت اور عزت نہیں تھی جیسی کہ حضرت عیسیٰ کی۔ وہ مسیح کو عیسیٰ مسیح اور روح اللہ پکارتے ہیں اور ان کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا رسول ہے۔ جو اس دنیا میں بحیثیت پیغمبر نامدار ہے اور دوسری دنیا میں بحیثیت شفیع۔" وہ عیسیٰ کو ابن اللہ نہیں پکارتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ ان الفاظ کے پہلو ہی کیسے غلط معنی سمجھ لئے گئے ہیں مگر اس کے عوض وہ ان کو اس سے بھی اعلیٰ لقب کلمۃ اللہ کا عطا کرتے ہیں۔ اس سے اعلیٰ و ارفع صفت آج تک کسی انسان کے خیال میں نہیں آسکی۔ کسی انسانی زبان میں اس سے بڑھ کر کوئی صفت ہو سکتی ہے۔ "یہ ابن اللہ" سے بھی زیادہ بلند اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ یہ ایسی اعلیٰ ترین صفت ہے کہ ہمارے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا مسیح کو یہ خطاب دیتے وقت حضرت محمدؐ نے اس کے معنی بھی جو نہایت ہی عمیق اور گہرے ہیں سمجھ لئے تھے یا نہیں۔ تاہم یہ امر بالکل صاف ہے کہ وہ ابن اللہ کے استعارہ دار نام سے غلط فہمی کے پیدا ہو جانے کے خطرہ سے جو کہ فی الواقع مسیحیت کے اوایل ہی سے پیدا ہو گئی تھی۔ بخوبی واقف تھے۔ ہم عیسائیوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ کے ہی کئی عیسائی علماء کو اس خیال کی کہ خدا مسیحا جن سکتا ہے۔ توبہ کرنی پڑی تھی۔ انہی صفحوں میں حضرت محمدؐ فرماتے

ہیں "بیٹا جننا خدا کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ کل شان و شوکت اوسی کو حاصل ہے"۔ دوسری جگہ جہاں خداوند کریم حضرت کو مریم کے حمل کی بشارت کا قصہ سناتا ہے۔ قرآن شریف میں یہہ درج ہے:۔ فرشتہ نے کہا۔ اے مریم سن تحقیق خدا تجھ اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اوس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ وہ اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں جیہ اور خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ گہوارہ میں بھی لوگوں سے اوسی طرح باتیں کریگا جس طرح کہ جوان ہوکر۔ اور وہ عادل ہوگا"..... مریم نے کہا۔ "بار خدایا۔ میرے ہاں بیٹا کس طرح ہوگا جبکہ مرد نے مجھ چھوا بھی نہیں"۔ فرشتہ نے کہا۔ "اسی طرح ہوگا خدا جیسا چاہیگا پیدا کریگا جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اوسے صرف کہا جاتا ہے۔ ہوجا۔ اور وہ ہوجاتی ہے۔ اور وہ اوسے کتاب۔ دانائی۔ توریت اور انجیل سکھائیگا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا"۔

لیکن گو حضرت محمدؐ ہر جگہ اور ہمیشہ خود حضرت مسیح کا اس عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ مگر مسیحی فرقوں کے باہمی تنازعوں اور ان خرابیوں پر جو عیسائیوں نے مسیح کے پاک عقاید میں داخل ہوجانے دی ہیں علانیہ حقارت اور نفرت ظاہر فرماتے ہیں۔ آنحضرت کا تصور ذات باری تعالیٰ کی نسبت عہد جدید (انجیل) کی نسبت زیادہ تر عہد عتیق (توریت) کے بیانات کے مشابہ تھا چنانچہ قرآن شریف میں انجیل کی نسبت توریت سے بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے جو بآسانی معلوم ہوسکتی ہے۔ لیکن آنحضرت یہود اور نصاریٰ یہود دونوں سے ناراض ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی پاک تعلیم کو بگاڑ دیا ہے۔ وہ ان کو ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو تمہارے باہمی جھگڑے ہی بتا رہے ہیں کہ تم سب غلطی پر ہو۔ وہ اسی بارہ میں حسب ذیل فرماتے ہیں:۔ "فرقوں میں باہمی اختلاف پیدا ہوگئی ہیں۔ جو کہتے ہیں نصاریٰ نیست پر سہارا کئے ہوئے ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ جو دسی شے پر سہارا نہیں کئے ہوئے۔ حالانکہ دونوں فریق کتاب اللہ کو پڑھنے والے ہیں۔ مگر قیامت کے دن جس بات پر وہ مختلف تھے خدا اس کا ان میں فیصلہ کردیگا۔..... مشرق و مغرب کا مالک خدا ہے۔ پس جس طرف تم پھرو۔ ادھر ہی خدا کا چہرہ ہے"۔ عیسویت پر آنحضرت نے جس قدر اعتراض کئے ہیں وہ سب کے سب سچی عیسویت پر نہیں بلکہ صرف اس جھوٹی عیسویت پر ہیں

لہ یہہ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ ہے۔ سبحٰنہ ان یکون لہ ولد (نساء ۶ ۱۲ پارہ ۶) اذ قالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ (آل عمران رکوع ۵ پارہ ۳)۔

جواون کے مشاہدہ اور علم میں آئی۔ اگر ہم اس امر کو ذہن نشین کرلیں تو آنحضرت کی مخالفت کرنیکی بجائے اونکے اعتراضات کے لفظ لفظ سے اتفاق رائے کریں۔ قرآن شریف کی چوتھی سورت کی ۱۶۹ آیت ہے "پس خداوند کریم اور اُسکے رسول پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو"۔ اس آیت سے کون عیسائی انکار کرسکتا ہے۔ بالیقین ہر سمجھدار عیسائی آنحضرت کے ساتھ اتفاق کریگا۔ نہ کہ اون عیسائی فرقوں سے جنکی تثلیث۔ اب۔ مریم اور مسیح پر مشتمل ہے۔ آنحضرت یہہ ثابت کرنیکے لئے کہ مسیح نے کبھی خدا یا خدا کے برابر ہونیکا دعوےٰ نہیں کیا خود مسیح کو ثالث بناتے ہیں۔ سورہ پنجم آیت ۱۱۲ میں ہم یہہ عبارت پاتے ہیں "اور جب خداوند کریم کہے گا۔ اے عیسےٰ بیٹے مریم کے۔ کیا تو نے بنی آدم کو کہا ہے کہ مجھہ کو اور میری ماں کو خداوند تعالےٰ کے علاوہ خدا سمجھو۔ تو وہ جواب دیگا۔ بار الٰہا سب تعریفیں تجھی کو ہیں۔ میں وہ بات کس طرح کہہ سکتا تھا۔ جس کو میں جانتا تھا کہ غلط ہے۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا۔ تو تجھو لازمی طور پر اسکی خبر ہوجاتی۔ جو کچھہ میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے۔ مگر جو کچھہ تیرے دل میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ کیونکہ تو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے"۔

آنحضرت کو فقط اپنے ابناء ملک کی کراہیت انگیز بت پرستی کی یکسنی کے لئے نہیں۔ بلکہ ان غلطیوں کو دور کرنیکے واسطے بھی جو یہودیت اور نصرانیت دونوں میں داخل ہوگئی تھیں نئے مذہب کی تشہیر اور تبلیغ کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ اپنے مذہب کو نیا مذہب نہیں کہتے۔ بلکہ ارشاد فرمایا کہ تمام پیغمبر یہی مذہب مجھہ سے پہلے سکھا چکے ہیں۔ لیکن لوگوں نے اُنکی باتوں پر بہت کم توجہ کی۔ آنحضرت خود کو آخری پیغمبر فرماتے ہیں۔ مگر یہہ کبھی دعوےٰ نہ کیا کہ میں سب پیغمبروں سے بڑا ہوں۔ آنحضرت رسول اللہ پکارے جاتے ہیں۔ لیکن یہہ دعوےٰ کبھی نہیں کیا کہ رسالت کا فخر صرف مجھہ ہی حاصل ہوا ہے۔ یا یہہ کہ میں سب رسولوں سے مرتبہ میں بڑا ہوں۔

اگر حضرت محمدؐ نے مسیح کی حیثیت کلمۃ اللہ کا مطلب درست سمجھہ لیا ہوتا۔ اور یہہ جان لیا ہوتا کہ فقط انہی معنوں میں وہ "ابن اللہ" ہے تو غالباً وہ عرب بلکہ کل دنیا میں عیسویت[1] کے سب سے زبردست رسول ہوجاتے

---

[1] ہم مسلمانوں کو پروفیسر کے اس بیان سے ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہہ خیال کرکے کہ یہہ عبارت ایک عیسائی کی قلم سے نکلی ہے اوسے بغور سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس میں کوئی قباحت کی بات بھی نہیں پائی جاویگی۔ اسلام سچی عیسویت سے متغائر نہیں ہے۔ اور حضرت مسیح کا مشن اوسی توحید کو تازہ کرنا تھا جسکی ہدایت از آدم تا عیسےٰ کل پیغمبر کرتے آئے ہیں۔ بہرحال ایک عیسائی اور پھر ایک مسلم کو اوسکے جیسے عیسائی سے اسلام کی اس قدر خوبیاں ہی سننا جو اوپر مندرج ہیں مسلمانوں کو کچھہ کم فرحت بخشنے کا باعث نہیں ہوسکتا۔ پس اگر اوس سے بوجہ بیگانگت کہیں خطا ہوگئی ہو تو اوسے نظر انداز کردینا واجب ہے۔ مترجم

اگر اون عیسائیوں نے جن سے آنحضرت کو سابقہ پڑا۔ ابن اللہ کے خیال کو بگاڑ کر کفریہ دیوتا پرستی کے ہم رنگ نہ بنا دیا ہوتا تو وہ غالباً عیسائی یعنی اوس صداقت کے جس کی تلقین موسیٰ اور عیسیٰ نے کی تھی ایک اور جدید پیغمبر ہو جاتے۔ یہہ تثلیث ہی کا غلط سمجھا گیا عقیدہ ہے جس نے عیسویت کو کروڑہا معتقدین سے محروم کر دیا اور حضرت محمدؐ کو دوست کی بجائے دشمن بنا دیا۔ اگر ہم عیسائی اور کچھہ نہ کریں صرف آنحضرت کے اعلیٰ مقاصد کو اور بالخصوص اون مقاصد کو جو اظہار نبوت کے ابتدائی زمانہ میں وہ رکھتے تھے جان جائیں اور اون کو سمجھہ لیں تو ہم کبھی حضرت ممدوح کو پیغمبر کا لقب دینے سے خست اور تنگدلی نہ کریں۔ یہہ امر واقع کل دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ آنحضرت نے اوس جگہ جہاں ہبل وحشیانہ بت پرستی کے سوائے اور کسی چیز کا نام و نشان نہیں پایا جاتا تھا۔ ایک مذہب قایم اور نصب کر دیا ہے اسوقت کم از کم سترہ کروڑ انسان ۵۰۰۰، ۵۹، ۷ یورپ میں ۵۰۰۰، ۱۶۰۴ افریقہ میں اور ۳۹۰۰، ۱۱۲۷ ایشیا میں حضرت محمدؐ کے معتقد اور نام لیوا موجود ہیں۔ اے عیسائیو انصاف کرو۔ کیا وہ شخص جو اتنے دلوں کا مالک ہو پیغمبر کہلانے کا مستحق نہیں ہے؟

مرقومہ پروفیسر الیف سیکیس ہولہ بترجمہ وید نرنڈ استاد پشاور
قرآن شریف۔ دیگر مقدس کتب مذاہب مشرق

(۷) مساجد و مقابر

میں اون بیشمار مساجد اور مقابر کا جنکو ہم نے ٹرکی میں دیکھا مفصل بیان تحریر کرنیکا ارادہ نہیں کرتی۔ بلکہ بشرط امکان صرف اوس عام کیفیت کو ضبط تحریر میں لانیکی کوشش کرتی ہوں جو انمیں سے سب سے شاندار عمارات کے دیکھنے سے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے قسطنطنیہ کی مساجد وغیرہ کے بعد ہم نے برصہ جاکر ایسی مسجدیں دیکھیں جو ٹھیٹھہ اسلامی طرز میں بنی ہوئی ہیں قسطنطنیہ کی مسجدیں ایا صوفیا وغیرہ کی طرح یا تو پرانے عیسوی معبد ہیں یا ایسی ہیں جو آیا صوفیا جامعیسی کی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ ایا صوفیا کو باہر سے دیکھنے پر کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو نگاہ یا تصور کو عجیب معلوم ہو۔ پالیں مسجدیں کھڑا ہونے پر مسجد کا درمیانی بڑا گنبد اور اوسکے دونوں طرف چاروں نیم گنبد بمشکل دکھائی دیسکتے ہیں اور مسجد کے گرداگرد چاروں طرف باقی مسجدوں کی طرح مدرسے

حمام۔ مزار اور باورچیخانے بنے ہوئے ہیں۔ گھڑیوں ہی میں داخل ہوکر بوٹوں پر سلیپر پہن لینے کے بعد (کیونکہ اگر اُن کو نہ چڑھایا جائے تو بوٹ اُتار کر برہنہ پا اندر جانا پڑیگا) مسجد کے وسط میں جسے ایوان کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور جس پر درمیانی گنبد اور دو نیم گنبد بنے ہوئے ہیں پہونچ جاؤ اور وہاں تھوڑی دیر ٹھیر کر نظر کو فرش سے لیکر بالائی منزل کی گیلریوں (برآمدوں یا لمبی جہرکوں) کی محرابوں تک جو نچلی محرابوں سے چھوٹی ہیں سیر کرنے دو اور اس بڑے ایوان کی وسیع فضا کو اپنا اثر ڈالنے دو۔ تو تم چند لمحوں میں فرگسن (سیاح) کے قول کی تصدیق کرکے پکار اُٹھوگے کہ بیشک "آج تک ایسا خوبصورت اور کامل گرجہ کسی عیسائی قوم نے تعمیر نہیں کیا"۔ نچلی محرابیں سبز سنگ سماق کے چار بڑے بڑے ستونوں پر جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دیبی ڈائنا کے مندر واقع مقام افسس سے لائے گئے تھے۔ کھڑی ہیں۔ گیلریوں کے ستون ہی جو ان سے ہلکے ہیں اسی پتھر کے ہیں۔ اس درسیانی ایوان کے چاروں کونے گہرے سرخ رنگ کے سنگ سماق کے ستونوں پر قایم ہیں۔ یہ ستون روایت ہے کہ بعلبک کے بڑے مندر سے جو بعل یا سورج دیوتا کی پرستش کیلئے بنا ہوا تھا لائے گئے تھے۔ اکثر ایسے ستونوں کی چوٹیوں پر جو قسطنطنیہ میں تیار کئے گئے تھے اب تک قیصر جسٹینین اور اوسکی ملکہ تھیوڈورا کے طغرے موجود ہیں موجودہ عمارت انہی دونوں نے قسطنطین اور تھیوڈوسی اس کے تعمیر کردہ پرانے گرجوں کے موقع پر جو دونوں یکے بعد دیگرے جل گئے تھے تعمیر کرائی تھی۔ دیواریں اور گنبد کسی وقت از سر تا پا بیل بوٹوں سے ڈھنپے ہوئے تھے مگر چار بڑے فرشتوں (جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور عزازیل) کی تصویروں کی سوائے جو گنبد کے نیچے بنی ہوئی ہیں اوسکی باقی کل نقش و نگار پر چونا پھیر دیا گیا ہوا ہے۔ گیلریوں میں البتہ اُن بیل بوٹوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو گہرے نیلگوں بلکہ سیاہ زمین پر نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں اب تک کہیں کہیں موجود ہیں۔ مکہ معظمہ یروشلم سے زیادہ جنوب رویہ ہے۔ محراب جسکا مکہ کے رخ ہونا ضروری ہے مشرقی دیوار کے عین وسط میں نہیں ہے بلکہ کسی قدر جنوب کی طرف ہٹی ہوئی ہے۔ محراب کے قریب ہی وہ ستون ہے جس پر بہت اونچا کرکے ایسا فشان لگا ہوا ہے جیسا کہ خون آلودہ ہاتھ کا چھاپہ ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد جب محمد فاتح ذبیح عبادت کنندگان کی لاشوں پر سے زین سوار گرجہ میں داخل ہوا تھا تو اُس نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کہاں تک ہاتھ پہونچا ہے۔ یہ نشان لگایا تھا۔ گیلریوں میں جاکر ہم نے مشہور مندر دروازہ دیکھا۔ عام خیال ہے کہ وہ پادری جو اوسوقت بڑی نماز پڑھ رہا تھا۔ اوسکی راستسا جیل کو لیکر بھاگ گیا تھا۔

دروازہ اُسکو پیچھے بند ہوگیا۔ اور اب تک نہیں کھل سکا۔ مگر جب ترک قسطنطنیہ سے نکال دیئے جائیں گے اور آیا صوفیا پھر عیسائی کنیسہ ہوجائیگا تو پادری مذکور پھر خود نمودار ہوکر اپنی نماز کو جسے وہ ادھا چھوڑ گیا تھا پورا کریگا

اہا صوفیا کی پوری کیفیت جمعہ کی نماز کیوقت دکھائی دیتی ہے۔ بیرام کی نماز کے سوا سو اور نمازوں کیوقت اندر جانیکی اجازت مشکل ملتی ہے۔ ہم نے صادق بک سے اسلئے ہم کو وہاں اپنے ساتھ لیجانے کی درخواست نہیں کی تھی کہ شاید اُسے یہ امر ناگوار گذرے کہ جو امر اوسکی نگاہوں میں ایسا متبرک اور مقدس ہو۔ ہم اوسے محض کھیل سمجھ کر اوسکا نظارہ کرنے جاتے ہیں۔ تاہم سفارت کے ایک قواص کی نگرانی میں ہم اجازت لیکر اپنے فرزند ہمیت گیلریوں میں چلے گئے۔ اور عمداً مغربی کونہ میں بیٹھے۔ تاکہ نمازیوں کے پس پشت ہونے کی وجہ سے اونکی نظر ہم پر نہ پڑے اور اون کو برا ماننے کا موقع نہ ملے۔ ہم دوپہر سے کچھ عرصہ پہلے گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ مسجد کی دوبارہ پھر کر بخوبی سیر کریں۔ مگر اوسکی اجازت نہ دیگئی۔ کیونکہ نمازی جمع ہو گئے تھے یہ مصلوں کی لمبی صفیں جو محراب و منبر کی وجہ سے کسی قدر ترچھی بچھی ہوئی تھیں اوپر سے دیکھنے سے دل پر عجب اثر پیدا کرتی تھیں تھوڑی ہی دیر میں ہر ایک مصلی رُک گیا اور امیر و غریب دوش بدوش قیام و سجود میں مشغول ہوگئے۔ قطاروں میں اسقدر فاصلہ تھا کہ نمازیوں کو سجدہ کیلئے جگہ ملجاتی۔ نمازی سب مرد تھے عورتوں کیلئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ مگر جہاں تک مجھے دریافت کرنیکا موقع ملا ہے معلوم ہوا ہے کہ صرف نہایت ہی غریب جماعتوں کی مستورات مساجد میں جاتی ہیں۔ نماز شروع ہوگئی اور امام بلند چبوترہ پر کھڑا ہوکر قرآن شریف کی قرات لے دار دھیمی آواز میں آغاز کردی۔ نمازیوں کو صف بستہ اوپر تلے ہاتھ دھرے ہوئے ایستادہ اور پھر امام کی تکبیر پر ایک ساتھ رکوع و سجود اور قیام اور دائیں بائیں منہ پھیرتے دیکھتے رہنا نہایت ہی موثر نظارہ تھا۔ بالآخر خطیب نے تقریباً عمودی زینوں پر سے منبر پر چڑھ کر منہ نمازیوں کی طرف کرلیا اور خلیفہ وقت اور اسلام کی فتح و نصرت کے لئے دعا مانگ کر خطبہ پڑھا۔ اوس کا چوغہ ساٹن کا تھا جسکا رنگ ہلکا بسنتی تھا۔ سر پر سفید عمامہ۔ دائیں ہاتھ میں برہنہ تلوار جو بلند کی ہوئی تھی اور دونوں طرف بطور نشان نیزے ایک ایک جھنڈا لٹکا ہوا تھا۔ اس خطبہ کے بعد جس میں دعا اور وعظ دونوں باتیں شامل تھیں۔ کل نمازی پھر سربسجود ہوگئے اور سجدہ کے بعد قعود کرکے پہلے سروں کو دائیں طرف اور پھر بائیں طرف پھیرا جس پر نماز جمعہ ختم ہوگئی۔ اور وہ سب جلد جلد مگر چپ چاپ مسجد سے روانہ ہوگئے ہم بھی اپنے دلوں میں بہ اطمینان لئے ہوئے مسجد سے باہر آگئے کہ ہم نے دلی ذوق سے ادا کیگی

اور نہایت سچی عبادت ربانی کا نمونہ معاینہ کیا ہی۔ ہر شخص متوجہ و مصروف اور ملحقات سے بالکل بیخبر معلوم ہوتا تہا۔ مَیں نے بعد میں صادق بک کو جب بتایا کہ ہم مسجد میں گئے تہے جہاں نمازیوں کی توجہ اور اخلاص کو دیکھہ کر ہم پر بڑا اثر ہوا تو اسکا چہرہ خوشی سے چمک اٹہا اور اوس نے سچی پرجوشی سے جواب دیا "اثر کیوں نہ ہوتا۔ یہہ نماز ہی"! ہماری گرجوں کی طرح نمازیوں کی توجہ کو مایل کرنے کیلئے کوئی موسیقی گلدستے۔ پھولوں کے ہار اور بے تعداد پادری نہ تہی۔ بلکہ سب کچہہ نہایت ہی سیدہا سادہ۔ اور کمال خوشنما تہا۔ اور دیکہنے والوں کو پورا پورا یقین ہوجاتا تہا کہ جو لوگ شریک عبادت ہیں وہ اوسکے رسم کی پابندی کا پورا کرنا نہیں۔ بلکہ فی الواقع خالق ارض وسما کی عبادت و پرستش سمجہہ کر ادا کر رہے ہیں۔

اون چھوٹے گرجوں میں سے جو مسجد بنائے گئے ہیں سب سے خوبصورت اور اکمل کوچک ایا صوفیا ہی۔ وہ اوس ڈہلوان سڑک پر جو آتمیدان سے مرمرا کو جاتی ہے واقع ہے۔ مَیں نے اس راستہ کو سڑک تو کہہ دیا۔ مگر دراصل اوسکے گڑہوں اور ٹیلوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجہنا چاہئے جن پر سے ہم کو چالاک عرب کہوڑے بخیریت لیگئے۔ اس گرجہ کو بہی جسٹینین نے تعمیر کرایا تہا۔ وہ تقریباً مربع اور اوسکی عمارت عجب ہلکی پھلکی اور کمال موزون ہی۔ ترکوں نے پرانی ڈیوڑہی گرا کر اوسکی جگہ ترکی طرز کی نئی ڈیوڑہی بنادی ہے تمام پچی کاری اور تصویریں چونے کا پلاستر کردیا گیا ہی۔ تاہم اون سب بازنطینی ساخت کے ستونوں خوبصورتی کو جن پر گیلریاں کہڑی ہیں کوئی چیز نہیں مٹا سکتی۔

مَیں یہہ اوپر بتا چکی ہوں کہ گولڈن ہارن کے دونوں طرف قسطنطنیہ کی تقریباً تمام مسجدیں کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر بنی ہوئی ہیں۔ کئی شاہی مسجدیں ہیں جنکو مختلف سلاطین نے تعمیر کرایا تہا۔ ان میں سے ہر ایک کے گرد بڑی چاردیواری ہے جسکے اندر جامع یعنی خاص مسجد۔ حرم یعنی مسجد کا کہلا صحن اور باغ ہوتا ہی۔ اور باغ میں ہی عموماً بانی مسجد کا مقبرہ ہوتا ہی۔ ان شاہی مساجد میں سے ہر ایک کے ساتہہ مختلف اوقاف ہیں جو عموماً چاردیواری کے گرد بنے ہوئے ہیں۔ بالعموم ہر مسجد کے ساتہہ ایک عام مدرسہ یا دینی درسگاہ جن میں پرجوش اور مذہبی خبطی سونتا دینی طلبا رہتے ہیں۔ غربا کیلئے لنگر خانہ۔ کتب خانہ اور حمام ہوتا ہی۔ بعض بعض مساجد کے ساتہہ مسافروں کیلئے خانیں (سرائیں) بہی ہیں۔ اس تفصیل سے ناظرین اون کی وسعت مکانیت اور عمارت کی علوشانی کا بآسانی اندازہ کرسکتے ہیں۔ ہر شاہی مسجد شہر کی ساتوں دست قامت پہاڑیوں میں سے ایک ایک کی چوٹی پر ہے۔ ہر مسجد میں چھوٹی بڑی

یا بڑی ایک سو لیکر چھ تک مینار ہیں۔ یعنی ایک سے کوئی خالی نہیں اور چھ سے کسی میں زیادہ نہیں۔ بڑی مسجدوں کے مینار سفید مرمر یا کسی اور شفاف سفید وبراق پتھر کے ہیں۔ اور چھوٹی اور غریبانہ حیثیت کی مساجد کے چونے کے ہیں۔ مگر انکی براقی بھی آنکھوں کو چوندیا دیتی ہے۔ اور گروہ سنگ مرمر سے کم قیمت مصالح سے بنے ہوئے ہیں مگر بالعموم نہایت وضع دار اور خوبصورت ہیں۔

ساری عمر میں پہلی مرتبہ جس مسجد میں ہم داخل ہوئے۔ وہ جامع احمدیہ یعنی احمد اول کی مسجد ہے۔ ہم اسکی وسعت کو دیکھکر دنگ ہگئے۔ وہ ایا صوفیا سے کچھ چھوٹی ہے۔ مگر عرض میں اس سے بہت بڑی ہے۔ درمیانی گنبد چار بڑے بڑے کھنبوں پر قائم ہے اور تقریباً دو سو فٹ مربع جگہ کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ سنبر بیت اللہ شریف کے سنبر کا ہو بہو نمونہ ہے۔ یہاں ہم نے اول مرتبہ قرآن شریف کہنے کی خوبصورت چلمیں دیکھیں۔ ان پر سیپ کا کام ہے اور وہ مسجد کے ہر حصہ میں رکھی ہوئی ہیں۔ اور جب جاؤ۔ بالعموم یہی دیکھو گے کہ رحل کے سامنے عمامہ بند چار زانو بیٹھے ہوئے ایک خاص قسم کی غمناکی ہوئی آواز میں قرآن شریف پڑھ رہا ہے۔ دیوار کے ارد گرد نہایت خوبصورت روغنی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں اور چھت سے بیشمار لیمپ لٹک رہے ہیں۔ جن کے ساتھ خوبصورتی کے لئے شتر مرغ کے انڈے۔ گھوڑوں کی دمیں کے جھنڈ ہے۔ اور خوبصورت رنگ برنگ کے پھندنے بھی آویزاں ہیں۔ جامع احمدیہ میں جانے پر انسان عمارت کی جزئیات کی خوبصورتی سے ایسا متحیر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اوس کی وسطی ایوان کی وسعت کو دیکھکر حیران ہجاتا ہے۔ تاہم صحن مسجد کی خوبصورتی میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اوسکے گرداگرد حجرے بنے ہوئے ہیں۔ سیاہ وسفید مرمر کی بلند اور سنگ محرابیں نازک نازک ستونوں پر کھڑی ہیں۔ اور وسط میں بہت بڑا حوض ہے۔ جامع احمدیہ کا ایک خاص وصف جو دیگر مساجد کو حاصل نہیں یہ ہے کہ اوس کے چھ مینار ہیں۔ احمد اول کے عہد تک صرف بیت اللہ شریف کے چھ مینار تھے۔ چنانچہ سلطان احمد کی اس عبارت سے امام مکہ ایسا ناراض ہوا کہ اوسے مجبوراً کعبہ میں سات مینار بنوا دینا پڑا۔ میناروں کا نچلا حصہ باہر سے دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ان شاندار درختوں سے جو چاردیواری کے اندر موجود ہیں چھپے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درخت مسجد کی عمر کے یعنی تقریباً تین سو برس کے ہیں۔

مگر جامع سلیمانیہ یعنی سلطان سلیمان اعظم کی مسجد جو سلطان کے حکم سے استاد معمار سنان پاشا فن معماری

لہ مسجد سے یہاں مصنف کی غالباً ایسی مسجد سے مراد ہے جسے خود مسلمانوں نے تعمیر کیا ہو۔ ایسی مسجد کسی گرجا یا مندر کو مسجد بنا کیا ہو۔ مترجم۔

میں جسکو برابر آج تک کوئی ترک پیدا نہیں ہوسکا تعمیر کیا تھا۔ کل مساجد سے خوبصورتی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ یہہ تیسری پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ گنبد سرخ سنگ خام کے ایک ڈال چار ستونوں پر قایم ہے۔ دیواریں مختلف رنگوں کے مرمر پتھر کی ہیں محراب منبر اور جالی دار پردہ جو سلطان کو نماز پڑھنے کی جگہ کے گرد لگا ہوا ہے۔ براق مرمر کے کمال نفاست نزاکت اور لطافت سے بیل بوٹے دار بنے ہوئے ہیں۔ نہایت اعلی قسم کے رنگین شیشوں کے دریچے ایرانی ساخت کے ہیں۔ اور فلیدس کی شکلوں کے مشابہ کمال موزونیت سے تیار کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک گیلری ہر قسم کے خزینوں کی محفوظ رہن کا کام دیتی ہے۔ اوس میں فرش سے لیکر چھت تک مختلف شکلوں اور جسامت کے صندوق اوپر تلے چنے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان صندوقوں میں سونا۔ چاندی۔ جواہرات اور قیمتی پوشاکیں بھرے ہوئے ہیں۔ یہہ چیزیں وہاں اس طرح رکھی ہوئی ہیں جیسے کہ یورپ میں بنکوں میں رکھی جاتی ہیں۔ وہ سب درج رجسٹر ہیں۔ جن میں سے بعض سو سال سے زیادہ عرصہ کی وہاں رکھی ہیں۔ اور باوجودیکہ اس اثنا میں کئی انقلاب اور پینسکڑوں فساد و ہنگامے ہوچکے ہیں۔ مگر وہ بالکل محفوظ پڑی ہیں۔ کبھی انکو کھولا یا چھوا نہیں گیا۔ وہ صرف اصل رجسٹر شدہ سندات کے دکھانے پر واپس لیجا سکتی ہیں سلیمانیہ گو کمال دلفریب ہے۔ مگر اوسکے باغ کے دو مقبرے دلچسپی میں اوس سے بھی سبقت لیجا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں خود سلیمان کی تربت ہے اور دوسرے میں اوسکی مشہور ملکہ سلطانہ روکسلانا (روسنک یا خورم) کی قبر ہے۔ ان دونوں کی عمارت ہشت پہلو ہے۔ اور دونوں پر تمام کمال سیاہ و سپید و غنی چینی کی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں سلیمان کے مقبرہ کے گرداگرد محراب دار گیلری ہے۔ اور اندر کی طرف گنبد سنگ مرمر اور سماق کے ستونوں پر قایم ہے۔ مقبرہ میں بانی مسجد کی قبر کے علاوہ اور بھی کئی قبریں ہیں۔ ان تمام قبروں میں جسد خاکی آغوش زمین میں مدفون ہیں۔ اور انکے اوپر بہت بڑے بڑے بلند تعویز یا صندوق جنکی بالائی حصے محراب دار ہیں بنے ہوئے ہیں۔ اور یہہ صندوق قیمتی دوشالوں اور سنہری حاشیہ کی مخملی چادروں سے ڈھنپے ہوئے ہیں۔ ہر متوفی سلطان کی قبر کے تعویز کے سرہانہ اوسکی پگڑی معہ مرصع کلغی یا کسی اور قسم کے مرصع زیور کے رکھی ہے سلیمان کی تعویز میں یہہ ایک اور خصوصیت ہے کہ اوس کے گرد نازک سا جنگلا پھرا ہوا ہے جس پر سیپ کا کام ہے بعض سلاطین کی قبروں پر دستاروں کے ساتھ وہ مرصع نشان بھی آویزاں ہیں جو وہ زندگی میں پہنتے رہتے تھے۔ روکسلانا کی تربت کی حالت بےخبری کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ وہ زبردست عورت جو زندگی میں سیاہ و سفید

کی مالک تھی اور جس نے اپنی سنگدلانہ مقاصد کی قربان گاہ پر رحم و کرم کے تمام جذبات اور تاثرات کو بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ مرجانیکے بعد اب بعالم فراموشی اور حالت کسمپرسی میں پڑی ہوئی ہے۔ تعویذ کے ارد گرد دیواروں سے کھپریلیں گر رہی ہیں اور دو شالوں پر بہی بوسیدگی اور عدم توجہی کی علامتیں نمودار ہیں۔ ان دونوں مقبروں پر بہت بڑی عمر کا ایک یو فاطمہ شمشاد کا درخت کھڑا ہے۔ یہ درخت ترکی میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے شوخ سبز پتے سرو کے درختوں کے سیاہ پتوں کے مقابلہ پر جو ہر قبر کے گرد ہوتے ہیں عجب خوشنما نظر آتے ہیں۔

اس مسجد کو دیکھنے سے کچھ دنوں بعد ہم نے وہ چھوٹی سی خوبصورت مسجد دیکھی جو سلیمان اول نے اپنے مقتول بیٹوں کی یادگار میں جنکا خون بیرحم روکسلانا کے سر چڑھا تھا سخت ندامت و افسوس کی حالت میں تعمیر کرائی تھی۔ ان میں[1] سے ایک کا نام محمد تھا جو دوسری بیگم کے بطن سے تھا۔ وہ اس سنگدل عورت کی ترغیب ایما اور مکروہ تحریکات پر اپنے غضب آلود باپ کے ہاتھ گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ دوسرا خود روکسلانا کا بیٹا شاہزادہ جہانگیر تھا جو اس خوفناک سانحہ کے وقت موجود تھا۔ اسے محمد سے کمال محبت تھی۔ وہ بے تحاشا اپنے مقتول بھائی کے تن بیجان پر گر پڑا۔ اور جب درباریوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اسے بھی مردہ پایا۔ جو خونخوار ملکہ نے اسکے قصاص میں سلیمان سے جبراً حکم موت حاصل کر کے محمد کے نوعمر بیٹے کو قتل کرا دیا۔ جس تربت میں یہ دونوں شاہزادے مدفون ہیں وہ سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے اور جو مستطیل راستہ مقبرہ کو جاتا ہے۔ اس پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ پہلے پہل ہی مسجد سنان نے تعمیر کی تھی اسکی کل عمارتیں اچھی حالت میں ہیں۔ اور انکی پوری نگہداشت ہوتی ہے۔

شاہی مساجد میں سے ایک سلطان بایزید کی تعمیر کردہ ہے۔ اسے بایزیدیہ یا مسجد کبوتراں پکارتے ہیں یہ عسکریت یعنی وزارت حربیہ کی بڑے پھاٹک کے اندر واقع ہے۔ اس میں صرف صحن قابل دید چیز ہے۔ مسجد بذاتہا چنداں دلفریب نہیں صحن کی ارد گرد کے حجرے ٹھیٹھ عرب طرز عمارت کے ہیں۔ ان کے ستون سب ایک دال اور سبز سنگ سماق۔ سرخ سنگ سماق۔ سیاہ و سفید مرمر اور دیگر اقسام کے پتھروں کے

---

[1] مصنفہ نے مقتول شاہزادوں کے نام اور انکے قتل کے حالات درست نہیں تحریر کیے۔ ایک شاہزادہ کا نام مصطفےٰ اور دوسرے کا نام بایزید تھا۔ ان میں سے کوئی بھی روکسلانا کا بیٹا نہ تھا۔ اول الذکر ۱۵۵۳ء اور دوسرا ۱۵۵۹ء میں ایران میں قتل ہوا تھا۔ مفصل حالات کیلئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول صفحہ ۳۳۲ تا ۳۳۵ (مصنفہ و مولفہ مترجم)

ہیں۔ وسط میں مستطیل حوض ہے جا بجا خوبصورت سرو اور شمشاد کے درخت بھی موجود ہیں۔ ہر ایک چہت پیناء ستونوں کی چوٹی اور کارنیس پر ہزاروں کبوتر موجود ہیں۔ جو متبرک سمجھے جاتے ہیں اور ان کو کبھی ہلاک نہیں کیا جاتا۔ ان کے محافظ کو اگر چند پیسے دیئے جائیں تو وہ کچھ اناج بکھیر دیگا جس پر ہر طرف سے فوراً سب جانور جمع ہو جائیں گے۔ ہر جمعہ کے جمعہ محلہ کے کتوں کو یہی کھانا دیا جاتا ہے۔ وہ اس ضیافت کیلئے سب طرفوں سے جمع ہو جاتے ہیں اور کھانے سے فارغ ہو کر ہر ایک ٹولی اپنے اپنے مسکن کو چلی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ سلطان بایزید نے کبوتروں کا ایک جوڑا مسجد کی نذر کیا تھا۔ یہ سب کبوتر اسی ایک جوڑے سے بڑھے ہیں۔ مسجد کبوتراں چونکہ بڑے بازار کے قریب ہے۔ اوس کے حجرے بالعموم تاجروں سے بھرے رہتے ہیں۔ اجیر منشی یہی اس میں بیٹھتے ہیں جو اُجرت لیکر غربا کو خط لکھدیتے ہیں۔ اگر کسی بیوپاری کو تھوڑی دیر کیلئے حجرہ سے باہر جانا پڑے تو وہ اپنا اسباب بالکل بیفکر ہو کر حجرہ میں ہی چھوڑ جاتا ہے۔ کیونکہ مسجد کی متبرک حدود کے اندر غریب سے غریب گداگر بھی کبھی چوری کا مرتکب نہیں ہوگا۔

ایک اور شاہی مسجد جس کو دیکھنے کی ہم نے کوشش کی سلطان محمد فاتح جامعی تھی۔ وہ چوتھی پہاڑی پر ہے۔ اور چوطرفہ کئی میلوں سے نظر آتی ہے۔ مگر جب ہم صادق بک کے ہمراہ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں سیر کنندگان کیلئے کوئی سلیپر نہیں کہے جاتے جس پر ہم کو صرف دروازہ کے اندر کھڑے ہو کر اوس کی وسیع المکانی۔ سادہ طرز اور بلا رنگ کے شیشوں کے دریچوں اور سفید چونہ گچ دیواروں کو دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ اس سادگی اور یکرنگی دیکھنے والے کی نظر میں چکاچوندسی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجد کے بیرونی حوض بالخصوص بہت بڑے تھے۔ ہر مسجد کے متصل اس غرض کیلئے حوض نہ ہوتے ہیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے پاؤں اُن میں دھولئے جائیں۔

ہم سلطان محمود ثانی مصلح کی تربت کو دیکھ کر شتشدر رہگئے۔ سلطان مرحوم ۱۸۳۹ء میں فوت ہوئے تھے۔ ترکوں کی قومی شاندار پوشاک کو اسی نے متروک کر کے عمامہ کی جگہ فس اور سفید کشادہ شلواروں اور گھیرے دار چغوں کی جگہ سیدھے سادے فراک کوٹ کو رواج دیا تھا۔ گو اس نے اپنی زندگی میں کفایت شعاری اور سادگی کو رواج دینے میں سخت کوشش کی تھی۔ مگر اوس کے مرنیکے بعد اوس کے جانشینوں نے اوسکی خواہشوں اور منشا کی بالیقین کوئی پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ اوسکا مقبرہ اگرچہ تھوڑی سی زنانہ کا بنا ہوا ہے۔ لیکن شان و شوکت میں سب سے گوئے سبقت لیجا رہا ہے۔ اوسکی عمارت چونہ ہیا دینے والے سفید سنگ مرمر کی

مشت پہلو گنبد دار عمارت ہے۔ دیواروں پر کارنتھی بچی کاری اور اوس پر کمال خوبصورت نقش و نگار ہیں۔ آٹھ میں سے سات طرفوں میں ایک ایک بڑا دریچہ ہے جن میں سنہری جالیاں لگی ہوئی اور نہایت ہی بیش قیمت مخملی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مقبرہ کی قبریں حسب معمول صندوق نما ہیں۔ محمود کی قبر کے تعویز پر فقط ایک سادہ سرکی ٹوپی پڑی ہے جس پر کوئی طرہ یا کلغی یا رصع کاری نہیں ہے۔ البتہ کل تعویز پر بیش بہا مخملی چادر جسکی حاشیے سنہری ہیں پڑی ہے۔ دائیں طرف مرحوم کی والدہ اور بائیں طرف اوسکی بدقسمت فرزند عبدالعزیز کی قبر ہے جو ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا تھا۔ عبدالعزیز کی قبر کا جنگلا باپ کی قبر کے جنگلے سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے۔ دونوں پر سیپ کا کام ہے۔ عبدالعزیز کی ٹوپی میں خوشنما الماسی طرہ لگا ہوا ہے اور اوسکی قبر کی مخملی چادر پر سر سے پاؤں تک نہایت خوبصورت سنہری بیل بوٹے کڑھے ہوئے ہیں۔ طبقہ عثمانیہ کا فشان ہیرے جو عبدالعزیز نے قایم کیا تھا اوسکی قبر پر کھا ہے۔ چار و طرف چاندی اور سیپ کے کام کی رحلیں اور ان پر چند کمال خوبصورت اور بے نظیر قلمی قرآن شریف رکھے ہیں اور ہر ایک قبر کے گرداگرد بہت بلند و نازدار چاندی کے شمعدان موجود ہیں۔

ایک دن بازاروں سے واپس آتے وقت ہمارے فرزند کو خیال آگیا کہ ہم اسوقت سلیمان عظیم کے داماد سلیم پاشا کی تعمیر کردہ مسجد کے بالکل قریب ہیں۔ جو چھوٹی مساجد میں نہایت ہی خوبصورت اور خوشنما ہے وہ ایک تنگ سے کوچہ میں چاروں طرف سے مکانات میں ایسی گھری ہوئی ہے کہ بہت کم سیاحوں کو اوس کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری گاڑی ایک نکڑ سے دروازہ پر کھڑی ہوگئی جس میں سے مسجد کی ڈیوڑھی کی تنگ سی سیڑھیاں جاتی ہیں۔ ڈیوڑھی مسجد کے برابر چوڑی ہے۔ مسجد کے کواڑ بند تھے۔ اور کوئی آدمزاد نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن ہمارا لڑکا کوچبان کی مدد سے مسجد کے محافظ کو بڑی مشکل کے بعد آخر تلاش کرلایا۔ جب تک وہ اوسکی تلاش میں پھرتے رہے ہم ڈیوڑھی کے بےنظیر چینی کے کام کو بڑے شوق سے ملاحظہ کرتے رہے۔ ایسی خوبصورت مسجد کیلئے ایسی ہی نفیس ڈیوڑھی شایان تھی۔ مسجد کی بچی کاری بالکل صحیح سالم ہے کہیں سے ایک کھپریل بھی نہیں اکھڑی۔ نہ کہیں سے کوئی چپٹی اڑی ہے۔ بیل بوٹے مختلف مدائج کے نیلے رنگ کے ہیں اور سفید زمین پر بنائے گئے ہیں۔ اور مشکل ہی کوئی جگہ اون سے خالی ہے۔ یہ بیلیں دھاریوں میں فرش سے لیکر چھت تک چلی گئی ہیں۔ بعض دھاریاں چوڑی اور بعض پتلی ہیں۔ اون کے نقشے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر میں سب بے نظیر۔ اس مسجد کو دیکھ کر کبھی یقین

یقین نہیں آسکتا کہ سارے تین سو برس ہوئے اسے استاد المعماریں سنان نے تعمیر کیا تھا ہم نادرانی مسجد کو بھی گئے۔ تقریباً ایک سو تیس برس ہوئے اسے بلند کرسی پر جہاں سے مرمرا کی خوب سیر ہوتی ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر وہاں سیر کنندگان کیلئے سیلیپر نہیں تھے۔ ہم اس چھوٹی سی خوبصورت مسجد کے صرف دروازہ پر ہی کھڑے رہ سکتے تھے۔ جہاں سے ہم اوسکی ہلکی پھلکی گیلری کو جو مسجد کے اندرونی حصہ کے گرداگرد سفید مرمر کے ستونوں پر بنی ہوئی ہے دیکھ کر اوسکی تعریف کرتے رہے۔ یہہ کل عمارت مسجد کی بجائے زیادہ تر مقبرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور مربع کی بجائے یہہ بھی ہشت پہلو۔ اس میں دو چھوٹے سے مینار بھی ہیں۔ ہم واپس ہی ہوتے تھے کہ موذن نے ان میں سے ایک پر کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کر دی

والدہ سلطان کی بڑی مسجد کو ہم نے کئی دفعہ دیکھا۔ یہ اکی طرف سے غلطہ پل کو عبور کرتے وقت وہ عین سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ مگر اون موقعوں پر اوس کے باغ کے مقبروں کو جو نہایت ہی خوبصورت ہیں ہم اس لئے نہ دیکھ سکے کہ اذکی مرمت ہو رہی تھی۔ تاہم ایک سہ پہر کو صادق بک ہمیں وہ گیلریاں اور کمرے دکھانے لیگیا۔ جو خاص سلطانی استعمال کیلئے مخصوص ہیں۔ ان کا رخ مسجد کی طرف ہے۔ اون سب پر چنبی پچی کاری کا کام ہے۔ بعض دیواریاں مختلف درجوں کے نیلے رنگ کی ہیں۔ اور باقی سنگ لگت کی۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں اینیٹ کی نگت کے سرخ پھول بنے ہوئے ہیں۔ جن سے عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تمام کمروں میں قرآن شریف کی آیات منقوش تھیں بعض دریچوں کے آئینے بھی عمدہ رنگین اور منقش تھے۔ اور لکڑی کا کام بھی بہت عمدہ تھا۔ ایک اور چھوٹی سی مسجد کا ذکر جس کی بھی ہم نے سیر کی تھی فصیل شہر سے باہر جانیکے حالات میں کرونگی۔

(۸) یلدز سرا میں ضیافت

پہلی مرتبہ جلوس سلاملق دیکھنے کے بعد سلطان المعظم کی بارگاہ میں شرف حضوری حاصل ہونیکی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اوس سے ایک یا دو دن بعد میرے خاوند کو اطلاع دیگئی کہ انگریزی سفیر اور محاذ کریمیا کے وقت کے افسر جنرل کینٹ کے ہمراہ جو ہمارے والے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا دوسرے دن محل سلطانی میں تمہاری دعوت ہے۔ اطلاع میں یہہ تصریح نہیں ہوئی تھی کہ ضیافت پرائیویٹ ہے یا سرکاری اسلئے میری شمولیت غیر متحقق تھی۔ ضیافت کے پرائیویٹ ہونیکی صورت میں یہہ خود بخود مفہوم ہو جاتا

کہ میں بھی خاوند کے ساتھ جاؤں۔ ضیافت کی نوعیت کا پختہ پتہ ضیافت والے دن کی صبح کو ملا۔ اس وقت اطلاع ملی کہ وہ سرکاری ہوگی جس پر مجھے سفارت خانہ جاکر وہاں سے مدعوین کو رخصت ہوتے دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ ہمارے فرزند کو بالصراحت نام لیکر دعوت میں شریک کیا گیا تھا جس سے جلالت مآب کی بدرجہ غایت شفقت واضح ہوتی تھی۔ جب ہم باریاب ہوئے تھے۔ تو وہ سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اوسوقت حضور ممدوح نے ازراہ ذرہ نوازی ہم محفل طلب کرکے ارشاد فرمایا تھا کہ "تمہارا لڑکا کی قطع وضع نہایت شستہ لفیانہ اور ممتاز ہے"۔ سفیر ہمارا فرزند۔ اور اعلیٰ ترجمان رسمی پوشاک میں تھے۔ اور میرا خاوند اور جنرل کینیٹ جن کے پاس کوئی وردی نہ تھی مجبوراً شام کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر دونوں مجیدیہ تمغے لگائے ہوئے تھے جو اول باریابی کے موقعہ پر اون کو عطا ہوئے تھے۔ اس جماعت کے محل میں پہونچنے سے پہلے ہی پاشاؤں کی تعداد کثیر وہاں جمع ہوچکی تھی۔ وہ سب کے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے سینے ستاروں اور نیشنوں سے ڈھپے ہوئے تھے۔ اعلیٰ ترجمان نے ان کو انگریزی مہمانوں سے دشناس کردیا۔ اُن میں اکثر وزراء بھی شامل تھے۔ بلکہ **غازی عثمان** بھی موجود تھے۔ میرے خاوند نے غازی ممدوح کو فرنچ زبان میں کہا کہ میں قبل ازیں ڈیوک آف ولنگٹن (فاتح نپولین) اور مولکی (فاتح پیرس وسٹیڈیان) دونوں سے مصافحہ کرچکا ہوں۔ اور اب شیر پلیونا سے بھی ایسا کرنیکا فخر حاصل ہوگیا ہے"۔ سلطان المعظم وقت افروز ہونے پر سفیر پاشا رئیس التشریفات کی وساطت سے انگریز مہمانوں کے ساتھ کمال خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرتے رہے۔ بادشاہوں کے درباری کو مفت کی تنخواہیں لیتے ہیں۔ مگر سفیر پاشا کی نوکری کو کبھی ایسا نہیں کہا جاسکتا۔ اُن کو بڑا کام دنیا پر تمام ضیافت میں اول سے آخر تک وہ اپنے ناموافق کے ہمچو شاہی احکام مہمانوں کو پہونچانیکے لئے بالکل تیار و بستہ کمر رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد کل مجلس جسکے آگے جلالت مآب تھے کھانے کے کمرہ کو گئی۔ سفیر طلائی برتنوں سے جن میں سے چند واقعی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھے جگمگا رہی تھی۔ سلطان المعظم سفیر کے صدر میز پر متمکن ہوئے۔ سر کلیر فورڈ انگریزی سفیر دائیں طرف جلالت مآب اور صدر اعظم کے درمیان اور جنرل کینیٹ حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ تھے۔ میرا خاوند وزیر حرب اور وزیر بحریہ کے درمیان بیٹھا۔ اس مجمع کا نظارہ بہت ہی شاندار ہوگا۔ کیونکہ اکثر ترک نہایت وجیہ اور خوش شکل ہوتے ہیں اور ڈاڑھیاں رکھتے ہیں جو نہایت خوبصورت اور متلع ہوتی ہیں۔ اور ان سے چہروں پر عجب وقار پایا جاتا ہے۔ پروفیسر نے گھر آکر مجھ سے ذکر کیا کہ

کہ اس مجمع کو دیکھ کر دل کو سچی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی تھی۔ تقریباً بتیس آدمی ضیافت میں شریک تھے۔ ترکوں کی تحیر کر دینے والی خوبصورتی سے بڑھ کر تعجب کرنیوالی یہہ بات تھی کہ کل میز کے گرد کامل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سلطان المعظم کے سوا اور سب خاموش تھے۔ جلالت مآب انگریزی سفیر سے بہت پُرجوشی کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ گو حسب معمول یہہ مکالمہ بھی اول سے لیکر آخر تک ترجمان کی وساطت سے ہوتا رہا۔ میرے خاوند نے جو ترکی آداب طعام سے ناواقف تھا اپنے پڑوسیوں سے فرنچ میں بات چیت کرنی شروع کر دی۔ مگر انہوں نے ایسے مختصر جواب دیئے کہ اوسے بھی آخر سکوت اختیار کرنا پڑا۔ جس پر امیر المومنین نے جنہوں نے لاریب اس معاملہ کو دیکھ لیا ہوگا میز پر ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اور اوس نے ذرا رحب بجر یہ کے کان میں کچھ سرگوشی کی۔ اس پر وہ پرفیسر سے بے تکلفانہ تکلم کرنے لگ گئے۔ امیر المومنین نے خود بھی اون کو آنکھ کے اشارہ سے ایما کر دیا کہ آداب سلطانی کی اس خلاف ورزی کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ سلطان المعظم اور سلطانی عہدہ داران نے شراب کا ایک قطرہ نہ پیا۔ نہ میز پر کوئی شراب موجود ہی تھی۔ خدام نے صرف عیسائی مہمانوں کو اوس کے جام بھر کر دیدیئے۔ شراب کلیرٹ قسم کی تھی۔ جو ایسی عمدہ تھی کہ میرا خاوند رئیس التشریفات سے اوسکی نسبت دریافت کئے بغیر نہ رہ سکا۔ عہدہ دار مذکور کا فرض ہے کہ دسترخوان شاہی پر جو مہمان ہوں اون کے لئے خود چکھ کر شراب منتخب کرے۔ اوس نے جواب کی بجائے کندھوں کو ہلا دیا۔ جسکا گویا یہہ مطلب تھا کہ "تم خود اچھی طرح قیاس کر سکتے ہو"۔ دسترخوان پر جو کھانے آئے۔ اون میں سکنجبین (پنچ) بھی تھی۔ وہ برف سے سرد کی ہوئی تھی۔ اور اوسکی بو ایسی نیز تھی کہ ہر ایک کو بآسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ اوس میں الکحل[1] ہے۔ لیکن سلطان یا اون کے مہمانوں میں سے کسی نے اوس کے پینے سے احتراز نہ کیا۔ کیونکہ یہہ مرکب پنچ (سکنجبین) کہلاتا ہے۔ اور سکنجبین کی قرآن میں ممانعت نہیں ہے۔ مہمانوں کے لئے میز پر جو ظال پڑے تھے۔ اون میں سے ایک کو میرا خاوند سانتھیے آیا۔ اوس پر فرنچ زبان میں یہہ الفاظ منقوش تھے "شام پین (انگوری شراب کی ایک قسم) تو ہمیشہ زندہ رہ"۔ شاہی ضیافت ہو بہو کامل فرانسیسی ضیافت کا نمونہ تھی۔ طعام کی قسمیں ترکی اور فرنچ میں لکھی ہوئی تھیں۔ کل تیرہ قسم کے کھانے فہرست میں درج تھے۔ جو یکے بعد دیگرے سب کے سب میز پر چنے گئے۔ سرکاری اعلان میں تاریخ ۲۳ جون درج تھی۔ مگر ضیافت انگریزی کلنڈر کے رو سے فی الحقیقت اتوار کے دن ۲۴ جون کو

[1] لیڈی صاحبہ کو خاوند کو جسکی سند پر وہ یہہ لکھ رہی ہیں اس میں مغالطہ ہو گیا ہے۔ سکنجبین میں لیموں کی ہو یا سرکہ کی الکحل ہرگز نہیں پڑتا۔ چونکہ تیز سرکہ کی بو الکحل (روح شراب) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ صرف اس سے اون کو سکنجبین میں الکحل ہونیکا دھوکا ہو گیا ہے۔ مترجم۔

ہوئی۔ پلاؤ وغیرہ ایشیائی طرز کے کھانوں کے علاوہ یورپین کھانے بھی تھے۔ جن میں سے دو خاص انگریزی قسم کے تھے۔ جو انگریزی مہمانوں کے لئے خاص طور پر تیار کرائے گئے ہونگے۔ پلاؤ ترکوں کا ایسا مرغوب کھانا ہے کہ ممکن نہیں جس ضیافت میں کوئی ترک شامل ہو اس میں پلاؤ نہ ہو۔ میرے بیٹے نے مجھ سے ذکر کیا کہ جس طرف وہ تھا۔ ادھر کے کسی مہمان نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ مگر کھانا اس قدر ہڑپ کیا کہ وہ حیران رہ گیا۔

بدوران ضیافت سلطان المعظم نے سنیر پاشا کو یہ پیغام دیکر میرے خاوند کے پاس بھیجا کہ حضور ممدوح الطاف شاہانہ کے مزید اظہار کے لئے عنقریب مجھ کو نشان شفقت عطا فرمائیں گے۔ یہ نشان صرف عورتوں کے لئے ہے۔ چنانچہ چند دنوں ہی کے بعد محل ہمایوں کا ایک عہدہ دار یہ خوبصورت نشان مجھ تک ہوٹل میں پہونچا گیا۔ نشان سرخ مخمل کے صندوقچہ میں جس پر سنہری ہلال اور ستارہ بنا ہوا تھا بند تھا۔ بعد میں مجھ کو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت جو تمغے بالعموم عطا فرماتے ہیں۔ میرے والا تمغہ ان سے زیادہ خوبصورت اور مرصع کار ہے۔ یہ تمغہ طلائی ستارہ کی شکل کا ہے جس کی پانچ کرنیں نکلی ہوئی ہیں۔ ہر کرن پر نہایت ہی خوبصورت سبز مینا کاری سے پتے اور بعلوں کے پھول بنے ہوئے ہیں۔ اور سرے پر آبدار الماس جڑا ہوا ہے۔ ستارہ ڈھلا ہوا نہیں سونے کو ہاتھ سے کوٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس ستارہ کے ساتھ ایک اور پانچ کرنی ستارہ سرخ مینا کاری کا ہے۔ یہ دونوں ستارے دوش بدوش ہیں اور انکے وسط میں ایک مدور طلائی ٹکیا ہے۔ اس پر سلطان المعظم کا طغرا کندہ ہے۔ اور گرداگرد سبز مینا کاری کی بیل ہے۔ جس کے ساتھ ساتھ تین مرتبہ طلائی عربی حروف میں لفظ "شفقت کنیدہ" ہے۔ فیتہ جس سے اسے لٹکایا جاتا ہے سفید آبدار ریشمی کپڑے کا ہے۔ اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی سرخ دھاریاں ہیں۔ جو دو چوڑی خطوں کے درمیان ہیں۔ تمغہ سرخ کوفت کاری کے ہلال اور ستارہ کے ذریعہ سے اس فیتہ سے بندھا ہوا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر انگریز مہمان اور چند اعلیٰ ارکین قہوہ اور سگرٹ نوشی کے لئے سلطان المعظم کے ہمراہ دوسرے کمرہ میں گئے۔ جلالت مآب نے صرف یہی نہیں کہ بنفس نفیس سگرٹ پیش کئے بلکہ خود دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ایک قصلہ وسیع کمرہ میں جو کھجور کے پودوں اور پھولوں سے خوب آراستہ تھا راگ گایا جا رہا تھا۔ سلطان المعظم نے کسی قدر فخر و مباہات کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ کل سازندے اور گویئے ترک ہیں۔ سرود خوش الحان اور عمدہ تھا۔ اور گویوں کے گلے صاف اور وہ خود اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ جلالت مآب کو

خود بھی موسیقی کا بہت شوق ہے اور اکثر اپنے ایک صاحبزادہ کے ساتھ ملکر جسے کسی دن اس فن میں کمال حاصل ہوجائیگا۔ ہارمونیم بجایا کرتے ہیں۔ اوس رات بہت وقت گذر جانیکی وجہ سے شاہزادے شامل نہ ہوئے مگر سلاملق کے موقعوں پر ہمیں اون کا دیدار ہوتا رہا۔ وہ اوس وقت خوبصورت عربی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور خوب چاق چوبند مضبوط اور چھریرے جسم کے معلوم ہوتے تھے۔ سلطان المعظم بہت رات گذرے اپنے مہمانوں سے رخصت ہوئے۔ جب وہ کمرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ تو صدر اعظم نے کہا۔ جلالت مآب اب رات دو یا تین بجے تک کام کرینگے اور پھر سویرے ہی اُٹھکر کام میں مشغول ہوجائیں گے۔ وہ خود بہت کم آرام لیتے ہیں اور اپنے وزرا کو بھی کم آرام کرنے دیتے ہیں۔ وزیر اعظم نے یہ بھی کہا کہ جلالت مآب اپنے کل کاغذات کو ایسے سلیقہ اور ترتیب سے رکھتے ہیں کہ جس کاغذ کی ضرورت ہو اوس کو اپنے کام کرنیکے کمرہ سے تاریکی میں بھی بآسانی نکال سکتے ہیں۔

ہر ایک امر کا خفیف ہو یا اہم سلطان المعظم بذات خود فیصلہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ آخر انسان ہیں اور نیز دوسرے انسانوں کی طرح اون کے دن کے بھی چوبیس ہی گھنٹے کے ہوتے ہیں۔ بیشمار ضعیف معاملات کی وجہ سے جن پر اون کے احکام کا حصول لازمی ہے کئی زیادہ اہم معاملات معرض تعویق میں پڑے رہتے ہیں اور اکثر کئی کئی مہینوں تک بلا تصفیہ رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک معاملہ کا ذکر کرتی ہوں۔ تہرا پیا (مضافات قسطنطنیہ جو باسفرس کے یورپی ساحل پر آباد ہے) میں جس لنگر سے انگریز سفارت کا خاصہ جہاز باندھا جاتا تھا۔ اوس کے قریب پانی میں ایک چٹان ڈوبا ہوا تھا جس سے دریا کی مد و جذر کے بعض موقعوں پر جہاز کو نقصان پہونچ جانے کا احتمال تھا۔ مگر چونکہ سلطان المعظم کے حکم کے بغیر وہ لنگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جاسکتا تھا سفیر فے ہمارے جانے سے پہلے کی عرضی دی ہوئی تھی کہ لنگر مذکور کو چند فیٹ ہٹا دینے کی اجازت مل جائے۔ ہم ترکی میں تین مہینہ رہے اور ہماری واپسی تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

ضیافت کے بعد جو پہلا جمعہ آیا۔ اوس جمعہ کو ہم بطور شکر گذاری اور شاہی آداب بجا لانے کے لئے سلاملق میں حاضر ہوئے۔ اور جب منیر پاشا حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہونچانے آئے تو میں نے اون کی معرفت تمغہ شفقت کی مرحمت کا شکریہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلطان المعظم کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ سلاملق سے ماقبل کی رات کو انگریزی سفارت میں بڑی بہاری دعوت تھی جس میں بڑے فخر و ناز اور ساتھ ہی مسرت و فرحت کے ساتھ اس تمغہ کو لگا کر شامل ہوئی تھی۔

اسکے بعد اور دو دفعہ ہم سلاملق میں شریک ہوئے۔ ایک دفعہ تب جبکہ نوجوان خدیو بھی وہاں موجود تھا۔ اور اوس کے اعزاز میں سلطان المعظم کے مسجد سے تشریف لیجانیکے بعد کل فوج پرے باندھ کر گذری تھی۔ چند نوعمر افسروں کو قاعدہ کے ساتھ پریڈ مارچ کرتے دیکھکر جو اُنھوں نے برلن میں سیکھا تھا طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔ مگر اون افسروں کے لئے جنکی عمریں نسبتاً بڑی تھیں عمومی پہاڑی سے تیز قدمی کے ساتھ نیچے جانا سخت تکان دہ کام تھا۔ خدیو جتنا عرصہ قسطنطنیہ میں ٹھہرے۔ برابر آزردہ رہے اون کو توقع تھی کہ خود مختار بادشاہ کی طرح اونکی تعظیم و تکریم ہوگی۔ اور سلطان المعظم نے اونکی خاطر دلجمعی کی جو باجگذار حکمران کے مناسب حال ہو سکتی تھی۔ چنانچہ محل ہمایون میں اون کو جو بڑی ضیافت دیگئی۔ اوس میں اون کو صدر اعظم کے بعد بحیثیت سوم رکن سلطنت جگہ دیگئی۔ سلاملق میں سلطان المعظم نے اون کو اپنے ہمراہ مسجد جانیکی دعوت نہ کی۔ صرف یہہ اعزاز کیا گیا کہ جلوس اور فوج کا "مارچ پاسٹ" (پرے باندھ کر سامنے سے گذرنا) دیکھنے کے لئے سفراء کی کوشک کے متصل اون کو ایک علیحدہ کوشک میں بٹھایا گیا۔ آخری دفعہ ہم بڑی منگلوں سے سلاملق میں شامل ہوسکے۔ میرے خاوند کو اپنی تصنیف کردہ کتب موسومہ "شرق کی مقدس کتابیں" سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کرنیکی اجازت ملگئی تھی۔ اور یہہ کتابیں انگلستان سے پہونچگئی تھیں جب وہ جمعہ آیا۔ . . . . . جبکہ ہم نے آخری مرتبہ سلاملق کو جانا تھا تو ہمیں یہہ خیال نہ رہا کہ چونکہ ترکی میں غروب آفتاب سے وقت کا شمار ہوتا ہے اس لئے موسم گرما میں یورپین طرز شمار وقت کے بارہ بجے ظہر کے وقت میں سویرے[1] ہوتے جاتے ہیں چنانچہ جب سلاملق کے عازمین کو لیجانیوالا جہاز جو صرف ایک دفعہ چلتا ہے ٹھہرا پیا پہونچا تو ہم اوسوقت تیار نہ تھے۔ اوس کے چلے جانیکے بعد ہم نے کسی قدر دقت کے ساتھ گاڑی ہم پہونچائی اور اوس پر سوار ہوکر بلیز کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹھہرا پیا سے پہلے ہم کو گھنے درختوں کی گھاٹی موسومہ "کراؤ سیرو" (آب سرد) پر چڑھنا پڑا۔ اسکے بعد ہم اوس بائے نام شاہراہ پر ہو گئے جو بسفرس کے کنارہ کی پہاڑیوں کی چوٹی چوٹی پر اکو جاتی ہے۔

[1] ناظرین کو اس کا مطلب بالتشریح اس سے بآسانی سمجھ میں آجائیگا۔ سرما میں انگریزی وقت کے عموماً پانچ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترکی وقت کا اوس سے ایک کا عمل شروع ہوگا۔ انگریزی وقت کے جب دوپہر کے بارہ بجیں گے۔ اوس وقت ترکی وقت کے ۹ بجیں گے۔ لیکن گرمی میں دن بڑھنا شروع ہوجاتا ہے حتی کہ جون میں تقریباً آٹھ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ چنانچہ اوس موسم میں جب انگریزی وقت کے دوپہر کے بارہ بجیں گے ترکی وقت کے سولہ بجیں گے۔ مترجم۔

سڑک اس قدر خشکی کی طرف ہٹی ہوئی ہے کہ ہم باسفرس کے پانی کو نہ دیکھ سکے۔ تاہم ساری سڑک سے باسفرس کے ایشیائی ساحل کی پہاڑیوں کا نظارہ ہوتا رہا۔ شروع شروع میں تو یہ ریتلی سڑک ابھی تھی۔ مگر جوں جوں دارالخلافہ کے قریب پہونچتے گئے۔ وہ خراب ہوتی گئی۔ حتی کہ آخر تک اس قدر گہری نالیاں اور بڑے بڑے گڑھے آ گئے کہ ہم کو مجبوراً سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں سے جس طرح بن پڑا گذرنا پڑا۔ جب ہم بلدیہ پہونچے تو کل فوجیں صف بستہ ہو چکی تھیں۔ مگر ہم فوج سواران کی صف کو چیر کر آگے بڑھ گئے۔ اور اسی وقت ہمیں صادق بک مل گیا وہ ہماری طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ اور سکی نگرانی میں ہم جھٹ پٹ سفرا کی بارہ دری میں پہنچ گئے۔ میرے خاوند نے تھوڑی سی عبارت لکھ کر اوس میں مشرق کی کتب مقدسہ کی تالیف اور طبع کے مقاصد و مدعا کو واضح کیا تھا۔ اور اس عبارت کا سفارت کے ایک ترجمان سے لیس ترکی میں ترجمہ کرا کر اوسے چند روز پیشتر محل ہمایون کو بھیجدیا تھا۔ اور ساتھ ہی سلطان المعظم کی خدمت میں یہہ عرض کر بھیجا تھا کہ ہم ایک ہفتہ میں حضت ہو جائینگے جب رئیس التشریفات حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہونچانے آیا تو اوس نے پروفیسر کو کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر سے جس کا لفظ لفظ حضور ممدوح نے مطالعہ فرمایا ہے کمال محظوظ اور متاثر ہوئے ہیں۔

سلاملق کے بعد صادق بک ہم کو اوسی کوشک میں لیجا کر جہاں پہلی سلاملق کے بعد ہمیں شرف باریابی حاصل ہوا تھا۔ ایک بڑے کمرہ میں لیگیا۔ وہاں بہت سے آدمی (جو سب کے سب مرد تھے) سعادت حضوری سے ملنے یا سلطان المعظم کے احکام سننے کے انتظار میں جمع تھے۔ یہاں ہمیں حاجی علی گرینڈ چیمبرلین (اعلی حاجب) سے جو نہایت متین اور باوقار کمال خوبصورت پیر مرد ترک ہے روشناس کرایا گیا جس کمرہ میں ہم تھے اوسی میں سلطان المعظم منتظران جمال کو شرف دیدار عطا فرما رہے تھے اون دونوں کے درمیان وہ مسلسل آمد و رفت کرتا رہا۔ کل حاضرین کو قہوہ اور سگریٹ اور مفرح برف میں سرد کیا ہوا شربت بادام دیا گیا۔ اور ہم سب ایک دوسرے کی طرف باوقار خاموشی سے بیٹھے تکتے رہے۔ حتی کہ صادق بک نے علامہ زمان جلال الدین علی افغانی کو جو شاعر[1] نہایت مشہور و ممتاز شیخ ہے لاکر میرے خاوند سے معرف کرایا۔ اور اون دونوں میں فی الفور بزبان فرنچ کردوں اور سلطنت عثمانیہ کی دیگر اقوام پر طویل و دلچسپ گفتگو شروع ہو گئی۔ ایک روسی افسر بھی جو پاس کھڑا تھا۔ حالانکہ اوسے اس مضمون پر بہت تھوڑا علم تھا گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اور اوس نے پروفیسر اور جلال الدین کی رائے سے جو دونوں بالکل متفق الرائے تھے مختلف رائے ظاہر کی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے

[1] افسوس شیخ موصوف سالگذشتہ مستطلینہ میں فوت ہو گئے۔ مترجم۔

اون کی دلیلوں کو سنتے رہے۔ کہ اتنے میں گرینڈ چیمبرلین نے سلطانی کمرہ سے برآمد ہو کر میرے خاوند سے کہا کہ "سلطان المعظم تمہاری تحریر پڑھ کر بہت خوش ہوئے ہیں اور گو آج وہ بہت مصروف ہیں اور تم سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ تاہم حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا ہے کہ جانے سے پہلے وہ تم سے ایک دفعہ پھر ضرور ملاقات کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے کوئی دن بعد میں مقرر کیا جائیگا اور تم کو چاہا یا کہا نے پر مدعو کیا جائیگا۔" ہم سے ہٹ کر حاجی علی شیخ جلال الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُسے کہا کہ سلطان المعظم نے تم کو باسفرس کے کنارہ ایک مکان عطا فرمایا ہے۔ بعد ازاں پھر پروفیسر کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "جلالت مآب نے تم کو عزت و قدر افزائی کا اعلیٰ نشان "تمغہ لیاقت" بھیجا ہے جسے حضور ممدوح بہت شاذ و نادر عطا فرماتے ہیں"۔ وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت طلائی تمغہ ہے اور سلطان المعظم اوسے باقی سب طبقوں کے تمغوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا۔ کہ میرا خاوند اون عیسائیوں سے علاوہ جو سلطان المعظم کی ملازمت میں داخل ہیں پہلا عیسائی ہے جسے یہ تمغہ عطا ہوا ہے (یعنی اس سے پہلے جن معدودے چند خوش نصیب عیسائیوں کو یہ تمغہ ملا تھا وہ سلطان المعظم کے ملازم تھے) صادق کا چہرہ اس نشان کو پروفیسر کے سینہ سے ٹانکتے وقت خوشی سے تمتما اُٹھا تھا۔ فی الواقع سلطان المکرم کی نوازش اور عنایت کا یہ بہت بہاری ثبوت تھا۔ یہ تمغہ ایک چھوٹے سے سرخ فیتہ سے جس کے کنارے سبز ہیں لٹکا ہوا ہے۔ اور ترکی میں اوس پر یہ الفاظ نقش ہیں "یہ اون کے واسطے مخصوص ہے جو لیاقت صداقت اور ہمت مردانہ ظاہر کریں"۔ رخصت ہونے پر ہم نے بیرونی ایوان کو ملازموں سے بھرا ہوا پایا۔ وہ سب انعام کے متوقع تھے۔ ہم نے ترجمان سے جو وہاں ہمارے انتظار میں بیٹھا تھا درخواست کی کہ جو کچھ مناسب ہو نوکروں کو دیدے۔ اوس نے دو پونڈ ترکی (ایک پونڈ اور سولہ شلنگ) سب میں تقسیم کر دیئے۔ ہم نے صادق کو اپنی روانگی کا وقت بتا کر اوس سے التجا کی کہ وہ عہدہ داران محلسرا مہمانوں کو اچھی طرح سے بتا دے۔ . . . . . کہ ہم اس ہفتہ کے اندر جانیکا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ گو ہم جانتے تھے کہ سلطان کا پیغام پہونچ جانے کے بعد اور بالخصوص تمغہ لیاقت کے عطیہ کے بعد ہم پر ایک طرح سے واجب ہو گیا ہے کہ اگر سلطان المعظم ہم کو اوس دن سے پہلے جس دن ہم نے وطن کی طرف واپس جانے کا تصفیہ کیا ہوا تھا شرف باریابی عطا نہ فرما سکیں تو ہم اپنی روانگی کو چند سے ملتوی کر دیں۔

(۹) پرانی شہر پناہ

پرانی شہر پناہ اور فصیلوں کی خوبصورتی کا ذکر ہمارے فرزند نے اپنے کئی خطوں میں کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے صادق بک سے جس نے ہمیں اون کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک سہ پہر اس گشت پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔ کبھی یہ فصیل سارے شہر کے گرد موجود تھی۔ اور وہ دیوار جو سمندر کی طرف کی فصیل کہلاتی تھی اور گوشہ محلسار سے یدی قلہ (ہفت برج) تک بحیرہ مرمرا کے کنارہ کنارہ بنی ہوئی تھی۔ یہ لوی لاین کی تعمیر کے وقت تک خاصی عمدہ حالت میں کھڑی تھی۔ مگر جب لاین بنی تو وہ تقریباً اوس موقع سے گذری جہاں پر دیوار تھی جس پر اوسی گرا دیا گیا اور اب کہیں کہیں اوسکا کوئی ٹکڑا کھڑا ہے۔ باقیماندہ فصیلوں کی طرح دریائی فصیل کو بھی ابتداً اسطنطین اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔ اور پھر قیصر تھیوڈوسی اس ثانی نے (جو ۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک حکمران رہا) اوسکی خوب طرح مرمت کرائی تھی۔ وہ ایک قسم کے پشتہ پر جو دیوار کے پائیں ہیں بڑے بڑے چٹانوں کا بنا ہوا ہے بنائی گئی تھی اور باقیماندہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ موجوں کے زور کو توڑنے کے لئے وہ عمداً بخط مستقیم یعنی سیدھی نہیں بنائی گئی تھی۔ دریائی فصیل دوسری فصیلوں سے کم چوڑی ہے۔ یہ امر تبارہا ہے کہ خود تنہا سمندر کو ہی کافی حفاظت خیال کیا گیا تھا۔ اکثر جگہ کنبوں کے نشان موجود ہیں جن پر تھیوڈوسی اس کا نام کندہ ہے اور کل فصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ زمانہ میں اوس میں تقریباً دس دروازے تھے جن سے اون مشیاً گرجوں کو جو عین اوس سے اوپر کر کے بنے ہوئے تھے۔ اور نیز شہر کے اندرونی حصوں کو سمندر کی طرف سے راستے جاتے تھے۔ مگر یہ فصیل جو ہر ایک جگہ سے توڑی ہوئی اور غلیظ گلیوں سے ملی ہوئی ہے وہ فصیل نہیں۔ جسکا ہمارے بیٹے نے ذکر کیا تھا اور جس کو دیکھنے کے لئے ہم روانہ ہوئے تھے۔ ہم ریل پر یدی قلہ کو گئے۔ یہ قلعہ اوس زاویہ پر ہے جو دریائی جانب اور خشکی کی طرف کی فصیلوں کے التصاق سے بنتا ہے۔ خشکی کی طرف کی فصیل اس موقع سے خلیج تک تقریباً پانچ میل لمبی چلی گئی ہے۔ اس قلعہ کو محمد فاتح نے تعمیر کرایا تھا۔ اور کسی وقت اسیران سلطانی کے محبس کا کام دیتا تھا۔ اب وہ کھنڈر پڑا ہے۔ سات میں سے تین برج منہدم ہو گئے ہیں۔ اور باقیماندہ چاروں پر بھی گھاس اُگا ہوا ہے۔ ایک تاریک سے دروازہ میں سے گذر کر جو بندر کہا جاتا ہے ہم صحن میں پہونچے۔ وہ تختہ گیاہ معلوم ہوتا تھا۔ اوسکی پرلی طرف وہ برج ہے جس میں اوس سلطنت کے سفیر جس سے بابعالی کی جنگ چھڑ جائے فی الفور قید کر دیئے جاتے تھے۔ یہ برج آخری دفعہ ۱۷۹۸ء میں استعمال

میں لایا گیا تھا جبکہ فرنچ سفیر کچھ عرصہ کے لئے اوس میں نظر بند رکھا گیا تھا۔ قلعہ کی نگرانی اور حفاظت پہ ہمیشہ ینگچری فوج کا دستہ مامور رہتا تھا۔ اور یہیں یہ سرکش فوج اون سلاطین کو جن سے وہ بگڑ جاتی تھی قید کرنے آیا کرتی تھی۔ اور اون میں سے بعض کو یہیں اوس نے قتل بھی کیا تھا۔ ہم نے اون کمروں کو جاکر دیکھا جن میں فرنچ سفیر مقید رہا تھا۔ اون کے فرش کچے تھے۔ روشنی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اور صرف ایک تنگ و تاریک پیچ دار راستہ سے جسکی ایک شخص بھی بآسانی حفاظت کر سکتا تھا۔ اون تک پہونچا جاتا تھا۔ وہاں سے قیدی کا بھاگ سکنا بالکل ناممکن تھا۔ اس برج سے باہر قریب ہی ایک گہرا کنواں ہے جسے خونی کنواں پکارتے ہیں اس میں اون لوگوں کے سر گرا دیئے جاتے تھے۔ جو ایک مقصلہ چھوٹے سے صحن میں قتل کئے جاتے تھے۔ روایت ہے کہ روس کی ملکہ کیتھرائن اعظم کے سفیر کونٹ اوبرسکاف کو موجود الوقت سلطان نے کسی خفیف سی بخش پہ جو دونوں ملکوں میں ہو گئی تھی اس کنوئیں میں لٹکا دیا تھا اور تین دن اوس کو وہیں معلق رہنے دیا تھا۔ چند ڈھلوان زینوں پہ چڑھنے سے ہم بلند سطح پہ پہونچ گئے۔ یہاں سے مرمرا کا جو دھوپ کی سنہری کرنوں سے طلائی چادر کی طرح جگمگا رہا تھا دور تک ایسا شاندار نظارہ ہوتا تھا۔ کہ انسان اوسے مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا۔ دن سخت گرم تھا اور صاف نے مجھے اس بلندی پر اپنے بیٹے کے پیچھے جانے سے روکنے کی بہتیری کوشش کی تھی۔ مگر جب کامیاب نہ ہوا تو اکیلا ہی اوداسی برج کے صحن میں بیٹھ گیا۔ اوسکی وردی بہت ہی چست اور پتلون بہت تنگ تھی جس سے اوس کو اوپر نیچے چڑھنے اترنے میں بہت دقت ہوتی تھی۔

جب ہم اس ہولناک قلعہ سے باہر نکلے تو میں نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ پھر اپنی گاڑی کے پاس پہونچکر اوس پہ سوار ہو گئے اور ایسے راستہ سے جو باقاعدہ پھاٹک ہونیکی بجائے شگاف سا معلوم ہوتا تھا پرانی فصیل سے باہر کی طرف ہو گئے جہاں پہونچتے ہی کل منظر جو خوبصورت مگر ساتھ ہی سنسان تھا ہماری نظروں کے سامنے پھیل گیا۔ جہاں تک ہماری نگاہ پہونچتی تھی۔ ویرانی دیوار اور اوس کے بے شمار برج دکھائی دیتے تھے۔ اوسکی منہدم حالت روئیدگی جنگلی انگوروں اور دوسرے پودوں کی بیلوں سے جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں چھپی ہوئی تھی۔ خشکی کی طرف کی فصیل اول سے آخر تک ٹھہری تھی جس کے اب بھی برابر نشان موجود ہیں اندرونی فصیل۔ بیرونی فصیل۔ اسکے آگے مٹی کا پشتہ اور پھر خندق۔ خندق چار صدیوں کی مسلسل روئیدگی سے تقریباً پٹ گئی ہے جس کے درختوں کی سبز دیواروں کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہوئی عجب کیفیت دکھاتی ہے۔ ہماری دائیں طرف قریب ایک طلائی دروازہ اور اوس کے دونوں مینار تھے۔ جو سنگ مرمر کے بنے

ہوئے ہیں۔ یہی وہ محراب فتح ہتی جس سے قیاصرہ بڑے بڑے موقعوں پر شہر میں داخل ہوکر بازار فتح کے راستہ ایا صوفیا کو جایا کرتے تہے۔ دروازہ سے باہر سمندر کا ہموار ساحل ہے۔ رومی قیصروں پر جہازوں سے خشکی پر اترکر دروازہ میں داخل ہوا کرتے تہے۔ اب اس دروازہ میں دیوار چن دیگئی ہوئی ہے۔ جس سڑک پر ہم نے گذرنا تہا وہ ایسی بری ہتی کہ عربوں کے سوا اور کسی قسم کے گھوڑے اوس پر سے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتے تہے۔ اس پر کسی وقت پختہ فرش موجود تہا۔ مگر اب بیشمار پتھروں کے ٹوٹ جانے یا اکھڑ پڑنے سے اس قدر گڑہے پڑ گئے ہوئے ہیں کہ آج ہمیں بہت سا حصہ پیدل چلنا پڑا۔ راستہ میں ہماری بائیں طرف کہلے میدان میں ارمنی ہسپتال۔ یونانی یتیم خانہ اور کئی دیگر اسی قسم کی عمارتیں آئیں۔ مگر ہماری توجہ ہمہ تن اون برجوں اور پہاڑکوں کی طرف مبذول ہتی جو ہماری دائیں طرف شہر پناہ کی لمبی دیوار میں بنے ہوئے ہتے اور جن میں سے ہر ایک کے متعلق کوئی تاریخی روایت یا قصہ سنا جاتا ہتا۔ یا یونانی لاطینی زبان میں کوئی کتبہ موجود ہتا جس دروازہ کو اب "سلی وری کا پوسی" پکارا جاتا ہے۔ یونانی شہر کو لاطینیوں کے ہاتھ سے پھر فتح کرنے پر اوسی کے راستہ داخل ہوئے ہتے۔ اس دروازہ سے متصل ہی باہر کی طرف درختوں کے جھنڈ میں بلوق لی کا مشہور کنواں ہے۔ مجھ اوسے نہ دیکھنے کا بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ نیم برشتہ مچھلی کا قصہ اسی کے متعلق مشہور ہے۔ اسجگہ پانی کے بہت سے چشمے ہیں۔ چنانچہ اسے پہلے حضرت مریم کے چشموں کی جگہ پکارا جاتا ہتا۔ روایت یہ ہے کہ قسطنطنیہ کے فتح کے وقت یہاں ایک راہب رہتا ہتا جب ترکوں نے شہر پر آخری ہلہ کیا۔ اوسوقت وہ مزے سے بیٹھا ہوا مچھلیاں تل رہا ہتا جسوقت اوسے کسی نے کہا کہ ترک شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اوس نے کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ مچھلیاں کڑاہی سے اچھل کر پانی میں چلی جائیں۔ تو پھر البتہ میں یقین کر لوں"۔ اوسکے کہنے کی دیر ہتی کہ مچھلیاں اچھل کر پانی میں چلی گئیں جنکی اولاد کا نیم برشتہ مچھلیوں کی طرح آدھا جسم سیاہ اور آدھا سفید ہوتا ہے۔ بلوق لی کی فطرتی دلفریبی اور خوبصورتی پر بائی زنطینی شعرا اور زائرینوں نے خوب خوب جوہر طبع دکہائے ہیں۔

فصیلوں کے تقریباً ہر ایک برج پر کوئی نہ کوئی کتبہ ضرور موجود ہے جو اوسکی تعمیر یا مرمت کے مابعد کی تاریخوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ دروازہ توپ کاپوسی کے دونوں طرف فصیل تقریباً منہدم ہتی۔ اور ایک جگہ نالہ لیکس کے قریب اب تک بہت بڑا شگاف صاف دکہائی دیتا ہے۔ ترک اسی کے راستہ پہلے پہل داخل ہوئے ہتے۔ بعد ازاں اسکی بہت کم مرمت کیگئی۔ اس دروازہ کو توپ دروازہ اس لئے پکارا جاتا ہے۔

کہ محاصرہ کے وقت ترکوں نے اوس کے مقابل بڑی بڑی گراں وزن توپیں نصب کی تھیں۔ لاطینی ہی صلیبی لڑائیوں کے وقت اسی تسکاف کے قریب سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ اور اسی تسکاف پر آخری محاصرہ میں جنوا کا بہادر جسٹی نی آنی نمی ہوا تھا۔ اور اوس کے لڑائی سے ہٹ جانے پر اوس کے تمام تنخواہ دار یا بندہ سپاہی بھی چلے گئے تھے۔ قسطنطین نے عین توپ کا پوسی کے اندر ہی آخری وقت تک غنیم کی دل بادل فوج قہار سے مقابلہ کرتے ہوئے مردانہ وار اپنی جان قربان کی تھی۔ حملہ آوروں کی تعداد دو لاکھ تھی جن کے مقابلہ میں اکثر مورخین کا خیال ہے کہ شہر میں آٹھ ہزار سے زیادہ قواعد دان محافظین نہ تھے۔ تاہم یہ چھوٹی سی جماعت ۵۳ دن تک دشمن سے اپنے شہر کو بچائے رہی۔ بہادر قسطنطین کی لاش کشتیوں کے نیچے پائی گئی تھی۔ اوسکی دلیرانہ بہادری نے محمد پر ایسا اثر کیا تھا کہ اوس نے لاش کو ادب احترام سے دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور قسطنطنیہ میں ہمیں یہ بھی سننے کا اتفاق ہوا کہ آخری یونانی قیصر کی قبر پر سرکاری خرچ سے ہر وقت ایک چھوٹا سا لمپ روشن رہتا ہے۔ کسی گائیڈ بک میں اس کا ذکر نہیں۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ اس بات کو درست سمجھا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ کا وہ سارا حصہ ایسا غلیظ اور ویران ہے کہ ہم نے خود موقعہ پر جاکر اوس کے تصدیق کرنے کا کبھی خیال تک کیا۔ یہ عجب اتفاق تھا۔ ہم اوس نظارہ کو جس نے مکتب کے ایام سے ہمارے دلوں پر نہایت گہرا اثر ڈال رکھا تھا۔ اوس فاتح قوم کے ایک فرد کی رفاقت میں دیکھ رہے تھے جس کے باسفرس سے دلی جانب موجود ہونیکی نسبت شروع سے ہمارے دلوں میں یہ بٹھا دیا گیا تھا کہ یہ عیسائیوں کے لئے ایک سخت وہیب ہے۔ صادق بک کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ توپ کا پوسی اور اوسکے ملحقات کو دیکھ کر اوس پر کوئی چنداں اثر نہیں ہوا۔ غالباً اوس نے اس کے متعلقہ تاریخی حالات پر اوسوقت نظر نہیں دوڑائی ہوگی۔ مجھے اوسکی لاپروائی سے ایک طرح کا سخت صدمہ پہونچا۔ کیونکہ میں خوبصورت شہر اور اوس کے پرفضا مضافات کا خیال کرتے وقت دل میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر صادق اوس وقت اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر کوئی فخر ظاہر کریگا تو میں اوسے معذور سمجھونگی۔ اس دروازہ سے آگے فصیل کے باہر مکروہ اور قابل نفرین سڑک کے بائیں ہاتھ تمام کھلے میدان میں ایک وسیع قبرستان پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑی کی چوٹی پر اور وادی کے دامن میں الغرض جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ قبروں کے لمبے لمبے پتھر کے ستون نظر آتے تھے۔ اور اون پر اتنے اتنے موٹے اور بلند سرو سایہ دار لمبے ہوئے تھے کہ اون سے بڑے ہم نے پہلے نہیں دیکھے تھے۔

توپ کا پوسی سے تھوڑے ہی فاصلہ پر دیدہ برج ہے۔ جو سب برجوں سے زیادہ خوبصورت اور حیرت افزا

ہے۔ اس میں از سر تا پا تہ کی توپوں کے ایک گولہ سے جو سنگ مرمر کا تھا شگاف پڑ گیا تھا۔ اور گو اوس کے دونوں حصے بالکل جدا جدا ہو گئے ہیں مگر وہ ابتک قایم کھڑا ہے۔ یا جب ہم نے دیکھا اوسوقت قایم کھڑا تھا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ ۱۸۹۴ء کے زلزلہ میں وہ گر پڑا تھا۔ لیکن اس خبر کی تصدیق اب تک ہمارا مٹیا موقع پر جا کر نہیں کر سکا۔ چار سو برس تک اس دسیدہ برج کا صحیح سالم کھڑا رہنا معجزہ سے کم نہیں معلوم ہوتا۔

توپ کاپوسی کے آگے اور نکا پوسی (دروازہ ایڈریانوپل) ہم قہر یعنی بیل بوٹے دار مسجد کو دیکھنے کے لئے اوس کے راستہ اندر داخل ہوئے۔ یہ کسی وقت عیسائیوں کا گرجہ تھا۔ جو ایک نہایت ہی قدیم گرجہ کی جگہ بارھویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس زمانہ میں شہر کا یہ حصہ جو اب ویران و سنسان پڑا ہے بلا آخر فی محل کے قرب کے باعث جس میں بازنطینی سلاطین اور فتح پانیکے بعد پیہر یونانی قیاصرہ رہتے تھے۔ نہایت آباد اور بارونق تھا۔ محاصرہ کی آخری رات کو جبکہ چاروں طرف سے مایوسی چھا رہی تھی۔ اسی محل سے قسطنطین جام ہلاکت پینے کیلئے فصیل کو گیا تھا۔ محل کا موقع ہم سے دور نہ تھا۔ مگر صادق کو اوس کا کچھ علم نہ تھا۔ اسلئے ہم وہاں نہ گئے۔ علاوہ بریں وہاں جانیکی چنداں ضرورت بھی نہ دیکھی گئی۔ اب صرف سفید جگہ ہی جگہ باقی ہے تیکون نے اوسکا تمام قیمتی سامان اور مصالح مسجدیں اور مقبرے بنانے کیلئے اُٹھا لیا ہوا ہے۔ وہ خود اوس میں کبھی رہائش پذیر ہوئے اور اب وہ جگہ جو سالہائے دراز تک مشرقی سلطنت کا مرکز اور زنانہ عیش و عشرت اور طمطراق العلغانہ جرایم اور جبر و ستم کا اکھارہ رہچکی تھی کل استنبول میں غلیظ ترین اور سب سے ویران مقام ہے۔ مگر اس بیان کو چھوڑ کر میں مسجد کی طرف آتی ہوں۔

اوس کی بیرونی اور اندرونی ڈیوڑھی پر اب تک بیل بوٹے موجود ہیں۔ جو کمال خوبصورت اور بالکل قایم ہیں۔ دیواروں اور چھتوں پر انجیل کے واقعات اور مریم کی سرگذشتوں کے مرقعے اور تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اور بغلی عمارت میں کئی تصویروں کے چند خوشنما سر باقی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ کسی وقت یہ کل عمارت تصویروں سے بھری ہوئی تھی۔ اس مسجد کو دیکھ کر ہمیں تعجب ہوا کہ اس میں بیل بوٹوں اور تصویروں کو کیوں سالم رہنے دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسے قسطنطنہ کے فتح ہونے پر فوراً ہی مسجد بنا لیا گیا تھا۔ اور باقی تمام ایسے گرجوں میں جو آیا صوفیا کی طرح مسجد بنائے گئے تھے بیل بوٹوں پر قلعی پھیر دیگئی تھی۔ اور اون میں نقش و نگار کے بہت کم آثار کھلے رہنے دیئے گئے تھے۔

مسجد کو دیکھ کر ہم پھر اورنکا پوسی کے راستہ باہر نکلکر فصیل سے باہر باہر ایوب کی طرف چل

پڑے۔ تھیوڈوسی اس کی بنا کردہ فصیل اس موقع پر جہاں سے ایوب کی طرف اترائی شروع ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے اس سے آگے جو شہر پناہ ہے۔ اوسکی نسبت خیال ہے کہ اوسے قیصر مینوال کومنینس نے بنایا تھا۔ اور یہ غالباً اوس نے تھیوڈوسی اس کی تعمیر کردہ دیوار کے اوس حصہ سے علاوہ جواب بالکل معدوم ہو گیا ہے۔ محل بلاشرفی کی مزید حفاظت کیلئے تعمیر کرائی تھی۔ اس دیوار میں ایک قابل دید چیز اگری کاپوسی یا منحنی دروازہ ہے۔ روایت ہے کہ ترک اوسوقت جبکہ یونانیوں کو کوئی توقع نہ تھی اس دروازہ میں سے داخل ہو کر اون پر اچانک جا پڑے تھے۔ دروازہ عموماً بند کہا جاتا تھا۔ مگر اوس دن قیصر نے اوسے اپنی فوج کے گذرنے کے لئے کھلوا دیا۔ اور یہ امر ترکوں کو فی الفور معلوم ہو گیا۔ میری رائے ہے کہ ممکن ہے چند ترک اس دروازہ میں سے ہی گذرے ہوں۔ مگر یہ متفق علیہ ہے کہ فوج حملہ آور کا حصہ کثیر اوس شگاف کے راستہ سے اندر داخل ہوا تھا۔ جو اونکی توپوں نے فصیلوں میں کر دیا تھا۔ اور جو اب تک اوسی کاپوسی کے قریب دکھائی دے رہا ہے اوس زاویہ پر جہاں کومنینس کی فصیل تھیوڈوسی اس کی فصیل سے ملتی ہے۔ نام نہاد محل بلی ساری اس (تکفور سرار) کا بقایا کھڑا ہے۔ مجھے بعد میں سخت افسوس ہوا کہ ہم نے پہر فصیل کے اندر جا کر اوس کو کیوں نہ دیکھا۔ گرجوں کے سوا رازنطینی عمارتوں کے بہت کم نمونے اب باقی رہ گئے ہیں اور انمیں سے اون معدودے چند کے ایک یہ محل ہے۔ اس محل کا اگوار اب تک کھڑا ہے جسکی تصویر میں بعد میں میری نظر سے گذری ہیں۔ اوسے دیکھکر وینس کے پرانے محل یاد آجاتے ہیں۔ اس محل کو مشہور جنرل بلی ساری اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شہر کے اس محل کا پرانا نام بلاٹا تھا۔ اور خیال کیا گیا ہے کہ اسی کو بگاڑکر محل کا نام بلی ساری اس لکھ دیا گیا ہے۔ اسے قسطنطین کا محل بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ وہ قسطنطین پورفیرو جینی لٹس کے وقت کا ہے۔

یہاں پر سڑک بالکل ہی خراب ہے۔ اور بڑی ڈھال کہاکر خلیج کو جاتی ہے جسپر وہ موضع ایوب کی عین نیچے جو قسطنطنیہ کے گرد و نواح کے نہایت خوبصورت اور پر فضا مقامات میں شمار ہوتا ہے جا ملتی ہے۔ ہم نے اس موضع کو ایک جمعہ کے دن دیکھا تھا جبکہ ہم صادق بک کے اہتمام سے ایک دس چپوؤں کی قایق پر سوار ہو کر یورپ کے چشمہ ہائے شیریں کی سیر کرنے گئے تھے جس مقام پر حضرت ایوب انصاری (رسول اللہ کے صحابی) ۶۶۸ء میں جبکہ عربوں نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا شہید ہوئے تھے۔ وہاں سفید مرمر کی خوبصورت مسجد کھڑی ہے۔ مقام شہادت محمد فاتح کو آٹھ سو برس بعد خواب میں معلوم ہوا اور اوس نے

وہاں یہہ مسجد تعمیر کردی۔ کسی عیسائی کو اوس کے اندر داخل ہونے۔ بلکہ اوس کے بیرونی صحن کے قریب آباد ہونیکی بھی اجازت نہیں۔ ہر نئے سلطان کی کمر میں یہیں ابوالسلاطین عثمان باقی خاندان کی تلوار باندھی جاتی ہے۔ اِس کے قریب ہی فس (ترکی ٹوپی) بنانے کا بڑا کارخانہ ہے۔ جہاں مل فوج کے لئے ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں۔ اس کل نظارہ کو اوس دن بالکل مشرقی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ اون سبز پہاڑیوں کی چوٹی پر ایوب سے گولڈن ہارن (خلیج) سے بتدریج اُٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں لدے ہوئے اونٹوں کی لمبی قطار آہستہ آہستہ چلی جاتی دکھائی دی۔

مگر میں پھر دیوار کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ بندرگاہ کے کنارہ کی فصیل کا بہت تھوڑا حصہ باقی بچا ہے صرف کہیں کہیں اکا دکا برج یا دروازہ کھڑا رہ گیا ہے۔ اس طرف کی سڑک بھی جو مرمرہ فصیل اور خلیج کے درمیان فنار یعنی یونانی محلہ میں سے گذرتی ہے۔ بہت ہی ناقص اور خطرناک ہے شہر کے اس حصہ میں سب سے زیادہ قابل دید اور دلچسپ وہ چند ایک مکانات ہیں جو اہالی وینس کے غلبہ کے وقت سے چلے آتے ہیں۔ اور جن کو دیکھ کر انسان کو وینس کے چھوٹے محل یاد آجاتے ہیں۔ استنبول کے اس حصہ میں یونانیوں کی طرح یہودی بھی بکثرت آباد ہیں۔ غرش کے ناقص ہونے سے گاڑی بہت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی۔ جب ہم اندرونی پل پر جس سے اوپر بڑے آہن پوش لنگر انداز نہیں پہونچے تو خدا کا شکر کیا اور پل پر سے گذر کر اوس سڑک پر چڑھ گئے جو متذکرہ بالا قبرستان کے کنارہ کنارہ انگریزی سفارت اور ٹریم لاین کو جاتی ہے۔ یہہ سڑک ڈھلوان ہے۔ مگر چونکہ نسبتاً بہت اچھی تھی اوس کی چڑھائی میں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوئی قسطنطنیہ میں ہم نے جس قدر چیزیں دیکھی ہیں۔ اون سب سے یہہ پرانی فصیلیں تاریخ عالم کی واقعی اور سچی یادگاریں ہونیکی وجہ سے زیادہ عرصہ تک ہمیں یاد رہینگی۔ بائی زنطین کا پرانا شہر گوشہ محلسرا اور اوس کے ہمراہ زمین ہے جو گوشہ مذکور کے عقب میں ہے زیادہ رقبہ آباد نہ تھا تقریباً استنبول کی موجودہ حدود تک قسطنطین نے ہی بڑھایا تھا۔ اور اوسی نے اوس کے گرد یہہ شہر پناہ اور فصیلیں بنائی تھیں جنکو گرد ہم نے چکر لگایا تھا اور جنکو قیاصرہ مابعد درست اور مرمت کراتے رہے تھے۔ ہون۔ ایرانی۔ اور صلیبی مجاہدین نے اِن دیواروں پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا۔ اور مغلوب یونانیوں نے اِسے لاطینیوں سے صرف اِسلئے پھر فتح کیا کہ دو سو برس بعد غنائم ترک اون کو ہمیشہ کے لئے اوس سے خارج کردیں۔ یہہ تمام واقعات ان دیواروں پر جو بتدریج معدوم ہوتی جارہی ہیں۔ کیونکہ ترک جانتے ہیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے جنگ جدال میں محافظت کا کوئی کام نہیں دے سکتیں

اپنے اپنے نشان پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اون کے گرداگرد پھرنے والے کی نظروں میں اس عظیم الشان شہر کی قسمت اور ہلال کے سامنے صلیب کے مغلوب ہونیکا واقع فی الفور پھر جاتا ہے۔ اللہ اکبر جن دروازوں اور برجوں نے ایسے ایسے جانگداز منظر کے دیکھے ہیں اونکی پیشانی پر اب یہ حکم ثبت ہے کہ اون میں سے ہر ایک "باہن امان" آہستہ آہستہ معدوم ہوجائیگا" جہاڑیاں بیلیں۔ پودے اور درخت زمانہ اور جنگ وقتال کے ڈالے ہوئے تنکاؤں کو چھپائے ہوئے ہیں اور اون کو دیکھنے والا آہ سرد بھر کہتا ہوا گھر کو واپس لوٹتا ہے کہ ایسا عبرت بخش اور سامنہ ہی دلاویز منظر دنیا میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔

(۱۰) باسفرس کے کنارہ پر جلسے اور دعوتیں

باسفرس پر جلسہ کا نام ہی کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسی دعوت کا مزہ۔ خوبصورتی اور کیفیت کا صحیح اندازہ کچھ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے باسفرس کو دیکھا ہو۔ ۹ رجون ہمارے بیٹے کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس تقریب پر ہم نے اون میں سے بعض کو جو اوسکی اقامت قسطنطنیہ میں اوس پر بہت مہربان رہے تھے شہر سے باہر دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ ہمارے رفیق شفیق صادق نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اور بڑی سرگرمی سے اوسکی تکمیل کے درپے ہوگیا۔ ہم نے دعوت کے لئے جزائر شاہزادگان کے جو خوبصورت جزائر قسطنطنیہ سے جھلملی سے دکھائی دیتے ہیں سب سے بڑے جزیرہ پرین کا پو کو تجویز کیا۔ جس پر وہ فی الفور پکار اٹھا کہ میں وہاں جانیکو لئے سلطان المعظم کی دخانی کشتیوں میں سے ایک کا انتظام کر لونگا۔ کہانے کا انتظام کرنے کا ذمہ انگریزی سفارت کی متہم نے لیا۔ اور اپنے کام کو قابل تعریف طور پر پورا کیا۔ ہم اپنے دوستوں کو مدعو اور کل انتظام مکمل کر چکے تھے کہ صادق بک نے آکر کہا کہ سلطان المعظم جن کو چھوٹے بڑے ہر معاملہ کی جو ہوا ہو خبر ہوتی ہے نہیں چاہتے کہ ہم دخانی کشتی پر سواری کریں۔ کیونکہ اسی سال کو شروع ہوئے ایک افسوسناک سانحہ گذرا تھا جس میں دخانی کشتی مع کل طلائی ظروف کے جو اوس پر تھے غرق ہوگئی تھی۔ اسکے عوض حضور ممدوح دو دوس چپوں کی قائقیں اور باسفرس کو شکوں میں سے وہ محل ہمارے سپرد کرنے کو تیار ہیں جو قندیلی سے تھوڑا سا اوپر ایشیا کے آب شیریں کے دہانہ پر قلعہ وسیلی حصار کے مقابل باسفرس کے تنگ ترین موقع پر ہے۔ عام خیال ہے کہ کنجیر شاہ ایران نے اسی موقعہ سے جو خوبصورت باسفرس کا خوبصورت ترین مقام ہے عبور کیا تھا۔ ہمیں کہلا بھیجا ان کی دعوت اور

پرین کا پوکے جنگلات صنوبر میں سیر گشت کو ترک کرنا گوارا نہ تھا۔ مگر سلطان المعظم کی انعام شاہانہ کو بکمال شکر گذاری قبول کرنیکے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ہم اپنے اپنے مہمانوں کو توپخانہ عامرہ کی گھاٹ پر جہاں دو نہایت خوبصورت اور پر تکلف آراستہ قایقیں ہمارے لئے تیار کھڑی تھیں جا ملے۔ ہر ایک قایق پر دس دس قایقچی تھے۔ سب کی شلواریں بڑی گھیرے دار سفید ڈنگ کی تھیں۔ اور جاکٹیں بھی سفید رنگ کی بدوضع کے ریشمی کپڑے کی تھیں جنکی حاشیوں پر سنہری لیس ٹنکی ہوئی تھی۔ یہ بتانے کی تو کوئی ضرورت نہیں کہ سب کے سر پر فس تھیں۔ ہماری پارٹی میں کئی ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ مگر آپس میں گفتگو انگریزی میں ہی ہوتی تھی۔ دس چپو کشتیوں کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جاتے تھے۔ پہلے دولمہ باغچہ کے سفید مرمری طویل اگارہ کے سامنے سے اور پھر چراغاں کے مربع شکل محل کے پاس سے گذرے۔ اسی محل میں عبدالعزیز مرحوم نے اس دنیا کو الوداع کہا تھا۔ اب اوس میں سلطان المعظم کا بڑا بھائی اور متقدم مراد (خامس) رہتا ہے جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر شراب پیتا ہے جو آخر ایک دن اوسکی جان لیکر رہے گی۔ اس محل کے گرد ہر وقت بیشمار سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے۔ کسی کشتی کو محل کے بہت نزدیک ہو کر گذرنے کی اجازت نہیں۔ کسی سے ایسی غلطی ہوئی اور سنتریوں نے جھٹ اوس پر بندوقیں سر کیں۔ پہلے صرف ڈرانے اور متنبہ کرنیکے لئے اون کو ہوا میں سر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی گولی کے اوپر سے اگر کشتی میں گرنے کا احتمال برابر رہتا ہے۔ چراغاں کے بعد بگل بک کا بے نظیر محل آیا۔ یہ بسفرس کے تمام محلوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اسے عبدالعزیز مرحوم نے تعمیر کرایا تھا۔ بعد ازاں دریا کی شیطانی دھارے سے جو ایشیائی ساحل کی ایک اس کے گرداگرد بڑے زور سے بہتی ہے داد اسی لئے اوسکا یہ نام کہا گیا ہے) مردانہ مقابلہ کے بعد گذر کر قندیلی میں اور دوستوں کو ہمراہ لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھہرے اور ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ عرصہ میں خوبصورت سلطانی کو ٹک میں جو خالص سفید سنگ مرمر کی ہے پہونچ گئے۔ اس کوشک کو سلطان عبدالمجید کی والدہ ماجدہ نے جو ۱۸۳۹ء سے ۱۸۶۱ء تک حکمران رہا تعمیر کرایا تھا۔ نوکروں کو جو ایک اور بڑے قایق میں کھانے کا سامان لائے تھے دوپہر کا کھانا تیار کرنے پر لگا کر ہم کوشک کے کمروں کی سیر کرنے لگ گئے۔ ہر منزل میں چار کمرے ہیں۔ ان کے علاوہ وسط عمارت میں خوبصورت عالیشان ایوان ہے۔ اونچلی منزل میں خدام کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ تمام کمرے کمال شان و شوکت کے ساتھ آراستہ ہیں۔ میزیں اور کرسیاں بہت

خوبصورت ہیں اور اون پر نبت کاری کی ہوئی ہے۔ الماریاں بھی قیمتی ہیں اور دیگر چیزیں بھی بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں۔ قالین کہیں نہیں۔ مگر فرشوں پر رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری۔ اور اوپر سے اون کو خوب پالش کیا ہوا ہے۔ محل کی تمام دیواریں ہی سنگ مرمر کی نہیں۔ بلکہ باغ کی دیواریں بھی اسی پتھر کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے وسط میں بڑا پھاٹک ہے۔ یہ دروازے بھی مرمر کے ہیں اور اون پر کندہ کاری کی ہوئی ہے۔ باغ خوب آراستہ پیراستہ ہے۔ نپولین سوم (شہنشاہ فرانس) کی ملکہ یوجینی اسی محل میں اتارا گیا تھا۔ اور اسکی خاطر اسکی خاص اہتمام سے آرائش کیگئی تھی۔ یہاں آکر ہم سب کی یہی رائے ہوئی کہ ٹرکی میں پکنک (کھلے میدان کی دعوت) کرنیکے لئے پرین کا پوکے کشادہ مرغزار کی نسبت یہہ مقام زیادہ موزون ہے۔ کہانا سب سے بڑے کمرے کی بیش قیمت منقش میز پر جو سارے کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی چنا گیا۔ اس طرح کی کئی شاہی کوٹھیاں باسفرس کے کناروں پر سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہیں۔ سلطان المعظم ان میں وقتاً فوقتاً اپنے بادشاہ اور دیگر معزز مہمانوں کو اتارا کرتے ہیں۔ اسی لئے جیسا کہ ہم نے اس کوٹھی کو پایا ہر وقت صاف ستھری اور تیار رکھی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت محل بگلر بیگ ہے جس میں اکثر ممالک غیر کے فرمانروا فروکش رہ چکے ہیں۔ کہانے سے فارغ ہونیکے بعد ہمارے نوعمر مہمانوں نے محل سے باہر گانے کی آواز سن کر گانے والے کو اندر بلانے کا تقاضا کیا۔ وہ ایک اطالین تھا اور ایک آرگن (ارغنوان) بھی اوس کے ساتھ تھا۔ اوس کے آنے پر خوب پالش کئے ہوئے اور چمکیلے فرش پر ناچ شروع ہوگیا۔ صادق بک جس نے برلن میں تربیت پائی تھی۔ ناچ کا بہت شتاق اور اوس میں خوب ماہر ثابت ہوا۔ دریں ولا ہم میں سے چند خوبصورت مرمریں فوارہ کو دیکھنے چلے گئے۔ اوس پر بیل بوٹے کا نہایت نفیس کام ہے۔ اور کئی کتبے کندہ ہیں۔ وہ محل کی چار دیواری سے باہر ایک لمبے ہموار گھاس کے تختہ کے کندہ پر جس کے گرداگرد شمشاد اور صنوبر کے پیڑ ہیں واقع ہے۔ یہہ تختہ گیاہ گوق صو (آب نیلگوں) کے کنارہ تک چلا گیا ہے۔ گوق صو کا مشہور نام "ایشیا کا آب شیریں" ہے۔ افسوس اوس دن جمعہ نہ تھا۔ گرمی کی موسم میں جمعہ کے دن اس سرسبز وادی پر ترکی مخدرات کے جھرمٹ کے جھرمٹ لگے ہوتے ہیں۔ جو اپنی اپنی قالیقوں پر بیٹھی ہوئی قہوہ اور سگرٹ پیتی رہتی ہیں۔ ناچ کے بعد ہم قالیقوں پر بیٹھ کر (دریا) آب شیریں کے راستہ عربوں کا عجیب وغریب جلوس دیکھنے کے لئے جو سہ پہر کو وقت وہاں کے پبلک (ایسی جگہ جو عوام کی تفریح کے لئے ہو) باغ میں

کایا جاتا ہے "متبرک چاہ" یعنی آبِ زمزم کو گئے۔ وادی کو ق صورت ایسی خوبصورت نہ پائی گئی جیسی کہ ہم کو توقع تھی۔ انگلستان کے اکثر چھوٹے چھوٹے دریاؤں کی سیری اور فضا سے اوسکی سیری کچھ زیادہ دلفریب نہ تھی۔ گو چند ترکی شعرا نے اوسکی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے ہوئے ہیں۔

چاہ متبرک کے قریب پہونچکر ہم ایک مکان کے پاس خشکی پر اُتر آئے۔ وہ ایک قسم کا قہوہ خانہ سا ہے۔ اور اوسکی کرسی دریا کے کنارہ سے تقریباً عمودی اُٹھی ہوئی ہے۔ فوراً کرسیاں لائی گئیں اور ہم گویوں کے سامنے ایک لمبی قطار میں بیٹھ گئے۔ اون کا گانا بجانا کچھ خوشگوار نہ تھا۔ اور وحشیانہ قسم کا تھا۔ وہ ساز بھی رکھتے تھے اور زبانی بھی گاتے تھے۔ اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی عربی شعر پڑھتے جاتے تھے۔ اون کی آوازیں کرخت نہیں۔ اور اون ترکی گویوں کی آوازوں سے جنکا گانا میرے خاوند نے یلدز کوشک میں سنا تھا کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ ہمارے عقب میں ایک سخت ڈھالدار ٹیلے کی چوٹی پر ایک بلند جالیدار مکان تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ترکی خاتونیں اسکے پیچھے بیٹھکر راگ سنتی ہیں۔ قہوہ نوشی کرنیکے بعد میں نے اون خاتونوں سے ملاقات کرنیکی خواہش ظاہر کی جس پر ہماری جماعت کی لیڈیوں میں سے ایک جو ترکی بول سکتی تھی میرے ساتھ چلنے پر تیار ہوگئی ٹیلہ پر چڑھکر ہمیں ایک اونچا جالی دار پھاٹک ملا جسکو کھول کر ہم ایک لمبی گیلری (برآمدہ) میں جسکے گرداگرد سب طرف جالی لگی ہوئی تھی داخل ہوگئیں۔ ان کے پیچھے بیٹھنے والیوں پر گو باہر سے نظر نہیں پڑتی۔ مگر جو کچھ نیچے ہو رہا ہو اوسکو وہ بخوبی سن اور دیکھ سکتی ہیں۔ ہماری جماعت کو محل ہمایون کے ایک ایڈ کانگ نے ہمراہ آتا دیکھکر ان بیگمات کو ہمارا حال معلوم کرنیکا بڑا اشتیاق ہوگیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب ہم پہونچیں تو ہم سے جماعت کے مختلف افراد در زرق برق کی پوشاک پہنے ہوئے نوجوان لڑکیوں۔ نوجوان مردوں اور پیرانہ سالوں کے متعلق کئی سوال کئے گئے۔ ایک نہایت ہی خوبصورت خاتون نے جس سے ہم نے بات چیت کی ہمارے کہا (یعنی بے نقاب چہروں پر) بڑا رشک ظاہر کیا۔ اوس نے کہا کہ میرا شبہ تک کو بہت باریک ہے دوہ فی الواقع نہایت ہی نفیس اور باریک ململ کا تھا) تاہم منہ اور ناک کو اوس سے ڈھانپنے سے سخت گرمی ہوتی ہے۔ اوس دن سخت گرمی تھی اور خاتون موصوف نے اوسوقت کیونکہ وہ جالی کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اپنے نقاب کو کھسکا کر نیچے کر دیا ہوا تھا۔ ان خاتونوں میں سے کسی نے بھی ہماری آزادی پر اچنبھا ظاہر نہ کیا۔ نہ یہ آزادی اون کو بری معلوم ہوئی۔ بلکہ ایک طرح سے اون کو

اس پر رشک آتا تھا۔ اور اون کے چہروں سے واضح ہو رہا تھا کہ ہماری اس ملاقات سے اون کو بہت ہی خوشی ہوئی تھی۔

جب شام کا وقت قریب ہو گیا۔ تو صادق بک نے چلنے پر اصرار کرنا شروع کیا۔ اوسنے کہا کہ تھوڑی دیر میں دوسرے لوگ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی قایقوں پر جو کناروں کے ساتھ بندھی ہیں سوار ہو جائیں گے اور اوسوقت اونکی اس قدر بھیڑ ہو جائیگی کہ نالہ میں جسکا پاٹ بہت چھوٹا ہے۔ ہماری کشتیوں کا جو بڑی اور لمبی ہیں گذرنا محال ہو جائیگا۔ ہمارا دل تو ابھی چلنے کو نہیں چاہتا تھا۔ مگر وجہ معقول تھی۔ گو ق صوبے نکل آنے پر باسفرس میں ہمارا سفر بہت جلد طے ہو گیا۔ کیونکہ واپسی کے وقت اوس کا دھارا بھی اسی رخ تھا۔ راستہ میں "پلکوان" پرندوں کے بیشمار جھنڈ ہمارے پاس سے گذرے۔ یہ چھوٹے سے سیاہ رنگ کے جانور ہیں۔ جو ابابیلوں کی طرح) ہر وقت اڑتے رہتے ہیں۔ اور پانی کی سطح کے متصل باسفرس میں اوپر نیچے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اون کو کبھی شخص نے ایک لحظ کے لئے بھی خشکی یا پانی پر بیٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اس مسلسل حرکت کی وجہ سے اون کا نام "راہ گم کردہ ارواح" پڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غالباً اون سیاہ چٹانوں پر بسیرا کر لیتے ہیں جو بحیرہ اسود کے دہانہ پر ہیں۔ ہم بہت ہی جلد تو پخانہ کی گھاٹ پر پہونچ گئے۔ جہاں سے ہم اپنے مہمانوں سے جدا ہو گئے اور اوس دن کی خوشگوار سیر و تفریح اختتام کو پہونچ گئی۔

ہماری دوسری پکنک کا مقام پہلی کے مقام سے بالکل مختلف تھا جب سفرا[1] تہرا پیا کو گئے تھے تو ہم بھی اوسی محلہ میں جاکر وہاں کے ایک ہوٹل میں فروکش ہو گئے تھے۔ جولائی کے شروع میں قائم مقام انگریزی سفیر نے (اصل سفیر رخصت پر گئے ہوئے تھے) تجویز کی کہ بندوں پر پکنک کا جلسہ کیا جائے۔ یہ بند جو بلغراد کے سبزہ زار میں باغچہ کوئی کے قریب ہیں عظیم الوسعت تالاب ہیں جن میں اہالی قسطنطنیہ کے استعمال کے لئے موسم سرما کی بارشوں کا پانی جمع کیا جاتا ہے۔ جن بندوں پر ہم نے پکنک کی تجویز کی تھی۔ وہ سلطان محمد بند اور والدہ بند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور دو گھاٹیوں کے موہانہ میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی مضبوط دیواریں تعمیر کر کے بنائی گئے ہیں۔ اونکی چاروں طرف بلوط۔ صنوبر شمشاد

---

[1] جیسا کہ لیڈی صاحبہ پہلے بتا آئی ہیں۔ سفرا ممالک غیر گرمیوں میں محلہ تیرا سے تہرا پیا میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں باسفرس کے کناروں پر بھی اون کے لئے محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

بید مجنوں اور سرو وغیرہ مختلف قسم کے درخت موجود ہیں اور انہی درختوں کے جنگلوں کی باغبانی نگرانی اور خبر گیری پہ پانی کا ذخیرہ منحصر ہے۔ اس جلسہ کے شرکا انگریزی اور جرمن سفارتوں کے عہدہ دار اور ہم میاں بیوی ہے۔ اکثر مرد زین سوار تھے۔ باقی دیسی گاڑیوں پہ جو ارابہ کہلاتی ہیں سوار ہوئی۔ ہر ایک ارابہ کے اندر چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ سایہ کے لئے اوپہ ایک طرح کا سائبان سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ اون گاڑیوں میں کمانی نام کو نہیں ہوتی۔ خراب سڑک پہ سواریوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو سڑک منبدوں کو جاتی ہے وہ بہت اچھی ہے۔ یہہ سڑک باسفرس کے کنارہ کنارہ جاکر قرح بورنو کے پاس سے جہاں صنوبر کے چند شاندار درختوں کے جھنڈ میں ایک متبرک کنواں یعنی ایازمہ ہے گذرتی ہے۔ اور پھر ہوک درہ سے کچھ ورے یکبارگی بائیں ہاتھ کو خشکی کی طرف مڑکر "وادی کلاں" کے کنارہ کنارہ جوادنی اعلیٰ کل جماعتوں کی ترکی مستورات کی عام تفرج گاہ ہے چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ موسم صاف اور مطلع ابر آلود یا مکدر نہ ہو۔ یہہ پہر کے وقت یہہ وادی اول سے آخر تک چکدار قالینوں سے پہری ہوتی ہے جو شمشاد کے بڑے بڑے درختوں کے نیچے بچھے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک پر پانچ پانچ چھ چھ یا اس سے کم و بیش عورتوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو تخمیناً بیس ایک ارابوں اور گاڑیوں کی لمبی قطار راستہ میں ملی۔ ان گاڑیوں میں سفید بیل جتے ہوئے تھے۔ اور اون کے اندر برقع پوش مستورات بیٹھی ہوئی تھیں جو سارا دن اس وادی میں بسر کر کے بعد اپنے اپنے قالینوں کو لپیٹ کر اپنے ساتھہ گاڑیوں میں رکھہ کر گھروں کو واپس جا رہی تھیں۔ اون کے گذر جانے پر ہمیں بتایا گیا کہ یہہ برا تنیں تھیں۔ وہ تھرا پیا میں سے کوئی کو جو باسفرس کے کنارہ پہ تھرا پیا کے بعد دوسرا موضع ہے چلی جا رہی تھیں۔ ابھی یہہ گاڑیاں تھرا پیا میں ہی تھیں کہ بیوقت ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور گاڑیبان اپنے سست رفتار بیلوں کو جلد جلد چلانے کے لئے عجب شور و غل اور جد و جہد کر رہے تھے۔ کیونکہ ترکی عورتوں کیلئے لازمی ہے کہ وہ سورج غروب ہونے کے وقت گھر پہونچ جائیں۔ یہہ لمبی قطار اوس موڑ سے جو نبی کوئی کو تھرا پیا سے اوجھل کئے ہوئے تھی ابھی ساری نہیں گذری تھی کہ تقریباً پوری تاریکی پڑ گئی۔ گاڑیوں پہ لالٹینیں روشن کر دیگئیں۔ اور سواریوں نے چھوٹے پٹکھے اور گوے چلانے شروع کر دیئے جن سے یہہ مکمل قافلہ بتدریج ٹڑپتی ہوئی تاریکی میں بڑے بڑے

سہ لیڈی ہاجہ غالباً اس طبعی سلسلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

کر کہا ہے شب تاب کے جلوس کے مشابہ ہو گیا۔ گربیل اپنی وہی ٹیڑھے چال چلتے رہے۔ اون کو اپنے ہانکنے والوں کی چابکوں اور ہائے پکار کی کوئی پروا نہ تھی۔

وادی کلاں میں موڑ سے کچھ اوپر شمشاد کے دو بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں جنکے تنے بالکل کہو کہلے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تنا اتنا بڑا ہے کہ اوس میں ایک خاصہ اچھا کمرہ بنا ہوا ہے۔ چوقہوہ خانہ کا کام دیتا ہے۔ ترکی بیگمات وادی میں اپنے قالینوں پر بیٹھی ہوئیں یہیں سے سارا دن قہوہ منگوا کر پیتی رہتی ہیں۔ عام خیال ہے کہ یہہ درخت گاڈفری[1] بوالان کے وقت کے ہیں تخمیناً تین میل تک سڑک کے کنارہ کنارہ وادی کلاں میں سے محمود اول کی مستف نہر گذرتی ہے۔ یہہ نہر اون بندوں سے جہاں ہم جا رہے تھے۔ پیرا اور غلطہ کو پانی پہونچاتی ہے۔ اور ویسی ہی مضبوط اور خوشنما ہے جیسی کہ بائی زنطینی قیاصرہ کی تعمیر کردہ مستف نہریں۔ سڑک نہر کی ایک محراب کے نیچے سے گذر کر اوس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور وادی کلاں کے آخری سرے کے قریب پہونچکر دائیں طرف کو ہو جاتی ہے اور تھوڑی دور آگے جا کر ایک اور سڑک جو اس سے فراخ اور بہتر ہے بائیں طرف کو ہو کر پہاڑی کے نیچے موضع بلغراد کو جاتی ہے لیڈی میری[2] ورٹلے مانٹیگو اس گاؤں کے جس مکان میں رہتی تھی وہ ابھی تک موجود ہے۔ بلغراد

---

[1] یہہ فرانس کے علاقہ بوالان کے سردار کونٹ بوسٹس کا بڑا بیٹا تھا۔ ۱۰۶۱ء میں پیدا اور ۱۱۰۰ء میں فوت ہوا۔ پہلی صلیبی لڑائی میں عیسائی فوج کے ایک دستہ عظیم کا کمانڈر تھا۔ اور فتح فلسطین بیت المقدس کے بعد وہاں کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ جنگ مذکور کے لئے وہ اپنی جایداد کو رہن کر کے ۱۰۹۶ء میں وطن مالوف سے روانہ ہوا تھا۔ مترجم

[2] یہہ لیڈی انگلستان کے امیر کبیر لارڈ لین پری پائمنٹ ارل آف ہیلی فاکس کی جو بعد میں ڈیوک ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اسے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلگئی تھی۔ اور لاطینی زبان میں اوس نے خود اپنی محنت سے خاصی مہارت پیدا کر لی تھی۔ ۱۷۱۲ء میں بائیس برس کی عمر میں وہ ایڈورڈ وورٹلی مانٹیگو چارلس مانٹیگو ارل آف ہالی فاکس کے چچازاد بھائی کے ساتھ بیاہی گئی اور بعد میں اوس سے شادی کر لی۔ اس شخص نے پارلیمنٹ میں بڑی نامور ی پیدا کی۔ وہ انگلستان کے مشہور نویسندہ ایڈیسن کا دوست تھا۔ ۱۷۱۶ء میں وہ دربار قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر کیا گیا۔ جہاں اوسکی بیوی بھی ساتھ گئی۔ قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں اس خاتون نے شہر مذکور کی تمدنی و لفریبی اور فضا پر اپنے دوستوں کو کئی دلچسپ خط لکھے۔ اسی جگہ اوسے معلوم ہوا کہ ٹرکی کے کسان چیچک کے انسداد کیلئے ایک طرح کا ٹیکا لگاتے ہیں۔ اوس نے وہی عمل اپنے لڑکے پر کیا۔ اور اس طرح اس طریقہ کو مشرقی یورپ میں رائج

کے قریب جو بند کلاں ہے وہ دراصل ایک چھوٹی قدرتی جھیل ہے جو چاروں طرف سے گھنے جنگلوں سے گھری ہوئی ہے۔ ہم نے اس بند کو بھی بعد میں جا کر دیکھا تھا۔ مگر وہ محمود اور والدہ بندوں کی طرح خوبصورت نہیں۔ نہ اونکی طرح بالکل مصنوعی ہے۔ گو اوس میں بھی پانی کے نکلنے اور نکالنے کے لئے ایک خوشنما دروازہ اور پہاڑک بنا ہوا ہے۔ ہم محمود بند کے پاس سے جو سخت گنجان جنگلوں میں چھپا ہوا ہے گذر کر والدہ بند سے تھوڑے سے فاصلہ پر گاڑیوں سے اُتر پڑے۔ اور چاء پینے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے لگ گئے۔ بند کے قریب قریب تمام عمدہ موقعوں پر ترکی خاتونوں کے جھرمٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ جن کو مردوں کی موجودگی سے پریشان خاطر نہ کرنے کے لئے ہم اپنا انگر کھنگر لئے ہوئے جنگلوں پر چڑھ گئے۔ اور تھوڑی دیر میں ہمیں ایک کشادہ گیاہ دار میدان مل گیا۔ جہاں ہم نے اپنا اسباب کھول دیا۔ لیکن ہمارے جرمن رفیق ابھی تک نہ پہونچے تھے۔ اور شیرینی وغیرہ کا سامان اون کے ذمہ تھا۔ پارٹی کے انگریزی ارکان نے تمام شروبات یکھن۔ روٹی اور میوہ جات کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ ہم میں سے چند گھوڑوں پر اونکی تلاش میں گئے اور اون کو بند کلاں کے کنارہ پر جا پایا۔ ہر فریق کو اوسی بند کی خبر تھی۔ جس جس کو وہ گئو تھے۔ یعنی ہمیں صرف والدہ بند کی اور جرمنوں کو صرف بند کلان کا علم تھا۔ چار بجے کے بعد ہم نے والدہ بند کی خوب سیر کی۔ اکثر ترکی خاتونیں اوسوقت تک رخصت ہو گئی تھیں جس سے ہم سب بآسانی اِدھر اُدھر گشت کر سکتے تھے جس جنگل میں بیٹھ کر ہم نے کھانا وغیرہ تناول کیا تھا اوسکی سطح بند کے پانی کی سطح اور اوس مضبوط سنگ مرمر کی دیوار کی چوٹی کے برابر تھی جو گہائی کے ایک سرے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰ - کرنے کا باعث ہوئی ۱۷۱۵ء کے آخیر میں انگلستان واپس آکر نصب ٹو کین ہم میں سکونت پذیر ہوئی۔ وہاں اوسکی مشہور شاعر پوپ کے ساتھ گہری آشنائی ہو گئی۔ مگر بعد میں بگاڑ ہو گیا۔ اور شاعر مذکور نے اپنی معشوقہ کے چال چلن اور لیاقت پر کئی ہجو آمیز غزلیں لکھیں جنکی بدولت اوس پیارا لہ عشقیت عرفی کا دعوٰی کیا گیا۔ لیکن اوسوقت اوس نے کمال نامردی سے ان غزلوں کا مصنف ہونے سے انکار کر دیا ۱۷۳۷ء میں کسی وجہ سے جو درست معلوم نہیں ہوسکی لیڈی موصوف اپنے خاوند سے جدا ہو کر اٹلی کو چلی گئی اور ۱۷۶۱ء تک وہاں کے مختلف شہروں میں رہائش رکھ کر انگلستان واپس آئی جہاں ۱۷۶۲ء کو فوت ہو گئی۔ وہ ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوئی تھی۔ اوسکا لڑکا ایڈورڈ ٹیگو بھی عجب نالائق تھا بچپن میں دو دفعہ گھر سے بھاگ کر پہلی دفعہ لندن میں ایک ہنگامی گداگر بنا گیا اور دوسری مرتبہ سپاہیوں میں جا کر خچر بانی کرتا رہا۔ اور آخر جوان ہو کر ٹرکی چلا گیا اور وہاں ترکوں کے اوضاع واطوار اختیار کر لئے۔ یہ ۱۷۱۳ء میں انگلستان میں پیدا اور ۱۷۷۶ء میں فوت ہوا۔ مترجم

پر بنی ہوئی ہے اور پانی کو روکے تھامے ہے۔ ہم دیوار مذکور کی چوٹی چوٹی چلتے پھرتے رہے۔ دیوار کا ہیکل ہے۔ خاصہ پل معلوم ہوتی ہے۔ دونوں طرف سنگ مرمر کی فصیل بنی ہوئی ہے اور اکثر جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر دیوار کی ابتدائی تعمیر اور مابعد کی مرمتوں کی کیفیت کندہ ہے۔ دیوار کی چوٹی اس قدر چوڑی ہے کہ تین گاڑیاں آسانی کے ساتھ دوش بدوش چل سکتی ہیں۔ ہم اوس راستہ پر جو بند کے کنارہ کے جنگل میں ہے کچھ دور آگے بڑھے گئے۔ اور واپسی کے وقت وادی سے نیچے جاکر دیوار کے دامن تک پہونچ گئے۔ وہ کم از کم ساٹھ فیٹ بلند اور سفید مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں سے بنی ہوئی ہے۔ موسم بہار میں بارشوں اور برفوں کے پگلنے کے بعد بند بالکل بھر جاتا ہے۔ اور پانی تقریباً دیوار کی چوٹی تک بلند ہو جاتا ہے۔ ہم نے اوسے شروع جولائی میں دیکھا۔ اس وقت پانی چوٹی سے کئی فیٹ نیچے تھا۔ یہہ بند نہایت ہی خوبصورت اور دلکش ہیں۔ انہیں دیکھکر انسان حیران رہجاتا ہے کہ کیا مصنوعی چیزیں بھی ایسی خوبصورت ہوسکتی ہیں؟ اونکی دلفریبی کا بڑا باعث وہ جنگلات ہیں جو اون کے چاروں طرف موجود ہیں اور مختلف اقسام کے بے تعداد درخت اون میں کھڑے ہیں۔ ہمیں ان جنگلوں کی مشبت اوپر کہہ آئی ہوں کہ لازمی طور پر اونکی کمال نگہداشت اور متواتر حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں شام تک وہاں نہ ٹھہر سکنے کا بہت رنج تھا۔ مگر مجبوری تھی ٹرکی میں شفق بہت قلیل العرصہ ہوتی ہے اور گھروں تک فاصلہ بہت بڑا تھا۔ واپسی کے وقت جرمن سفارت کے ایک سکرٹری کا گھوڑا تہرا پیا کے ناگفتہ بہ فرش سے پھسل پڑا اور سوار کو خاصی چوٹ آئی جس سے اوسے کئی دن صاحب فراش ہونا پڑا۔ اور یہ سیر جس سے اور سب طرح طبیعت بہت محظوظ ہوئی تھی اوسے عرصہ دراز تک بُری طرح یاد آتی رہی۔

(۱۱) دربار قربان بیرام

ایک دن صادق بک نے ہمیں کہا کہ یہہ تو ظاہر ہے کہ تم قربان بیرام (عید الضحی) کا دربار ضرور دیکھو گے۔ تمہارا سفیر تمہیں اوس میں نہیں لیجا سکتا۔ مگر بحیثیت مہمانان سلطانی اس بات کا آسانی کے ساتھ انتظام ہوسکتا ہے۔" پیرا سے تہرا پیا کو آنے سے پہلے ہی کئی دنوں سے ہم لوگوں کے بانداروں میں ادہر اودہر دنبے اور مینڈھے لیجاتے دیکھتے رہے تھے۔ ان میں سے بعض خوب موٹے

تازہ ہوتے تھے۔ یہہ قربان بیرام کی قربانیوں کے لئے بیچے جارہے تھے۔ اِس دن تمام اسلامی دنیا میں خوشی منائی جاتی ہے۔ اور یہہ تیوہار بارھویں قمری مہینے کے دسویں دن کو ہوتا ہے جب ہم قسطنطنیہ میں تھے۔ اوس سال ۴ ۱ر جون کو یہہ عید ہوئی تھی۔ ہر ایک کنبے کے مالک کو خاندان کے آدمیوں کے لحاظ سے ایک یا زیادہ مینڈھے قربانی کرنے پڑتے ہیں۔ مالک کے لئے یہہ بھی لازمی ہے کہ نماز عید کے بعد اون کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ بعد ازاں کچھ حصہ غربا میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اور باقی گھر میں کھایا جاتا ہے۔ یہہ تیوہار اسحاق[1] کی قربانی کی یادگار میں ہے۔ چونکہ یہہ دربار صبح کے وقت بہت سویرے منعقد ہوتا ہے ہم نے سونے کا انتظام پیرا میں کیا (تاکہ دور سے نہ آنا پڑے) ساڑھے آٹھ بجے بعد دوپہر یعنی غروب آفتاب کیوقت ایک بڑی توپ اس امر کی علامت میں چلائی گئی کہ تیوہار شروع ہوگیا ہے۔ اوسی وقت سے گھنٹوں اور توپوں کا شور وغل۔ اور راگ رنگ شروع ہوگیا جو ساری رات ختم نہ ہوا ہم سویرے ہی لیٹ گئے۔ مگر شور وغل سے سو نہ سکے۔ ساری رات توپیں اور آتشبازیاں چلتی اور گھنٹیاں بجتی رہیں۔ اور کتے اِس غیر معمولی بے آرامی سے بلا وقفہ تمام رات چلاتے رہے۔ دو بجے بعد نیم شب کیوقت مختلف جمنٹیں اوس سڑک پر جس کے راستہ سلطان المعظم نے بلذیہ سے باہر برآمد ہوکر دولمہ باغچہ میں رونق افروز ہونا تھا صف بستہ کھڑا ہونیکے لئے ہوٹل کے پاس سے گذرنی شروع ہوگئیں۔ ہر ایک جمنٹ کے آگے آگے اوس کا بینڈ بجتا جاتا تھا۔ اور چونکہ بازاروں میں رات کو روشنی نہیں ہوتی سینکڑوں آدمی لالٹینیں لئے ہمراہ ہوتے ہیں جب یہہ لالٹین بردار پہاڑی پر چڑھ کر میرے کمرہ کے دریچوں کے پاس سے گذرتے تھے تو اونکی لالٹینیں جگنوؤں کی طرح چمکتی دکھائی دیتی تھیں۔ ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم ساڑھے پانچ بجے گاڑی پر سوار ہوگئے اور گرینڈ رود (جادہ کبیر۔ کلاں سڑک) کے راستہ جرمن سفارت کے پاس سے گذر کر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے جہاں سے چند منٹ بعد عین محل کے پائین میں پہونچگئے۔ اوس دن موسم نہایت صاف تھا اور باوجود اس قدر سویرا ہونیکو گرمی ایسی سے محسوس ہونے لگ گئی تھی۔ ہمارا صادق دوست صادق بک

[1] چونکہ عیسائی کتابوں میں حضرت اسمٰعیل کے بجائے حضرت اسحاق کا نام ہے۔ اسی لئے لیڈی صاحبہ نے بھی حضرت اسحاق کا نام لکھدیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بچہ بچہ یہی جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کی قربانی دینے لگے تھے۔ مترجم

اپنی سب سے بیش قیمت وردی پہنے اور تمغے لگائے ہوئے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ہمیں فی الفور سفراء کے آرام کرنے کے کمرہ میں جو بسرعت تمام پر ہوتا جارہا تھا لے گیا۔ اوس میں ہم ہی صرف ایسے شخص تھے جنکا کسی سفارت سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے بعد میں سُنا کہ ہماری اس خوش نصیبی پر دیگر انگریز سیاحین کو جو اوسوقت پیرامیں فروکش تھے سخت رشک ہوا تھا۔ سات بجے سے بعد دوم سیر تشریفات (ماسٹر آف سیرمونیز) ہم سب کو بلانے کے لئے آیا۔ جس پر ہم لوگ جھٹ پٹ کمرہ سے نکلکر باغ میں ہوکر وردی گذرتے ہوئے بیشمار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک لمبی گیلری میں جو دُنیا کے عظیم ترین دربار[1] ہی ایوان کی ایک طرف بنی ہوئی ہے پہونچگئے۔ باغ سے گذرتے وقت ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان المعظم محل میں رونق افروز ہو گئے ہوئے ہیں۔ اور کہ ہم دربار بیرام کے سب سے شاندار نظارہ کو دیکھنے سے محروم رہے ہیں۔ جلالت مآب نقرہ گھوڑے پر جسکا کل سامان مرصع ہوتا ہے سوار ہوکر محل میں داخل ہوتے ہیں اور کل درباری جن کے گھوڑے اور اون گھوڑوں کا ساز و سامان بھی قابل دید ہوتا ہے حضور ممدوح کے جلو میں ہوتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کو جو سفراء کے کمرہ میں تھے سلطان کے ورود کا نظارہ اسلئے نہیں کرنے دیا گیا تھا کہ سلطان المعظم گھوڑے سے اُترتے ہی قربانی کا دنبہ ذبح کرتے ہیں۔ اور یہ رسم ہے کہ کوئی کافر قربانی کو نہ دیکھنے پائے۔ اس دنبہ کو جو انگورہ کی نسل کا قد آور جانور تھا اور اوسکی اون برف ایسی شفاف تھی۔ گذرتے وقت ہم نے اون سٹیر ہیو کے دامن میں ہیجان پڑا ہوا پایا جنکو راستہ سلطان المعظم اپنے کمروں میں تشریف لیگئے تھے۔

گیلری میں پہونچنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایوان کے فرش سے اس قدر بلند اور خود ایوان اس قدر وسیع ہے کہ جو لوگ نیچے کھڑے ہوں اون کے خط و خال کی بمشکل تمیز ہوسکتی ہے چند خادموں کے سوائے جو اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ ایوان میں اُسوقت اور کوئی شخص نہ تھا۔ اور تخت شاہی کے سوائے (جو بڑی آرام کرسی کی شکل کا تھا اور اوس کے آگے پاؤں رکھنے کا موڈھا رکھا ہوا تھا۔ اور دونوں طلائی مخمل سے منڈھے ہوئے تھے) کل ایوان خالی تھا۔ تخت کمرہ کے بالائی سرے میں تھا۔ اور اوسکا رخ کمرہ میں داخل ہونیکے بڑے پھاٹکوں کی طرف تھا۔ ان دروازوں پر چھوٹی سی گیلری ہے۔ اوس میں مینڈیٹ کا طائفہ بیٹھا ہوا تھا۔ جو دربار کے شروع ہونے تک دلفریب نغمہ سرائی کرتا رہا۔

---

[1] واقعہ یہ ہے کہ اس ایوان کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ مترجم۔

جس گیلری میں ہم تھے وہ ایوان کے نصف طول سے زیادہ لمبی نہیں۔ پھر بھی وہ اس قدر بڑی ہے کہ اچھی خاصی کمرے کا کام دیسکتی ہے۔ خاتونیں سب سے آگے کٹھرہ کے ساتھ ساتھ بیٹھیں خیلیمین (مرد) اون کے پیچھے کھڑے ہوئے عقب میں بلند دریچوں کے نیچے ایک لمبی میز بچھی ہوئی تھی جس پر طلائی ظروف میں جملہ اقسام کی لطیف ولذیذ ماکولات ومشروبات چنے ہوئے تھے۔ ایوان بتدریج پر بھرنا شروع ہوگیا۔ اور چونکہ سلطنت کے ہر ایک شخص کو جو کرنیل یا کرنیل سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو عیدین کے دربار وں میں شریک ہونیکا حق حاصل ہے۔ شاندار وردی پوشوں کا بہت بڑا مجمع موجود ہوگیا یہ مربع کی تین ضلعے بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے صفوں میں کھڑے ہوگئے۔ ایوان کا وسط جو تخت کے بالمقابل تھا کھلا رہنے دیا گیا محل سلطانی کے ارکین ملازم درجہ بدرجہ تخت کے پیچھے لمبی صف میں کھڑے ہوئے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے۔ اور اکثر تمغے بھی لٹکائے ہوئے تھے۔ اون میں سب سے اول اعلیٰ خواجہ سرا کھڑا ہوا۔ دوم خواجہ سرا رجو بڑا لمبا اور دبلا پتلا آدمی تھا نیز میں نمبر پر اور سلطان کے دو دامادوں سے اوپر تھا۔ ایوان کی جو کچھ اوسوقت کیفیت تھی جبکہ سب لوگ داخل ہوچکے تھے اور سلطان المعظم کے رونق افروزی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ حد بیان سے باہر ہے اور اوس سے بڑھ کر شاندار نظارہ کا خیال کرنا مشکل ہے۔ ہر قسم کی وردی وہاں موجود تھی صحرائی عرب کے جبہ وعمامہ پوش عرب شیوخ۔ امام۔ علما، اور وزرا سب کے سب تمغوں سے جگمگا رہے تھے۔ میں نے صادق بک سے پوچھا کہ سلطان المعظم کی رونق افروزی میں اس قدر دیر کیوں ہوئی ہے۔ اب آٹھ کا عمل ہوگیا ہے۔ اوس نے جواب دیا حضور ممدوح بہت سویرے بیدار ہوکر نماز کے لئے تشریف لیجانے سے کسی قدر تھک جانیکے باعث سوگئے ہیں۔ اور یہہ کسی کی مجال نہیں کہ اونکی استراحت میں مخل ہو۔ آخر بیٹھنا موقوف ہوگیا اور وہ درمیانہ قامت باجلال شخص جسکا سب آنکھیں انتظار کر رہی تھیں۔ تخت کے قریب کے دروازہ سے ایوان میں برآمد ہوگیا۔ صرف اکیلا غازی عثمان امیر المومنین کے ساتھ تھے۔ وہ سادہ فوجی فراک کوٹ اور باقی کل شاندار مجمع کی طرح فس پہنے ہوئے تھے اور ایک خدا رسنہری قبضہ کی تلوار زیب کمر تھی۔ کوئی تمغہ یا نشان کسی طرح کا زیب تن نہ تھا۔ اون کے داخل ہوتے ہی ہر ایک شخص جو ایوان میں موجود تھا فرش تک جھک گیا اور جب تک وہ تخت پر نہ بیٹھ گئے اسی وضع میں رہا۔ عثمان غازی تخت سے دائیں طرف کھڑے ہوگئے سنہری حاشیہ کا ایک رومال اون کے دائیں بازو پر پڑا ہوا تھا جسکو مجمع کے اون لوگوں نے بوسہ دیا جو درجہ میں کم ہونیکی وجہ سے سلطان کو مس کرنیکا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔

جس وقت سلطان المعظم تخت پر متمکن ہوگئے تو دربار ہمایوں کا ملا آگے بڑھ کر حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ کھڑا ہوگیا اور وہیں آواز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اوس کے ساتھ ہی کل حاضرین نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اونچے کر لئے۔ جب وہ اس سے فارغ ہو کر پیچھے ہٹ گیا تو کمال خاموشی کے ساتھ آداب بجا آوری کی رسم شروع ہوگئی۔ دائیں طرف سے پاشا سلطان المعظم کے سامنے سے گذرنے شروع ہوئے۔ قریب پہونچکر وہ فرشی کو فرش بجالاتے اور رومال کو بوسہ دیتے۔ پھر گردنیں جھکائے ہوئے خلیفۃ المسلمین کے بائیں ہاتھ جاکر پیچھے کو ہٹ جاتے۔ اوپر پیچھے ہٹتے وقت بھی دائیں ہاتھ سے فرش دل اور پیشانی کو چھوتے ہوئے آداب بجالاتے۔ جو درباری قواعد سے مانوس تھے۔ وہ اس حرکت کو نہایت صفائی اور سلیقہ کے ساتھ عمل میں لائے۔ لیکن جو سجات کے اکثر پاشاؤں کو سخت مشکل پیش آئی۔ اونکی حرکات بہت ہی بھونڈی نہیں۔ ہر ایک تسلیمی حرکت کے بعد تھوڑا سا وقفہ کرنیکے بجائے وہ پے در پے بلا توقف سب حرکتیں ایک ساتھ کرتے رہے۔ اوپر پیچھے سے دوسروں کے آجانے پر سلطان المعظم کی نظر سے اوجھل ہوجانے پر بھی دیر تک یہی کئے جاتے رہے۔

جو پاشا سلطان المعظم کے ذاتی دوست تھے اون کو سلطان کے قدموں پر سر بسجود نہ ہونے دیا گیا۔ سلطان المعظم اون کو ہاتھ سے خفیف سا اشارہ کر دیتے تھے کہ وہ صرف نیچے جھکیں (قدموں پہ نہ گریں) ہمعمر رؤف پاشا کو جسکی ایک ٹانگ پلیونا میں ضایع ہوگئی تھی۔ ایسا ہوگیا ہوا تھا کہ اوسے سلطان کو سلام کرنیکے بعد کمرہ کا سارا عرض طے کر کے پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ سلام سے فارغ ہوتے ہی تخت کے پاس سے پیچھے کو ہٹ کر ایوان سے باہر چلا گیا۔ اوس کے سوا اور کوئی شخص باہر نہ گیا۔ دو باتوں کی طرف سب کو خاص توجہ ہوئی۔ دربار سے چند دن پہلے روسی سفیر بلغاری ایلچی سے نہایت نخوت اور غرور کے ساتھ پیش آیا تھا جس پر سلطان اعظم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایلچی مذکور دربار کے موقع پر شاہی خانوادہ اور محل ہمایون کے متعلقین کے ساتھ نیچے ایوان میں کھڑا ہوتا کہ سفرا کی گیلری میں اوسکی بے حرمتی ہونے کا احتمال نہ رہے۔ اس حکم کی تعمیل میں وہ شام کی سیاہ پوشاک پہنے نیچے کھڑا ہوا۔ اور اپنی پوشاک کی وجہ سے ارد گرد کی تمام رنگ برنگ کی وردیوں میں نہایت نمایاں ہو رہا تھا۔ دوسرا قابل غور واقعہ معزول خدیو اسمٰعیل کی باریابی تھی۔ وہ اوس وقت کسی رشتہ ناطہ کی وجہ سے جسپر وہ کرنا چاہتا تھا سخت معتوب ہو رہا تھا چنانچہ جب وہ پیر مرد سلطان المعظم کے سامنے ہوا تو حضور ممدوح کے چہرہ پر کوئی ایسی علامت نمودار نہ ہوئی جس سے پایا جائے کہ سلطان نے اوسے پہچانا ہے جس پر اوسے بھی اوروں کی طرح پیشانی رگڑنی پڑی۔ اور ایوان کی دوسری طرف جانا پڑا۔ سلطان نے اوس پر ایک بھی نگاہ عنایت نہ ڈالی۔ آخر سب لوگ

سامنے سے گذر کر ایوان کے گرداگرد پھر اپنی اپنی جگہ پر صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور اب پہلی مرتبہ پھر سکوت ٹوٹی گئی۔ رئیس التشریفات سید پاشا نے ہال کے وسط میں آکر بآواز بلند پکارا "شیخ الاسلام" یہہ آواز پڑنے کے ساتھ ہی ایک دراز قامت باجلال پیر مرد جو دراز سفید جبہ اور عمامہ پہنے اور طیلسان مجیدی کی اعلیٰ حمایل زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اوس کہلی جگہ سے جو وسط میں تھی تخت کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب پہونچا تو سلطان اعظم نے السیستادہ ہو کر اوس کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور شیخ الاسلام نے ہاتھ اٹھا کر جلالت مآب کے لئے خیر و برکت کی دعا مانگی۔ تمام پاشاؤں نے بھی ساتھ ہی ہاتھ اٹھا لئے تھے۔ دعا سے فارغ ہو کر شیخ الاسلام ایک طرف کو کھڑے ہو گئے۔ اور سلطان معظم پھر تخت پر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں کل دیگر علما نے ایوان کے بیچوں بیچ آگے بڑھ کر تسلیمات عرض کیں۔ سب کی پوشاکیں نہایت چمکدار اور بیش قیمت تھیں۔ اون کے جبے سیاہ۔ سبز۔ اودی اور نیلگوں ساٹن کے تھے۔ بعض کے سفید رنگ کے تھے۔ اور اکثر نے تمغے اور نشان لگائے ہوئے تھے۔

آخری عالم کے سامنے سے گذرتے ہی جلالت مآب کسی کو کسی طرح کا سلام کریکے بغیر کھڑے ہو گئے کل حاضرین پھر لب فرش تک جھک گئے اور حضور ممدوح صرف غازی عثمان کو ساتھ لئے ہوئے ہال سے باہر تشریف لیگئے۔ جو چشم زدن میں خالی ہو گیا اور ہم سب کھانے کی میزوں پر ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ گو ابھی صرف نو بجے تھے۔ مگر اکثر نے پانچ بجے کا ناشتہ کھایا ہوا تھا۔ محل سے گھاٹ کو واپس آتے وقت جہاں سفراء دول کی دخانی کشتیاں اون کے انتظار میں کھڑی تھیں ہم بے شمار قہوہ خانوں کے پاس سے گذرے۔ وہ سب کے سب پاشاؤں اور افسروں سے بھرے ہوئے تھے۔ جو دربار کی حاضر باشی کی کوفت اور تکان کو پوری وردیاں پہنے ہوئے قہوہ اور سگرٹ پینے سے دور کر رہے تھے۔ صادق بک نے اوس وقت ہمیں بتایا تھا جو خاص محل ہمایوں کے متعلقین اور عہدہ داروں کے لئے علیحدہ ہی منعقد ہوتا ہے۔ اسلئے وہ ہم سے ہال کے دروازہ سے رخصت ہو گیا۔ میں نے اوس سے پوچھا۔ یہہ دربار کس وقت ہو گا۔ اوس نے جواب دیا۔ یہہ بتانا محال ہے۔ جلالت مآب اب پھر استراحت فرمائینگے۔ اور یہہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ کب بیدار ہونگے"

آسٹریں سفیر نے ہمیں اپنی کشتی میں بیٹھ جانیکے لئے کہا۔ اسی ہم نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ اور دس بجے سے ہوٹل دی پیرا پہونچ گئے۔ مگر باوجود اسقدر سویرے ہونیکے ہمیں یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم بڑا لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔

۱۲۔ جدید عجائب گھر اور جیدان سے برآمد شدہ تعویزات قبور قدیمہ

ناظرین یہہ سرخی دیکھ کر کہیں یہہ خیال نہ کریں کہ میں قسطنطنیہ کی گائیڈ بک[1] لکھنے بیٹھ گیا ہوں اور بیڈیکر کی

[1] گائیڈ بک اوس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مسافروں کی آسانی اور جہانجی کے لئے کسی ملک یا شہر کے راستوں

تیار کردہ گائیڈ بکوں سے انتخاب و اقتباس دینگا ہوں۔ مدّے کی تیار کردہ گائیڈ بک کا تازہ ترین ایڈیشن عمدہ ہے اور بیڈیکر کی کونسی گائیڈ بک ہے جو ہر وقت مفید نہ پائی جائے۔ ان کتابوں کے علاوہ قسطنطنیہ اور اسفرس کے چیدہ چیدہ منظروں کی عکسی تصویریں بھی عام دستیاب ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص قسطنطنیہ کے فوٹو گرافر عبداللہ نے اسفرس کی شفاف ہوا میں اس بے نظیر شہر اور اوس کے محققات کی جو بے شمار تصویریں اتاری ہیں۔ صفائی اور درستی میں کسی نویسندہ کی قلم نہ کسی مصوّر کی پنسل اون کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تاہم جس امر کی میں لوگوں کو ترغیب دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ خود قسطنطنیہ جاکر وہاں کے نظاروں کا بچشم خود مزا لیں جس طرح کہ میں نے کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی میری یہ بھی نصیحت ہے کہ کسی شخص کو وہاں پہونچنے سے پہلے کسی گائیڈ بک کا معاینہ کرنیکے بغیر اس شاندار شہر کے منظروں کی دیکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ کسی کو وہاں پہونچکر باقاعدہ راہبر اور ترجمان کے بغیر خود بخود اون مقامات کا راستہ معلوم کر لینے کی کوشش کرنا چاہیئے جنکے دیکھنے کا وہ مشتاق ہو۔ البتہ اوس کو راہبر اور ترجمان کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا واجب ہے۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ مجھو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ترک (بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عرب) راہبر کا کام دینے کیلئے مل گیا تھا۔ وہ بیکے ازیاوران سلطانی تھا اور جلالت مآب نے اوسے اس کام پر مامور فرما دیا تھا کہ جب تک ہم قسطنطنیہ میں ٹھہریں۔ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ راہبری کے علاوہ وہ ہم کو ترجمان کا کام دینے ہی کے قابل نہ تھا۔ بلکہ اوسکی وردی کے طفیل جہاں جاتے تھے ہمیں کوئی روک نہیں ہوتی تھی اور ایسے ایسے خزانے بڑی خوشی سے دکھائے جاتے تھے جو اول تو کسی کو نہیں یا شاذونادر کسی کو دکھائے جاتے ہیں صاحبِ[1] بک (یعنی یادہ موصوف) جرمن۔ فرنچ۔ ترکی اور عربی بول سکتا تھا اور برلن میں کچھ عرصہ رہ آنے سے وہ ہمارے اون جذبات اور خیالات کو جن خیالات سے کہ ہم اہالی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷۔ سڑکوں اور قابل دید عمارات وغیرہ کے حالات اور دیگر ایسی باتیں جنکا جاننا مسافر کو غیر ملک میں فایدہ بخش ہو درج ہوتے ہیں۔ یورپ میں ایسی گائیڈ بکوں کی تیاری کیلئے مورے اور بیڈیکر کے دو کارخانے بہت مشہور ہیں۔ اول الذکر انگریزی ہے اور دوسرا جرمن ہے۔ گو اسکی بہت بڑی شاخ انگلستان میں بھی ہے۔ مترجم

[1] حضور نظام کے دوران میں ایشیا کوچک کے صوبوں میں عیسائیوں کو بالجبر مسلمان بنانیکے الزامات کی تحقیقات کیلئے پہلے دنوں (یعنی ۱۸۹۳ء میں) جو کمیشن سلطان المعظم نے روانہ کی تھی صاحبِ بک بھی اوس کا ایک رکن تھا۔ مصنف

(کمیشن مذکور کے مفصل حالات کے لئے دیکھو رسالہ مفوضہ نظام آرمینیا و دول ثلاثہ۔ مترجم)

یورپ مشرق کے باشندوں اور اون کے اوضاع و اطوار کو دیکھنے میں بآسانی سمجھ سکتا۔ اور وہ باتیں ہیں دکھا اور بتا سکتا تھا جو کہ یورپینوں کے لئے خاص دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ وہ ترکی عہدہ دار اور ہر پہلو سے پورا محب وطن ترک تھا۔ وہ اپنے شہنشاہ کا سچا جان نثار تھا۔ اور بشرط ضرورت اوسکی اور نیز اپنے ملک اور اپنے مذہب کیلئے لڑنے اور جان قربان کرنے کو بالکل تیار۔ اوس نے ہم کو ہر ایسی چیز دکھائی جو بیحد اور زاید تکلیف اور تردد کے بغیر دیکھی جا سکتی تھی قسطنطنیہ کو تاریخی اور آثار قدیمہ کے لحاظ سے پوری پوری طرح سے دیکھنا میرے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ میں اطباء کے حکم سے وہاں آرام کرنے کے لئے گیا تھا۔ اور اس لئے مجھے اسی پر قناعت کرنی پڑی کہ قدیم یادگاروں اور کھنڈروں کے پاس سے جو بزبان حال مجھ سے تکلم کرتے تھے وار دی گذر کر اون کو ایک نظر دیکھ لوں۔ اور اون کے دیکھنے سے جو پرانے زمانے کے واقعات دل و دماغ میں موجزن ہو جاتے تھے۔ اور جن سے بعض جانی عمارتیں میری نگاہ میں اس طرح منور ہو جاتی تھیں جیسے کہ گویا اون میں برقی روشنی کر دیگئی ہے۔ اون کے خفیہ خفیہ بیان کردہ قصوں کو گوش دل سے بغور سنتا رہوں۔

فی زمانہ ہر ایک اجنبی ذرا سی محنت سے قسطنطنیہ کی بڑی بڑی یادگاروں کا معاینہ کر سکتا ہے۔ صرف وہاں کے محافظوں کو تھوڑی سی بخشیش دینی پڑتی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط اور مبنی بر وہم ہے کہ جو سیاح مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں۔ ترک اون کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ درست ہے۔ کہ وہ اون سیاحوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے اور اون کو خوش آمدید نہیں کہتے۔ لیکن یہ امر صرف بدول سیاحوں کا اپنا پیدا کردہ وہم اور ظن ہے۔ کہ وہ کل عیسائی کتوں کو قتل کرنیکے خواہشمند ہوتے ہیں بعض مقامات میں بے شک عیسائیوں کو جانے کی ممانعت ہے۔ اور اگر کوئی اجنبی لاعلمی یا غلبہ شوق تجسس کی وجہ سے وہاں چلا جائے تو جو ترک اوسجگہ موجود ہو اوسے صاف کہدیتا ہے کہ میں تمہاری اس حرکت کو پسند نہیں کرتا۔ مگر اس بات کا اوسکے کبھی شان و گمان بھی نہیں ہوتا کہ اپنی اس ناپسندیدگی کو خنجر کے ذریعہ سے ظاہر کرے۔ ایسے بزدلوں یا اتہام لگانے والوں کو معلوم رہے کہ اور شہروں کی طرح قسطنطنیہ میں بھی پولیس اور قانون موجود ہے۔ اور زمانہ سابق کی طرح مذہبی پرجوشی اب وہاں کسی بیجا حرکت یا تشدد کیلئے کوئی وجہ معذوری اور بہانہ نہیں ہو سکتی۔ ایک ترک گارڈی والے نے ہم سے کہ سخت کلامی کی تھی مجھے امید ہے کہ عمر بھر اوس سے یہ خطا پھر دوبارہ سرزد نہ ہوگی۔ وہ اسی وقت قید خانہ بھیجدیا گیا اور اوسکا لائسنس

ضبط کر لیا گیا تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شہر میں کبھی کوئی سختی یا زیادتی نہ ہو۔ فرانس کے (جنوبی ساحل کے قصبہ) ایگوماٹے میں بھی (جہاں موسم بہار میں اکثر لوگ ممالک غیر سے قیام صحت اور دماغی آرام کے لئے جاتے ہیں) زیادتیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں بھی آتی رہیں گی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ٹرکی میں فرانس کی نسبت بھی ایسی زیادتیوں کی بہت زیادہ جلد سزا دی جاتی ہے[1] قسطنطنیہ کے اون نظاروں میں سے جن میں ہنوز بے عرصہ سے عوام کو داخل ہونے کی اجازت ملی ہے۔ اور اسوجہ سے اکثر لوگوں کو اونکی ابھی چنداں خبر نہیں ہوئی سب سے اہم اور مشہور آشیار قدیمہ کا نیا عجائب گھر ہے۔ اوس کے بیش بہا اور حیرت افزا خزینوں کے متعلق گائڈ بکوں تک میں بھی ابھی تک کوئی مفصل ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اکثر سیاح اوسکا نام تک سنے کے بغیر قسطنطنیہ سے واپس چلے جاتے ہیں۔

استنبول میں آشیار قدیمہ کا عجائب گھر سالہائے دراز سے قایم ہے۔ مگر بہت کم لوگوں نے اوسے دیکھنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔ اور وہ اس قابل بھی نہ تھا کہ کوئی ایسا مسافر جسے اور بہت کام ہوں اوسے ضرور جا دیکھے۔ بجائے اس کے آشیار قدیمہ کو غیر ممالک کے لوگ اُٹھائے جائیں یا وہ برباد ہوتی رہیں۔ اون کو جمع کرنے کا خیال سب سے اول فتح احمد پاشا کو ہوا جس نے ۱۸۵۳ء میں چند پرانے سکے اور دیگر قدیم اشیا سنیٹ اسرین کے گرجہ میں جمع کیں ۱۸۷۵ء میں صبحی پاشا نے جو کچھ عرصہ کے لئے وزیر معارف (سررشتہ تعلیم) رہا تھا اور خود بھی سکہ جات قدیمہ کا ماہر بصیر تھا کل مجموعہ کو قدیم محلسرار کے اندر چینی لی کوشک میں منتقل کر دیا۔ یہ کوشک قسطنطنیہ میں قدیم ترین اسلامی عمارتوں میں سے ہے۔ اسلامی فن تعمیر کے نمونہ کا کام دینے کے لئے یہ کوشک نہایت ہی کارآمد ہے۔ بالخصوص چینی کی جو کھپریلیں دیواروں پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ صنعت و ستادی میں نہایت ہی کامل ہیں۔ خیر یہ ذکر تو ضمناً تھا۔ کوشک مذکور کے کمرے جلد پُر ہو گئے۔ اوپر تلے چند برسوں میں جبکہ حمدی بک اور دیگر اشخاص کی محنت اور جد و جہد سے ٹرکی میں آشیار قدیمہ کی تلاش کا از سر نو شوق پیدا ہو گیا تو اون نئی چیزوں کے لئے جو بافراط دستیاب ہو گئی تھیں نئے بڑے بڑے کمرے بنانا ضروری ہو گیا۔ ترکی سرزمین صنعتی خزاین کی کامل معدن ہے جس معدن کو ابھی تک بہت کم کھولا گیا ہے اور جس سے

[1] آرمینیوں کے ہنگاموں کے بعد بھی میری یہی رائے ہے۔ اوس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میری رائے صواب بھی درست ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے اونکی مذہب کی وجہ سے نفرت نہیں کرتے۔ آرمینیوں سے جو اون کو نفرت ہے۔ وہ قومی اور سیاسی اسباب پر مبنی ہے۔ مصنف

اب تک زیادہ تر ممالک غیر کے لوگ ہی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ شایق اشیاء قدیمہ سلیمین امداد ان متعدد علمی مہموں کو جو انگلش۔ فرنچ اور جرمن گورنمنٹوں نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصوں کو روانہ کی تھیں نادر اشیاء کے برآمد کرنے میں جو کامیابی کامیابی ہوچکی ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ اگر عثمانیہ گورنمنٹ اس کام کو بنسبت حال زیادہ باقاعدگی سے اختیار کرے تو اوسکے عجائب گھر بہت جلد یورپ کے بہترین عجائب خانوں کے ہمسر بلکہ اون سے فایق ہوجائیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کا آغاز تو ہوگیا ہے اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ چنانچہ اس تھوڑے سے عرصہ ہی میں حمدی بک کے استقلال اور موجودہ بیدار مغز فرمانروا عبدالحمید کی فیاضانہ سرپرستی اور امداد سے قسطنطنیہ میں ایک ایسا نیا عجائب خانہ موجود ہوگیا ہے جس پر ہر ایک ترک بجا طور پر فخر و مباہات کرسکتا ہے۔ اس عجائب خانہ کو ولوری آفندی معمار نے چینی لی کوشک کے مقابل تعمیر کیا تھا۔ اور یہہ زیادہ تر پرانی قبروں کے اون شاندار تعویذوں کے لئے بنایا گیا تھا جو ۱۸۸۷ء میں حمدی بک کو زمین کے نیچے سے دستیاب ہوئے تھے۔ اس دستیابی کی فی الفور تمام یورپ میں دھاک بندھ گئی۔ اور اوس کے متعلق طرح طرح کی مبالغہ آمیز حالات شایع کئے گئے۔ گو لکھنے والوں میں سے کسی نے اون تعویذوں کو جو حمدی بک نے بمقام سیدا[1] ان زمین سے نکالے تھے بچشم خود معاینہ نہیں کیا تھا۔ کئی لوگوں نے حمدی بک پر اعتراض کئے ہیں کہ اوس نے ان بیش بہا خزینوں کو اتنا عرصہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ مقفل رکھا۔ بلکہ بعض نے تو یہہ بھی کہہ دیا کہ اوسے یہہ چیزیں ٹرکی میں رکھنی واجب نہ تھیں۔ اوسے مناسب تھا کہ ان تعویذوں کو فی الفور یورپ کے کسی بڑے عجائب گھر میں بھیج دیتا۔ یہہ ایک کا بھی خیال تھا۔ کہ ٹرکی کو ان قدیم زمانہ کی اشیاء پر کوئی حق نہیں ہے۔ یہہ لوگ اس امر کے مشکور ہونے کی بجائے کہ بارے ٹرکی میں بھی صنعت قدیمہ کا ایک سچا عاشق پیدا ہوگیا ہے اور اوسے سلطان المعظم کی فیاضانہ امداد اور ہمدردی حاصل ہوگئی ہے اسلئے یہہ شکایتیں کرنے لگ گئے کہ میں ٹرکی۔ اور وہ ان چیزوں کو اپنا ملک ظاہر کرنے کی جرات کرے۔ یہہ بغض اس درجہ تک بڑھا ہوا ہے کہ اب اسوقت بھی جو پرانی صنعت کے نمونے ترکی قلمرو سے حاصل ہوں اون کو جائز یا ناجائز وسایل سے اٹھانے اور چرا لیجانے کے لئے ہر ایک امر مباح اور جائز سمجھا جاتا ہے۔ حتی کہ حمدی بک نے ایسے بے اصول اور بے ایمان لوگوں کے ہاتھ سے تنگ آکر جو صنعت قدیمہ کے نہایت ہی خوبصورت نمونوں کو زمین سے نکال کر بے دریغ ملک سے

[1] سیدان یا صیدا ارشام کے ساحل پر دمشق سے عین بجانب غرب تقریباً پچاس میل اور بیروت سے بجانب جنوب تخمیناً پچیس میل کے فاصلہ پر بحیرہ شام کے کنارہ پر واقع ہے۔ مترجم۔

باہر بیچ ڈالتے تھے۔ سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کر کے یہہ حکم صادر کرا دیا کہ اس قسم کی خرید و فروخت ناجائز اور سزا کی مستوجب ہے۔ کل ملکوں میں یہی قانون رائج ہے۔ وہاں کوئی اسکی شکایت نہیں کرتا مگر ٹرکی میں اسکو رواج کی نہ فقط شکایت ہی کیجاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات بظاہر علم اشیاء قدیمہ کے مفاد و بہتری کا بہانہ کر کے دراصل ذاتی کمینہ اغراض کیلئے اوسکی خلاف ورزی کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ (یہہ ہے عیسائی اہل یورپ کی ایمانداری اور راست بازی!) سلطان المعظم جب یہہ دیکھتے ہونگے کہ حمدی بک اور بمقام سیدان اوسکی محنت و تردد کی جو سرپرستی کیگئی ہے اوس سے کیسا بے نظیر نتیجہ برآمد ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں ٹھیک بہت خوش ہوتے ہونگے۔ اس وقت یہی دنیا کا کوئی عجائب خانہ تعویذ ہائے قبور اور تدفینی یادگاروں کے معاملہ میں قسطنطنیہ کے جدید اسپرئیل عجائب خانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور ابھی آخر الذکر کے ذخیرہ میں بہت بڑا اضافہ ہونے کا پورا یقین ہے۔ باوجود عام خبر ہونیکے اب بھی یورپ کے اکثر حصوں سے شوقین طالب علم قسطنطنیہ آکر عجائب گھر میں گھنٹوں تک صیدا کے تعویذوں کو بنظر غور دیکھتے رہتے ہیں۔ جب اوکی عام شہرت ہوگئی تو اوس وقت اس علم کے شوقین سیاح اس کثرت سے قسطنطنیہ پہونچا کرینگے جس طرح سے کہ مقام پارتھنیاں کی مرمرین مورتوں کی للفیل لندن کے برٹش عجائب گھر کو کھینچے چلے جاتے ہیں اور میلو کی مورت زہرہ کے گرد پیرس کے محل لوور میں ہر وقت سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ یہہ تعویذ اول اول محض اتفاقیہ برآمد ہوئے تھے ۱۸۸۷ء میں ایک شخص مسمی محمد شریف ایک قطعہ زمین کو جو موضع ہلیلہ کے قریب صیدا سے بجانب شمال مشرق تقریباً صرف ایک میل اور ساحل بحیرہ روم سے فقط چند سو گز کے فاصلہ پر اوسکی ملکیت تھا۔ عمارتی مصالح کے لئے کھدوا رہا تھا۔ اوس شخص کو معلوم نہیں تھا کہ جس زمین کو میں کھدوا رہا ہوں وہ متبرک ہے۔ البتہ اوس نواح میں یہہ پرانی روایت چلی آتی تھی کہ قرب جوار کی زمین کسی زمانہ میں قبرستان تھی۔ فرانس کا رمیناں اسی قرب جوار میں تلاش کرتا رہا تھا۔ اگر یہہ بیش بہا عجوبات روزگار اوسے ملجاتے اور محل لوور میں بادشاہ الشیمونیضر کی قبر کے مشہور تعویذ کے دوش بدوش جو ہلیلہ سے بجانب جنوب سواحل کے فاصلہ پر مقام مغارات الیوان سے دستیاب ہوا تھا اور اب لوور کے کمال مشہور اور بیش قیمت عجائبات میں سے گنا جاتا ہے رکھا جاتا تو رمیناں اور فرانس کو اس کامیابی پر کیسی کچھ خوشی ہوتی۔ مگر یہہ اوسکی قسمت میں مقدر نہ تھا۔ حالانکہ اسی بادشاہ کی عین قبر کے

نے اوس کے باپ تابنیث شاہ صیدا کی ہی قبر کا تعویز تہا۔ ایشمونظر کا تعویز ڈیوک ڈی لاہی مرحوم نے ۱۵ ہزار فرینک کو خریدا تہا۔ حمدی بک کو جو تعویز ملا وہ ایشمونظر کے باپ تابنیث کی قبر کا ہے۔ مگر اس سے یہ بیان کی کوئی رشتگی ہوا۔ رشک و حسد اوسکی ذات میں تہا ہی نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے سب سے اول ترکی فاضل کو اوسکی خوش نصیبی پر ابھارا کیا وہی تہی انمیں سے ایک رشیا تہا۔ اور جیسی سچی خوشی اوس کو اس برآمدگی سے ہوئی۔ کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔ صرف تابنیث کا تابوت ہی ایسا ہے جس پر اب تک کوئی کتبہ نہیں ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں ایک مصر کے پرانے خط تصویر میں اور دوسرا اہالی فنیشیا کی قدیم زبان میں۔ مصری کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تابوت میں ابتداً ایک مصری جنرل موسوم بہ پنطفاہ مدفون ہوا تہا اور فنیشی کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے آخر اس میں تابنیث شاہ صیدا کا جسم مردہ بند کیا گیا۔ یہی نام تو ورد اسے تابوت پر موجود ہے۔ اوس پر ایشمونظر خود کو تابنیث اور اماش طورث کا بیٹا بتاتا ہے۔ اسی تابوت کے قریب ایک اور برآمد ہوا جس پر کسی نے کہولا یا لوٹا نہ تہا جب وہ کہولا گیا تو اوس میں ایک طلائی کمربند شاہی چکیدا لہ۔ بالوں کی ایک زلف۔ ہڈیاں۔ دانت اور ململ کی پٹیوں کے ٹکڑے پائے گئے۔ یہ تابوت سیاہ سنگ مرمر کا ہے اور انسان کے جسم کا نقش اوس پر نمودار ہے۔ جس سے اوسے انسانی تابوت پکارا جاتا ہے۔ اور چونکہ ایشمونظر لوڑ والے تابوت پر خود کو تابنیث اور اماش طورث کا بیٹا لکہتا ہے۔ اور یہ تابوت ہی چونکہ اوسی غار میں سے برآمد ہوا ہے اس لئے اغلب ہے کہ اس میں اماش طورث کا جسم مدفون تہا اور یہ دانت وغیرہ اوسی کے ہیں۔ یہ تابوت یا یوں کہو کہ وہ لوگ جو ان میں سب سے آخر دفن ہوئے بقول بعض ہوخین پانچویں صدی قبل مسیح اور بقول ماس پیرو چوتہی صدی قبل مسیح میں گذرے ہیں۔ حمدی بک کا بیان ہے کہ اوس زمین کو جہاں سے یہ برآمد ہوئے ہیں قبرستان کہنا درست نہیں۔ اور اوس کا یہ بیان ایک حد تک صحیح بہی ہے۔ کیونکہ قدیم اہل فنیشیا کا یہ وطیرہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مردوں کو کسی خاص قبرستان کی حد میں دفن کرنے کے بجائے جہاں کہیں مرضی ہوئی تہی دفن کر دیا کرتے تہے۔ تاہم جس موقع سے یہ تابوت نکلے ہیں۔ وہ غالباً تدفین کے لئے بہت مناسب مقام سمجہا جاتا تہا۔ یہ تابوت لملیلہ سے برآمد ہوئے ہیں اور لملیلہ کی پہاڑی کے قریب کے باغ کے نام سے ہی جو بستان المغارہ (حجروں اور غاروں والا باغ) ہے تماشائیوں کو اس مقام کی طرف توجہ ہو جانی چاہیئے تہی ۱۸۸۷ء کے شروع میں اسی موقع سے چند مسیحی قبریں

برآمد ہوئی ہیں حمدی بک کو توقع ہے کہ جب وہ زیادہ باقاعدگی کے ساتھ تلاش شروع کرنیکے قابل ہوجائیں گے۔ تو اون کو اس گرد و نواح میں اور بھی تابوت دستیاب ہونگے۔ اونکی اس توقع کے برآنے کے بظاہر بہت کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ سرِدست اون کا بڑا کام یہ ہے کہ اس معدن کو جو اوس نے کھولی ہے۔ غارتگروں کے ہاتھ سے جو تجارت یا علمی ہوس کو پورا کرنے کے لئے لوٹ مار سے باز نہیں آتے محفوظ رکھیں۔ جب ان تابوتوں کے برآمد ہونیکی خبر شایقین اشیائے قدیمہ نے سُنی تو طبعی طور پر اون کے دیکھنے اور دریافت کنندہ کی قلم سے اونکی پوری کیفیت معلوم کرنیکے لئے بیتاب ہونے لگ گئے۔ مگر بسا اوقات ایسی بےصبری اور بے قراری نامعقولیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ۱۸ اپریل سے ۲۰ جون ۱۸۸۷ء تک تو برابر کھدائی کا کام ہوتا رہا۔ پھر جب یہ دیو قامت تابوت صیدا سے قسطنطنیہ کو باحتیاط تمام پہونچائے گئے۔ تو اونکی درستی اور مرمت باقی رہتی تھی کیونکہ گو فی الجملہ اون کو بہت تھوڑا نقصان پہونچا تھا۔ پھر بھی حمدی بک نے جگہوں میں سے کئی سو ٹکڑے جمع کئے تھے جنکو موقع بموقع اپنی اپنی جگہ پہ لگانا ضروری تھا۔ پھر اس مرمت کے مکمل ہوجانے پر بھی جب تک کہ اون کو نئے عجائب خانہ میں نہ رکھا جائے۔ اونہیں عوام کو دکھانا مناسب نہ تھا۔ اور اس نئے عجائب خانہ کی تعمیر پر بھی کچھ وقت صرف ہونا لازمی تھا۔ وہ تیار ہوگیا ہے اور اب یہ تابوت وہاں ہر ایک شخص دیکھ سکتا اور جس طرح چاہے اون پر غور کر سکتا ہے۔ حمدی بک کی رپورٹ سنہ ۱۸۹۲ء سے شایع ہونی شروع ہوئی[1] اس کے دو نمبر (حصے) شایع ہوچکے ہیں۔ اور تیسرے کی عنقریب شایع ہوجانیکا اشتہار ہوچکا ہے۔ جب اس پر غور کیا جائے کہ ان نتائج کے مرتب کرنے پر کس قدر مشکلات عدیدہ کو ہٹانا پڑتا ہے اور کہ قسطنطنیہ میں اس کام کے لئے جس کو واسطے پڑنے میوزیم اور لودر میں باقاعدہ سٹاف موجود ہے کیسی تھوڑی مدد مل سکتی ہے تو ہر ایک منصف مزاج تسلیم کریگا کہ رپورٹ کے شایع کرنے میں کوئی بیجا توقف نہیں ہوا۔ دیگر ممالک کی طرح ٹرکی میں بھی مصنفین کو جبکہ وہ نہایت قیمتی کتابیں معہ تصاویر شایع کرنے چاہتے ہوں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ فرانس کا وزیر سررشتہ تعلیم کمال عزت و احترام کا مستحق ہے کہ اوس نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مصنف کو پوری پوری امداد دی۔ کیا کبھی انگریزی وزیر کو بھی ایسا کرنے کی جرأت پڑتی؟۔

---

[1] یہ رپورٹ فرنچ زبان میں ہے۔ اور پیرس کی کتب فروش ای لیرو سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

حمدی بک کی تلاش و جستجو اور تصنیفات کا نتیجہ نہایت ہی اطمینان بخش ہے۔ اوس نے اب تک صرف دو بڑے تہ خانوں کو جو زیر زمین مدفون تھے کھولا ہے۔ اِن دونوں میں سے اوس نے ۱۲ تابوت حاصل ہوئے ہیں جن میں سے ۱۸ اول درجہ کے ہیں۔ اِن تہ خانوں کے سب سے نیچے اور قدیم ترین حجرہ میں مصری تابوت تھا۔ جو دراصل ایک مصری جرنیل کی قبر تھا۔ مگر بعد میں تانبیث کو اوس میں دفن کیا گیا تھا۔ دوسرے حجرہ سے جس میں سات علیحدہ علیحدہ خانے تھے پورے سترہ تعویز برآمد ہوئے۔

ناظرین کو خیال ہے کہ سب سے پہلے ایک بڑا دہانی حجرہ برآمد ہوا تھا جس سے شمال مشرق۔ جنوب اور مغرب کی طرف حجرہ مذکور سے بڑے بڑے حجروں کو جو پتھر کے متعدد تابوتوں سے بھرے ہوئے تھے راستہ جاتا تھا۔ شمالی حجرہ میں دو تعویز ملے۔ اس کمرہ کو صاف کرتے وقت دو راستے مشرق اور مغرب کو دو اور حجروں کو جاتے ہوئے پائے گئے۔ مشرق کی طرف کے حجرہ میں ایک معمولی سا تعویز تھا جس پر کسی طرح کا کوئی کام نہ تھا۔ مگر مغرب والے میں سفید سنگ مرمر کے چار نہایت ہی خوبصورت اور بدیع تابوت پائے گئے۔ سب سے بڑے تعویز کے سرہانے والی طرف جسے حاکم صوبہ کا تعویز پکارا جاتا ہے۔ ایک عجب مرقع بنا ہوا ہے۔ جس پر رنگ آمیزی کے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ ایک مرد سر پر مشرقی وضع کی پوشش رکھے ہوئے اور گھیرے دار جبہ پہنے ہوئے ہے۔ اوس کے بائیں ہاتھ میں پیالہ ہے اور دائیں ہاتھ میں جام ہے جسے وہ ایک خاتون کی طرف جو اوس کے سامنے کھڑی ہے کئے ہوئے ہے اور وہ اوس میں صراحی سے عرق ڈال رہی ہے۔ خاتون مذکور کے پیچھے ایک اور عورت بیٹھی ہوئی ہے جو کہ سر کو اپنی پوشاک کے دامن سے ڈھانپے ہوئے ہے اور پیر مرد کے دائیں طرف ایک اور عورت کھڑی ہے۔ پائینتی کی طرف چار نوعمر مردوں کی تصویریں ہیں جو چھوٹے کوٹ پہنے اور ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں۔ تعویز کی بڑی طرفوں میں سے ایک پر ایک بوڑھا آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ تاج اوس کے سر پر ہے اور عصا شاہی دائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ وہ ایک چوا سپہ گاڑی کو جس پر ایک نوجوان جو اپنے چھوٹے کوٹ کو کمر سے باندھے ہوئے اور سر کو ہوا میں اڑتی ہوئی چادر سے ڈھانپے ہوئے ہے سوار ہونے لگا ہے دیکھ رہا ہے۔ ایک غلام لاٹھی پر سہارا دیئے کھڑا ہے اور گھوڑوں کو جو ابھی چلنے والے ہیں تھامے ہوئے ہے۔ دوسرا نوکر ایک گھوڑے کو لگام سے پکڑے ہوئے ہے۔ تخت کے پیچھے بھی چند مورتیں ہیں۔ جو نمایاں نہیں رہ گئیں۔ دوسری بڑی طرف غالباً وہی پیر مرد گھوڑے پر سوار شیر ببر سے لڑائی کر رہا ہے۔ ایک

دوسرا سوار اسی شیر پر نیزہ سے حملہ کر رہا ہے۔ دائیں طرف ایک سوار جس کا آسن اکھڑ گیا ہو اپنے گھوڑے کی لگام کو چمٹا ہوا ہو۔ پیر مرد کی تصویر کے نیچے ایک خمی ہرن پڑا ہے اور ایک سوار اپنے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان تصویروں کا مطلب بظاہر ایشیائیوں کی بڑے بڑے شاغل۔ لڑائی اور شکار کو واضح کرنا ہے۔ مگر ممکن ہے اس پیر مرد کی جو تخت پہ بیٹھا ہے اور جس کا اب عالم صورت تصور کیا گیا ہے اور نوجوان کی تصویر دل سے جو لڑائی پر جانے کو تیار ہے۔ ہومر کی کسی داستان کا جزو آثار نا مقصود ہو۔ اور غالباً یہ نوجوان ہیکٹر یا پیرس ہو جو شہر ٹرائے کی دیواروں کے سامنے جا کر لڑائی میں شریک ہونے کے لئے پرسی آم سے رخصت ہو رہا ہے۔ اور یہ مرقعے بھی اسی قسم کی ہوں جس طرح کہ جولیاشی کی سنگین تصویریں ہیں اور صرف یہ فرق رکھتی ہوں کہ نسبتاً بڑے پیمانہ پر بنائے گئے ہیں سرہانے کی طرف کے مرقع کی نسبت خیال ہے کہ اوس میں نزع کے وقت کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور وہ عورت جو پلنگ کی پائینتی بیٹھی ہے قریب المرگ پیر مرد کی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔

اس عجیب و غریب تعویذ یا تابوت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے بھی زیادہ عجیب تعویذ دستیاب ہو گئے۔ اوس کمرہ میں جو درمیانی حجرہ سے بجانب مشرق ہے سفید سنگ مرمر کے دو تابوت ملے۔ بائیں طرف والا تو سیدھا سادھا تھا۔ مگر دائیں طرف کا صنعت و دستکاری کا کامل نمونہ پایا گیا۔ اوس پر جزائر ایونین کے قدیم مندروں کی طرز کا ایک مندر بنا ہوا ہو۔ اوس کے ستون دار کمرہ میں اٹھارہ طاق ہیں اور ہر ایک طاق میں ایک عورت یونانی لباس پہنے کھڑی ہے۔ اور ستون داریاں ہیں۔ اس مرقع پر بھی سنگ آمیزی کے نشان باقی ہیں۔ اوس کا نام تابوت نوحہ خواناں کہا گیا ہے۔ مگر اسے دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ تصویریں ایک ہی شخص کی ہیں جس کو رنج و غم اور نوحہ خوانی کی مختلف اوضاع میں

سلہ ہومر نامقدیم کا مشہور شاعر گذرا ہے۔ اوس کے مقام پیدائش اور سنہ ولادت وغیرہ کا پختہ حال معلوم نہیں۔ غالباً آٹھویں اور نویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے۔ عام روایت ہے کہ وہ سمرنا کے قریب پیدا ہوا تھا اور ولد الحرام تھا۔ اوسے یونانی شعراء میں وہی درجہ حاصل ہے جو فارسی شعراء میں فردوسی اور ہندی شعراء میں والمیکن و مہابھارت کے مصنفین کو حاصل ہے۔ اوس کی رزمیہ نظمیں سلاست زبان اور فصاحت و بلاغت میں قیامت تک یادگار رہینگی اوس نے شہر ٹرائے کے محاصرہ اور لڑائی کا مفصل حال شاہنامہ کی طرز پر لکھا ہے ٹرائے ایشیا کوچک میں ملہوت اور بحیرہ مرمرہ کے قریب واقع ہے۔ جو دو صدیوں سے کھنڈر پڑا ہے۔ مترجم۔

دکھایا گیا ہے یا یہہ تصویریں کسی خاص شخص کی نہیں اور صرف رنج واندوہ کے مختلف طریق اظہار کو ظاہر کر رہی ہیں یعنی آیا اس کو تابوت نوحہ خواناں پکارنا چاہیے یا کہ تابوت نوحہ خوانی۔ تابوت کا ڈھکنا مندر کی چھت کے مشابہ ہے اور دونوں طرف سے ڈھالو ہے۔ اوس کے دونوں سروں پہ تراشی ہوئی مورتیں ہیں اور کارنیس سے اوپر دونوں پہلوؤں پہ جنازہ کے جلوس بنے ہوئے ہیں جو بلندی میں تقریباً بیس انچ ہیں۔ تابوت کے اندر چند طرائی ہڈیاں اور سات کتوں کے سر پائے گئے۔ ان کے سوائے اور کوئی چیز نہ پائی گئی جس سے مردہ کا نام یا درجہ معلوم ہوتا۔ اوس میں کوئی قیمتی چیزیں پہلے سے کسی نے نکال لی ہوئی نہیں۔ اب تک تابوت کے اندر کتوں کے یہہ سر موجود ہونیکی وجہ ظاہر کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔

تیسری طرف جنوبی حجرہ میں مزدوروں کو سفید مرمر کا ایک تابوت ملا جسکی شکل دیکھتے ہی معلوم ہوگیا کہ وہ لیسن[1] ساخت کا ہے۔ اون لیسن قبر کی طرح جو پرتش میوزیم (عجائب خانہ) اور وائنا میں رکھی ہوئی ہیں یہہ تابوت بھی چوبی عمارتوں کے نمونہ پہ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ڈھکنا[2] تیدار چھت کا کام دے رہا ہے جس کے دونوں سروں پہ مثلث گوشے بنے ہوئے ہیں۔ اسکی تصویریں کی طرز یونانی تابوتوں کی تصویروں سے زیادہ قدیم اور درشت ہے۔ مگر اس سے اون کے زیادہ قدیم ہونے کا نتیجہ نکالنا ناممکن ہے۔ اونکی نسبت صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پانچویں صدی قبل مسیح سے جو کہ فنیشی تابوت کا زمانہ تھا۔ پہلے کی ہیں اور کہ تیسری صدی قبل مسیح سے جس میں نسبتاً زیادہ کامل یونانی تابوت تیار ہوتے بعد کی نہیں ہیں۔

لیکن سب سے اچنبھے کی چیز ابھی باقی ہے۔ مغربی طرف کے حجرہ میں ایک شاندار تابوت سفید سنگ مرمر کا معہ تین اور تابوتوں کے دستیاب ہوا۔ ان میں سے ہر ایک ایسا بیش قیمت ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی اشیاء قدیمہ کے متلاشی کو ملجاتا تو اوسی مدت العمر کے لئے فارغ البالی ہو جاتی یہہ تابوت ۱۱ فیٹ لمبا اور چار فیٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اوسکا ڈھکنا تقریباً تین فیٹ بلند ہے۔ اسکا نام اسکندر فیلقوس[3] کا تابوت رکھا گیا ہے اور غالباً عرصہ دراز تک اسی نام سے پکارا جاتا رہیگا۔ گو اس دعوی کی تائید میں ایک بھی ایسی دلیل نہیں پیش کیگئی جو بحث پر قایم رہ سکے۔ اس کی ایک طرف شکار کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف لڑائی کا جو یونانیوں اور وحشیوں میں ہوئی ہے۔ وحشیوں سے غالباً ایرانی مراد ہیں۔ یونانی

---

[1] لیسیا ایشیا کوچک کے جنوبی ساحل کے ایک حصہ کا پرانا نام تھا۔ مترجم

[2] اس تابوت کا ڈھکنا ہمراہی یورپین سے جو ۱۸۸۷ء حکومت سلطان عبدالحمید میں تھا پورا ذکر کیا ہے۔ مترجم

برہنہ بدن یا تنگ و اس قمیصوں اور مقدونوی شکل کی خود یا ٹوپیوں سے اور ایرانی چست پاجاموں اور کوٹوں سے جو سر اور ٹھوڑی کو بھی ڈھانپے ہوئے ہیں بآسانی تمیز ہو سکتے ہیں۔ گھوڑوں کے ساز و سامان کی بھی آسانی کے ساتھ شناخت ہو سکتی ہے کہ یہ ایرانیوں کے ہیں اور یہ یونانیوں کے۔

مجھ کو افسوس ہے کہ اس تابوت کو اسکندر[1] اعظم کا تابوت کیوں ظاہر کیا گیا ہے۔ بلحاظ صناعی و دستکاری وہ بیشک نہایت عجیب اور نادر شے ہے۔ مگر تاریخی شہادت قیاس مذکورہ کی صریح مخالف ہے۔ زیادہ توضیح کرنے کی میں کوئی حاجت نہ دیکھ کر یہی بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اسکندر بابل میں فوت ہوا تھا۔ جہاں سے اوسکی لاش پہلے مصر کے قدیم دار الخلافہ میمفس کو (جو قاہرہ سے بجانب جنوب دس میل کے فاصلہ پر اب ویران پڑا ہے۔ مترجم) اور پھر اسکندریہ کو پہونچائی گئی تھی۔ اور دمن قیصر اگسٹس[2] نے اوسکی قبر کو اسکندریہ ہی میں دیکھا تھا۔ اور اب تک کسی شخص نے بیان نہیں کیا کہ اوس نے اسکندر کی قبر کہیں اور جگہ دیکھی تھی۔ روایت ہے کہ کالی گولا اسکندر کے تابوت سے اوسکی زرہ بکتر خود پہننے کے لئے اپنے ساتھ روستہ الکبری کو لے گیا تھا۔ اوسوقت اسکندر کی قبر اسکندریہ میں تھی۔ اور کسی نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ وہ صیدا میں تھی۔ تابوت پر ایک سوار کی شکل ہے جس کے سر پر شیر کی کھال پڑی ہے۔ اسسے اسمات کا یقینی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ یہ تصویر اسکندر کی ہے۔ مگر اسکندر ہی ایک ایسا بادشاہ نہیں جسکی سر کی پوشاک شیر کی کھال بنائی گئی ہے۔ علاوہ بریں اگر اس تابوت کی نسبت یہی فرض کر لیا جائے کہ وہ اسکندر کے لئے بنایا گیا تھا تو کیا کوئی مصور اور دستکار جسکی عقل بجا ہو۔ بادشاہ کو مرقع کے ایک کونے میں بناتا اور اوسکی تمیز کے لئے کوئی نشان شاہی نہ دیتا۔ مزید برآں کیا وہ تابوت پر ایسے مرقع نقش کرتا جن میں ایرانی مغلوب ہونیکی بجائے فاتح دکھائی دیتے ہوں؟ اس کو کلامی[3] کا تابوت کہنا بھی اسی طرح بالکل بے بنیاد ہے۔ اخبارات میں اسکندر اور مصر کی مشہور حسین اور عشوہ فروش ملکہ (کلیوپٹرا کی اصلی خرد کی برآمد ہونے کی جو خبر شایع ہوئی تھی وہ محض اخباری

---

[1] اسکندر ۳۵۶ء قبل مسیح بمقام پلا پیدا ہوا۔ اور ۳۲۳ء قبل مسیح میں بمقام بابل فوت ہوا۔ مترجم

[2] قیصر اگسٹس کالی گولا ۱۲ء مسیحی میں پیدا اور ۴۱ء میں فوت ہوا۔ چار برس کی حکومت کے بعد رعایا کے ہاتھ سے جو اس کے جبر و ستم سے تنگ آگئی تھی ہلاک ہوا۔ وہ اول درجہ کا بد معاش۔ ظالم۔ اور بد طینت تھا۔ علانیہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بدکاری کرتا تھا۔ اور رعایا کی مصیبتوں پر بہت خوش ہوا کرتا تھا۔ اوس کا بیان تھا کہ اگر سنگ قوم کا ایک سر ہوتا اور میں اوسے ایک ضرب سے قلم کر دیتا۔ اوس نے شراب خانے اور زنا خانے بکثرت قائم کئے اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی۔ مترجم۔

[3] سکندر اعظم کا دوست اور بادر ضمائی تھا۔ اوسنے ایک لاش اسکندر کی جان بچائی تھی۔ مگر کیونکہ وہ ملائی کے جلسہ میں جبکہ اسکندر نخوت سے اسمات سے

دہوکہ تہا۔ اسکندریہ میں اسکی نسبت کسی کو علم نہیں۔ اس بات کا مجھ پر اسکلنسی لطفرانی پاشا نے بزبان خود یقین دلایا تہا۔ پس ان دعووں کی بجائے "خفیف سی لاعلمی بالاادری" سے کیوں کام نہیں لیا جاتا اور یہہ تسلیم نہیں کیا جاتا کہ تابنیت والد ایشمونظیر شاہ صیدا کے سوائے اب تک اون لوگوں کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ جو اس اور دیگر خوبصورت تابوتوں میں مدفون تہے۔ سرِدست اونکی نسبت یہی تسلیم کرنا کافی ہے کہ ہر ایک تابوت اپنی اپنی طرز میں کمال خوبصورت اور تاریخی پہلو سے نہایت دلچسپ ہے۔

لیکن اس سیارہ میں یہی بہت احتیاط درکار ہے۔ ان یادگاروں کو اگرچہ وہ ایک ہی جگہ سے برآمد ہوئی ہیں۔ ایک ہی زمانہ کی یا مقام مذکور کے فنیشی باشندوں کی دستکاری کے نمونے نہیں سمجھنا چاہیے شاہ تابنیت کے مصری تابوت سے واضح ہوتا ہے کہ فنیشیا کے متمول شاہزادے اور تجار اپنے تابوت مصر اور دیگر ممالک سے خرید کیا کرتے تہے۔ خواہ وہ تابوت پہلے استعمال میں ہی آچکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ سے مصر۔ یونان اور لیسیا کی صنعت و ساخت کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں۔ یونانی دستکاری کے نمونے اپنی قسم کی نہایت کامل صنعتیں ہیں گو اسی وہ ایسے زمانہ کی نہیں ہیں جبکہ یونان میں فنون و صنعت معراج پر پہونچے ہوئے تہے۔ تابوت موسومہ نوحہ خوانی کو پہلی نظر دیکھنے پر جس پر ایک نوحہ خوان عورت رنج و غم کے مختلف اوضاع میں دکہائی گئی ہے۔ انسان پر یکبارگی رقت طاری ہوجاتی ہے۔ مگر تہوڑی دیر کے بعد یہہ کیفیت نہیں رہجاتی اور معلوم ہوجاتا ہے کہ مصور کی قوت متخیلہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نہیں تہی۔ اس تابوت کے نقش و نگار میں ویسی سادگی نہیں جو اوس سے پرانے زمانہ کے تابوتوں کے مرقعوں میں پائی جاتی ہے۔ آخر الذکر قسم کے ایک تابوت پر یہہ حسرت افزا اور موثر مرقع ہے کہ قریب المرگ آخری دفعہ بیوی اور بچوں سے مصافحہ کر رہا اور اپنے کتے کی طرف یاس بہری نگاہ سے تک رہا ہے۔ تابوت نوحہ خوانان میں ایک ہی عورت مختلف پیرایوں میں جو انسان کے قیاس میں آسکتے ہیں دکہائی گئی ہے۔ اور اوسکی صورت سے یہہ پکتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان حال سے ناظر کو کہہ رہی ہے "دیکھو میں کس طرح چلا رہی اور نوحہ کر رہی ہوں"۔ اس حرمان نصیب عورت کے تمام اعضا اور اوضاع و انداز اوس حسرت بہری نگاہ کے سامنے جس سے متوفی اپنے وفادار کتے کو اور کتا اپنے کو دیکہہ رہا کچہہ حقیقت نہیں رکہتے۔ ان نگاہوں میں ایسا جادو ہے جو انسان کو بے قابو کئے دیتا ہے۔ سکندر کا مفروضہ تابوت اوسی شکل اور قطع کا ہے جیسا کہ فگر کا تابوت۔ البتہ یہہ فرق ہے کہ وہ

آخر الذکر سے جسے میں نے واپنا میں دیکھا تھا نسبتاً بہتر حالت میں ہے۔ لیکن تصویر کی اس قدر بہتر مارہے کہ وہ سادگی اور صوفیانہ جلال و تمکنت جو یونان کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری میں پایا جاتا ہے نہیں لگتی وہ اسکندر اور اسکندر کے زمانہ سے بعد کی ساخت معلوم ہوتا ہے۔ اوس میں رقت انگیزیری اور نازک خیالی تو موجود ہے۔ لیکن یونان کی بہترین سنگین مورتونکی سی جلال آمیز سادگی مفقود ہے لیسن تابوت لیسن صنعت کاری کا شاندار نمونہ ہے اور اون لیسی تابوتوں سے جو برٹش عجائب خانہ میں مکمل و آراستہ ہیں بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ تابوت حاکم صوبہ اول ماول تو نامکمل سا اور کسی قدر بھدا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑے سے غور کے بعد اوسکی خوبیاں ایسی عیاں ہوجاتی ہیں کہ سب سے بڑھکر وہی یونانی بت تراشی کے لگ بھگ پایا جاتا ہے۔ ان نو برآمد شدہ عجائبات کی طرف انگریز نیا یقین اشیار قدیمہ نے اب تک کوئی توجہ نہیں کی میرا خیال ہے کہ اون کا اب پہلی مرتبہ (یعنی میری قلم سے) ایک انگریزی[1] رسالہ میں ایسا ذکر ہوا ہے۔ جسے فی الواقع مذکرہ کہا جاسکتا ہے۔ اب یہہ اون لوگون کا کام ہے جو یونانی بت تراشی کے شوقین ہیں کہ روانگی کی تاریخیں مقرر کرکے قسطنطنیہ پہونچیں اور وہاں بچشم خود معاینہ کرکے ان تابوتوں کی نسبت اپنی رائے قائم کریں۔ لیکن یہہ میں چاہے سے کہہ دیتا ہوں کہ ان بصروں کی قطعی رائے خواہ کچھ قرار پائے۔ ان میں سے ہر ایک اس برآمدگی کی عظمت کو تسلیم اور حمدی بک کے استقلال کا جسے ہر طرف سے بیشمار مشکلات احاطہ کئے ہوئے تھیں مگر وہ آخر سب پر غالب آگیا اعتراف کریگا۔ یہہ تابوت خواہ کن لوگوں کے ہوں۔ اس میں کلام نہیں کہ ان سے اول تر کی بصر اشیار قدیمہ یعنی حمدی بک اور اوسکی سپہ سالار مغز مربی سلطان عبدالحمید کا نام نامی ہمیشہ کے لئے علمی دنیا کی لوح پر ثبت ہوگیا ہے۔

نئے عجائب خانہ کی پہلی منزل کے فرش پر اور بھی کئی یادگاریں رکھی ہوئی ہیں جن میں سے اکثر قبرس اور تابوتوں کے متعلق ہیں۔ کئی ایسی باہر سے ہی ہیں کہ جوں جوں گنجائش نکلتی آئے۔ اندر رکھی جائیں ان میں سے ایک قدیم لیسن قبر ہے۔ دوسری منزل میں وہ عجائبات قدیمہ ہیں جو سلیمن اور دیگر تملاسنیوں نے ترکی گورنمنٹ کے نذر کئے ہے۔ ان میں کئی قدیم بابلی۔ اقادی اور سفر وضہ ہٹی ٹی طرز کے ملمار کے کتبے ہیں یہہ سب وقت سلیقہ وار رکھے گئے اور ہر ایک پہ باقاعدہ چٹیں لگ گئیں تو اس فن کے مبصروں کو اون سے بہت مدد ملے گی۔ ان تمام نوادرات کو ہر شخص معاینہ کرسکتا ہے۔ اور جو شوقین مخبر فن اس استفادہ اون کو

[1] یہہ خلاصہ وفیسر سیکس ہولڈنے پہلے لندن کے رسالہ "نیوریویو" میں شایع کیا تھا۔ مترجم

دیکھنے جائے حمدی بک اور اوس کا بھائی دونوں اوسکی سچی ترکی خوش اخلاقی سے تواضع اور اوس کو علمی تلاش ومطالعہ میں پوری امداد دینے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔

مرقومہ پروفیسر الیف بیکس ہوار

۱۳۔ بروصہ

ہمیں بروصہ دیکھنے کا بڑا شوق تہا۔ مگر قسطنطنیہ میں ہمیں اتنی چیزیں دیکھنی اور اس قدر کام کرنے پڑے کہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں جاکر ہم کو اس شوق کے پورا کرنیکے لئے فرصت ملی۔ خوش نصیبی سے صنادق ہمارے ساتھ تہا جس کی طفیل ہمیں اس تفریحی سیاحت میں کوئی تکلیف نہ پہونچی۔ محل ہمایون کے یادگار کی شکل دیکھتے ہی تمام مشکلیں حل ہوجاتی تہیں۔ البتہ بروصہ کے اوس ہوٹل میں ہی جو بہترین سمجھا جاتا تہا وہ ہماری آسایش کا عمدہ انتظام نہ کرسکا۔ وہاں کی ہر ایک چیز بالخصوص غذا ناقص اور غلیظ تہی صادق اس سیر کا ذکر سن کر بہت خوش ہوا۔ اور جب تک سلطان المعظم کی منظوری حاصل نہ ہوئی۔ بچوں ایسی بے قراری ظاہر کرتا رہا۔ چونکہ ہم نے سلطانی یادر کے ہمراہ جانا تہا۔ ہم نے کوئی "یول تذکرہ" یعنی دستخطی پروانہ راہداری بروصہ جانیکے لئے نہ منگوایا۔ لیکن جب ہم نوبجے کے وقت جہاز پہ سوار ہونے کو گہاٹ پر پہونچے تو صادق ابہی تک نہیں آیا ہوا تہا۔ اور ادھر ہمارے پاس کوئی پروانہ نہ تہا جس سے جہاز پر سوار ہونے میں کسی قدر دقت درپیش آئی۔ مگر جس وقت ہمارے لڑکے نے افسران گہاٹ کو یقین دلادیا کہ ہم انگلز سرار (سفارت انگلشیہ) کے متعلقین میں سے ہیں تو ہم کو جہاز پہ جانے کی اجازت دیدگئی جہازی سفر میں چار گھنٹے صرف ہوئے۔ دن نہایت صاف اور مزیدار تہا مگر گرمی کچھ زیادہ نہ تہی۔ چنانچہ بحری سفر میں بڑی کیفیت رہی۔ ہم نے مودانیہ کو جانا تہا۔ یہ چہوٹا سا قصبہ اسی نام کی ایک خلیج کے ساحل پر جو بحیرہ مارمرا سے خشکی میں اندر کو چلی جاتی ہے واقع ہے۔ بحیرہ مذکور میں اس طرح کی کئی خلیجیں ہیں سب سے بڑی خلیج اسمد ہے جس کے دہانہ پر جزایر شہزادگان واقع ہیں۔ خلیج مودانیہ میں داخل ہونے پر مسافر کو سب سے اول پہاڑیوں کے ڈہلاؤ اور دامنوں کا گہنا سبزہ زار نظر آتا ہے۔ پہاڑیاں بعض بعض مقامات پہ لب آب سے ہی شیدہی اٹہہ رہی ہیں۔ اس سبزہ زار کے ساتہہ ہی دور فاصلہ پر کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیاں بہی دکہائی دیتی ہیں۔ ہم دو بجے کا کہانا جہاز پہ ساتہہ لے گئے تہے۔ کیونکہ ایسے سفروں میں

قہوہ کے سوا اور دیگر سامان کی عمدگی کا یقین نہیں ہوتا۔ صادق بک نے مسافروں میں ہمیں ایک عجیب آدمی دکھا کر کہا کہ وہ ایک طرح کا شعبدہ باز اور دلال ہے قسطنطنیہ میں اوسے سب جانتے ہیں۔ اور اکثر ترک لوگ اوسے اپنے گھروں میں بلا کر اوس کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے اعضا اور چہرہ کو مروڑ کر جس طرح کی شکل چاہے بنا سکتا ہے کچھ عرصہ تک ہم اوسے ایک چمچے کے ساتھ جو اوس نے اپنے رومال کا بنا کر اپنے بازو پر بٹھایا ہوا تھا۔ اس طرح سے کھیلتا دیکھتے رہے کہ گویا وہ چوہا فی الحقیقت زندہ جانور ہے۔ دوسرے دن بروصہ میں جب وہ ہمارے ہوٹل کے پاس سے گذرا تو ہم چہرہ کہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اوس نے ہمیں پہچان لیا اور بازار میں کھڑا ہو کر اپنے اور عجیب و غریب شکلیں بنانے لگ گیا۔

مودانیہ پہونچنے پر ہم نے گھوڑے گاڑی پر بروصہ جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ٹرین کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ گرمی بہت تیز ہو گئی ہوئی تھی۔ اور ساحل سے کچھ دور جا کر ہمیں ایک پہلوان بے شجر گرد آلود سڑک پر چڑھنا پڑا۔ لیکن یہ غنیمت تھا کہ بائیں طرف خوبصورت نظارے برلب خلیج درخشان و دلفریب خوب چمک رہے تھے۔ آخر جب ہم بلندی کی چوٹی کے قریب پہونچے تو شہتوت کے گھنے جھنڈوں کا سایہ آگیا۔ چوٹی سے گذرتے ہی بروصہ کا عجیب و غریب میدان نظر آنے لگ گیا۔ دریا نیلوفر اوسکے کنارہ کنارہ بہ رہا تھا۔ اولمپس کی برفانی چوٹیاں اوسکی پشت پر کھڑی تھیں۔ اور بروصہ کی سفید فصیلیں۔ مساجد اور مکانات کوہ مذکور کے دامن میں گھنی سبزی میں سے چمک رہے تھے جتنی سبزی اس جگہ ہے اوس قدر کسی اور جگہ شاید ہی ہوگی۔ یہاں کی ہوا ایسی صاف و شفاف ہے کہ ہم نے خیال کیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں ہم منزل مقصود پر پہونچ جائیں گے۔ حالانکہ ہم ابھی تک نصف راہ کے پڑاؤ سے بھی بہت دور تھے۔ چوٹی سے نیلوفر کی اترائی بڑی سیدھی ہے۔ اور گرمی نے بہت ستا رکھا تھا۔ جب پڑاؤ آیا تو ہم نے لاکھ لاکھ شکر کیا۔ وہ شمشاد کے درختوں کے جھنڈ میں نالہ کے کنارہ پر بنا ہوا ہے۔ موسم سرما اور اوایل بہار میں یہ دریا بہت زور سے بہتا ہے۔ یہاں سے لیکر بروصہ تک سڑک کی دونوں طرف کل اراضی زیر کاشت اور نہایت زرخیز ہے اوسی شام ہم نے شہر میں تھوڑی دیر سیر کی جس پر ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ سلسلہ کوہ اولمپس کی تین شاخوں پر آباد ہے۔ یہ عمیق گھاٹیاں جن پر اوپر نیچے دونوں جگہ پل بنے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں کو

ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہیں۔ درمیانی آبادی شہر کا قدیم ترین حصّہ ہے۔ اوس کے بلند ترین مقام پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ عثمان و ارخان کی قبریں اور عثمانی سلاطین کا قدیم محلسرا بھی اسی موقع پر ہے آبادی مذکور کے نشیبی حصّہ میں کلاں مسجد اور بازار ہیں۔

مشہور سبز مسجد اور محمد اوّل کی تربت جو برصہ کا درشہوار شمار ہوتی ہے مشرقی شاخ میں جو گوک صو (آب نیلی) درمیانی شاخ سے جدا کرتا ہے۔ واقع ہیں۔ مغربی شاخ "قبور سلاطین" کے لئے مشہور ہے۔ برصہ جسکا نام اوسوقت پروسہ تھا۔ پہلا صوبہ تھا جسے آخر یلدرم بایزید بادشاہ نے رومن فاتحین کے حوالہ کر دیا تھا۔ پلینی خود برصہ کا گورنر تھا۔ اوس کے زمانہ میں یہ بڑا آباد اور بارونق شہر تھا اوسوقت کئی گرم حمام۔ یونیورسٹی اور کتب خانہ وہاں موجود تھے۔ سالہائے دراز تک کبھی اوس پر عیسائی اور کبھی مسلمان قابض رہتے رہے۔ آخر ۱۳۲۶ء میں (دوم عثمانی سلطان) ارخان نے اوسوقطعی طور پر فتح کر لیا اور اوسوقت سے وہ عثمانی سلاطین کا مقام آسایش اور اونکی سلطنت کا دارالخلافہ بن گیا۔ درمیانی شاخ پر رومن عمارتوں کے جابجا آثار باقی ہیں اور بائی زنطینی فصیل کے ٹکڑے کئی جگہ اب تک صحیح سالم کھڑے ہیں۔

دوسرے دن ہم علی الصباح بیدار ہو کر ہوٹل سے باہر نکل گئے۔ کیونکہ برصہ میں مشہور مسجدیں اور مقبرے ہیں۔ اور وہاں کی نسبت عام مشہور ہے کہ سال بھر کے دنوں میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا مسجد اور جدا جدا سیر گاہ ہے۔ کلاں مسجد ٹھیک مربع شکل کی ہے۔ اوس کا نقشہ ابتدائی زمانہ کی مساجد کے مطابق اور قسطنطنیہ کی مساجد سے بہت مختلف ہے۔ جو تقریباً سب کی سب ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔

مسجد کلاں کے پانچ دروازے ہیں صحن کے وسط میں ایک کشادہ میدان بے سقف ہے۔ تاکہ حوض پر دھوپ پڑتی رہے۔ سنبر کے ماسوائے جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار اور بیل بوٹے ہیں باقی تمام مسجد قسطنطنیہ کی مسجدوں کے مقابلہ پر ہمیں بہت ہی سادہ نظر آئی۔ مگر جب سبز مسجد میں داخل ہوئے تو ہم تعجب و حیرت سے دم بخود رہ گئے۔ ۱۴۱۲ء میں سلطان محمد اوّل نے تعمیر کرایا تھا۔ اندرونی دیوار از سر تا پا پرانی وضع کی نہایت خوبصورت میناکاری اور پچی کاری سے مزین ہیں جو زیادہ تر سبز رنگ کی ہیں۔ مسجد کا ایک پہلو اور دروازے بیل بوٹے دار سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ پہلو اسکے دو مینار ہی ہے جن پر چوٹی سے لیکر پاؤں تک پچی کاری تھی۔ یہ ۱۸۵۵ء کے مہیب زلزلہ میں جس سے

شہر کا حصہ کثیر منہدم اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے تھے گر گئے۔ اس مسجد کے سامنے بڑے حصہ کی خوبصورت وادی دور تک پھیلی چلی گئی ہے۔ اور اوس کے قریب ہی سلطان محمدؒ اوّل کا مقبرہ ہے۔ جو سارے شہر کا گویا مکمل منظر ہوتا ہے۔ کسی زمانہ میں وہ اندر باہر دونوں طرف سے پچی کاری سے ڈھنپا ہوا تھا۔ بیرونی پچی کاری متذکرہ بالا زلزلہ میں گر گئی جسکے عوض وافق پاشا نے سبز کھپریلیں لگوا دیں۔ پاشا موصوف نے اپنی گورنری کے زمانہ میں شہر کی بہت کچھ رونق بڑھا دی تھی۔ اس مسجد کے اندرونی حصہ کی پچی کاری کی جو زیادہ تر بیل بوٹوں کی شکل میں ہے خوبصورتی کو بیان کرنا انسان کو حیطۂ اقتدار سے باہر ہے۔

وافق پاشا ہماری سیر سے ماقبل کے سال (۱۸۹۳ء) میں فوت ہوئے تھے۔ وہ نہایت ہیدار مغز اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ہم نے اونکے بے نظیر کتب خانہ کا رومیلی حصار میں معاینہ کیا تھا جب ہم ٹرکی میں تھے اوسوقت یہہ کتب خانہ فروخت کیلئے رکھا ہوا تھا۔ صادق بک نے ہمارے اوس کتب خانہ کو دیکھنے کا انتظام کیا اور ایک معہ پہر اوسکے ہمراہ جاکر ہم رومیلی حصار میں جہاز سے خشکی پر اترے۔ اور اس چھوٹے سے قصبہ کے ڈھلوان بازاروں پر چڑھنا شروع کیا۔ یہہ بازار ایسے ڈھالدار ہیں کہ چلنے والوں کی آسانی کے لئے اون میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ وافق پاشا کے مکان کی چاردیواری ہم نے بلندی کی عین چوٹی پر پائی۔ ہمارے کھٹکھٹانے پر دیوار کا ایک دروازہ کھول دیا گیا اور اندر داخل ہونے پر ہم نے اپنے تئیں ایک باغ میں پایا جسے گلاب کے پھولوں کا انبار کہنا زیادہ بجا ہو سکتا ہے۔ کئی نوکر ہمارے استقبال کیلئے دست بستہ کھڑے تھے۔ ٹرکی میں ملازموں کے لئے کھڑا ہونے کا یہی درست انداز ہے۔ کیونکہ اسکی یہہ ہے کہ فی الفور معلوم ہو جائے کہ اون کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ہم کو مکان کی طرف لیگئے۔ مکان لمبا اور بلندی میں درمیانہ تھا۔ کتب خانہ اوس کے سب سے بڑے کمرہ میں تھا جس کو اوس کے مرحوم مالک نے بڑی احتیاط اور محنت سے جمع کیا تھا۔ اوس میں انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کے بہت سے نایاب پہلے ایڈیشن تھے جن میں سے

۱؎ رومیلی حصار باسفرس کے تنگ ترین موقع پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ کنسٹنٹین شاہ ایران اسی موقع پر باسفرس کو عبور کر کے یورپ میں داخل ہوا تھا۔ قلعہ مذکور محمد فاتح نے عین محاصرہ قسطنطنیہ سے پہلے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چاردیواری اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ اوس کا عربی خط میں بانی کا نام (یعنی محمد) بنگیا ہے ہر برج کی جگہ برج بنا ہوا ہے۔ اور کل عمارت ایسی خوبصورت اور دلفریب ہے کہ الفاظ اوس کی تعریف سے قاصر ہیں۔ مصنف۔

اکثر پرانی مستند کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد گریمر (قواعد) اور ڈکشنریاں (لغاتیں) اور چند بے نظیر قلمی نسخے بھی تھے۔ خوبصورت ظروف چینی مینا کار کھپریلیں اور بہت سی دیگر عجائبات بھی کمرہ میں ادھر اُدھر رکھے ہوئے تھے سب چیزیں فروختنی نہیں۔ نوکروں نے ذکر کیا کہ ایک امریکن نے کل مجموعہ کے لئے بہت بڑی رقم پیش کی تھی مگر وارثوں نے ایسا منظور نہ کیا اور ایسا اچھا موقعہ ہاتھ سے کھو دیا۔ ہمارے چلے آنے سے بھی کئی مہینے بعد تک نیلام جاری رہا۔ اور تھوڑی تھوڑی کتابیں کر کے بیچی جاتی رہیں۔ اور جب عرصہ دراز کے بعد کل مجموعہ فروخت ہوا تو سارا زرثمن امریکن کی پیش کردہ رقم سے بہت کم نکلا۔ ہمارے بیٹے نے بھی ایک نایاب کتاب بہت ہی سستے داموں پر خریدی۔ مگر اس قصہ کو یہیں چھوڑ کر ہم بروصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اوس دن ہم نے صرف ایک اوسجد یعنی بایزید اول کی مسجد اور مقبرہ دیکھا۔ یہ دونوں عمارتیں ایک ٹیلہ پر باقی سب عمارتوں سے علیحدہ یکہ و تنہا حالت کس مپرسی میں کھڑی ہیں۔ بایزید یلدرم۔ (صاعقہ و برق)، فاتح یونان۔ سرویا۔ والیشیا و مقدونیہ علیحدہ سجاتِ ایشیا۔ تیمور شاہ مغلاں سے شکست کھانے اور اوسکے ہاتھ اسیر ہونے سو بعد یہیں دفن ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور تقریباً آٹھ مہینوں تک بایزید کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا رہا حتی کہ وہ دلی رنج واندوہ سے فوت ہوگیا اور اوسکی لاش بروصہ کو بھیجدی گئی۔ عثمانیہ فرمانروایوں میں سب سے اول بایزید نے ہی سلطان کا لقب اختیار کیا تھا۔

اس مسجد و مقبرہ کے معاینہ کیوقت تک گرمی تیز ہوتے ہوتے ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ صادق نے مسقف بازاروں میں پناہ چل لینے کا مشورہ دیا۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور وہاں کوتاہیہ[1] کے ظروف گلی کے چند دلفریب دوکانوں کے معاینہ کئے۔ ان برتنوں کا رنگ و روغن نہایت ہی خوبصورت ہوتا ہے اوسکو دیکھکر طبیعت بے اختیار للچا جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ ہم نے زیادہ خریدنے مناسب نہ سمجھے۔ میں نے جو ایک خوبصورت گلدان خریدا تھا۔ وہ ہوٹل تک پہونچنے سے پہلے ہی چور چور ہوگیا ہم نے بروصہ کے ریشمی کپڑے اور تولئے خریدے۔ وہاں کے تولئے بہترین ترکی تولئے شمار ہوتے ہیں صادق نے بھی اپنے ساتھی یاوروں اور دیگر دوستوں کے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے تحفہ تحایف خریدے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا کہ سورج کی حدت کم ہونے تک

[1] ایشیائے کوچک کا مشہور شہر۔ مترجم

ہلکی سے ہلکی پوشاک پہنے اپنے کمروں میں آرام کرتے رہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے پر ہم گاڑی میں سوار ہوکر درمیانی قصبہ کے بالائی حصہ کو گئے اور قلعہ کے گرداگرد چکر کاٹ کر اوس طویل چبوترہ پر پہونچ گئے۔ جسے واقف باشا نے بنوایا تھا۔ وہاں سے متعدد دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ پائین میں شہر بلند شمشاد سرو اور دیگر بیشمار اقسام کے درختوں کی سبزی سے گہرا ہوا دائیں بائیں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور شہر سے پرے برصہ کی زرخیز وادی دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

عثمان اور اوسکے فرزند ارجمند خاں فاتح برصہ کے مقبرے اس چبوترے کے عقب میں ہیں۔ واقف نے اونکی بھی مرمت کرائی تھی۔ وہ چند ہیاد دینے والے سفید سنگ مرمر کے ہیں اور اندر سے استنبول کے مقبروں کی طرح خوبصورت شالوں اور قالینوں سے آراستہ ہیں۔ عثمان کی دستار میں جو اوسکی قبر کے سرہانے آویزاں ہے طبقہ عثمانیہ کا جو سنہ ۱۸۶۰ء میں عبدالعزیز مرحوم نے قایم کیا تھا، مرصع بالماس تمغہ لگا ہوا ہے اور تمغہ کے ساتھ طبقہ مذکور کی اعلیٰ جمایل معہ ستارہ جو بڑے بڑے ہیروں سے بنا ہوا ہے لٹک رہی ہے۔ گو مقبرہ میں ہر وقت ایک چوکیدار موجود رہتا ہے۔ رات کو یہ نشان و جمایل بغرض حفاظت ایک مضبوط حجرہ میں جو زمین میں ہے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان آرا شمعوں کا معاینہ کرتے ہوئے ہم نے صادق کو دیکھا کہ وہ چند قدم پرے ہٹ کر مودبانہ وضع سے کھڑا ہو گیا اور اپنے سلطان عظیم کی قبر کے پاس جو پہلا عثمانیہ[1] خلیفہ تھا کھڑا ہو کر دعا مانگتا رہا۔ بعد ازاں ہم مراد ثانی کے مقبرہ کو گئے۔ یہ بھی سادی گنبد دار عمارت ہے اور اوس میں وہ سلطان خواب عدم میں لیٹا ہوا ہے جس نے کئی خونخوار معرکوں میں ہنگری اور البانیا کے جرنیلان اعظم بنیادار اور سکندر بیگ کو شکستیں دی تھیں اور پھر تخت چھوڑ کر صوبہ مگنیشیا میں چلا گیا تھا۔ جہاں[2] اوسکی باقی عمر عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ تاہم مرتے وقت اوس نے غریب آدمی کی طرح معمولی کچی قبر میں دفن

---

[1] یہ غلط ہے عثمان ابوالسلاطین اور بانی خاندان عثمانیہ تھے۔ مگر خلیفہ نہ تھے۔ اول عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اول ہوا ہے زیادہ توضیح کے لئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ۔ مترجم

[2] مراد ثانی کا بحالت عزلت مشینی فوت ہونا درست نہیں۔ اوس نے دو دفعہ بیشک تاج و تخت کو تیاگ کر اپنے فرزند محمد فاتح کو بادشاہ بنا دیا تھا۔ مگر دونوں مرتبہ شاہزادہ کی صغر سنی سے مجبور ہو کر اوسے مہام سلطنت پھر اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ اور وفات کے وقت تک برابر حکمران رہا۔ مترجم

کئے جانے کی وصیت کی جس کی تعمیل کیگئی۔ مگر پھر بھی قبر کی سینڈ کے گرداگرد سنگ مرمر لگادیا گیا۔ اور تاکہ اوس پر بارش اور اور دھوپ پڑتی رہے۔ گنبد کو بیچ سے کھلا رہنے دیا گیا۔ یہہ مقبرہ نہایت ہی پُرفضا موقع پر شہر کے شور و شغب سے بالکل علیحدہ ہے۔ "قبور سلاطین" چاردیواری سے گھری ہوئی ہیں۔ ان کے گرداگرد گلاب کے چمن ہیں۔ اور شمشاد کے اتنے اتنے بڑے درخت اون پر سایہ ڈالے ہوئے ہیں کہ انگلستان میں اُنکے برابر ہم نے شمشاد کا کوئی درخت نہیں دیکھا۔ یہہ قبریں تعداد میں آٹھ یا دس ہیں اور معمولی اینٹوں یا پتھر کی ہیں۔ لیکن بعض میں ایرانی دستکاری کی خوشنما کھپریلیں ہی لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مراد ثانی کی عیسائی بیوی کی قبر ہے۔ وہ سرویا کی شاہزادی تھی اور سلاطین کی عیسائی حرموں میں سے ایک وہی ایسی تھی جو اپنا آبائی مذہب ترک کرکے مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ مشہور وکسلانا (روشنک یا خورم) نے جسکی قبر ہم نے قسطنطنیہ میں دیکھی تھی۔ ابتدا میں ہی اپنا مذہب (کلیسیا یونانی) ترک کردیا تھا۔ قبور سلاطین کی چاردیواری میں کئی قبریں شعرا۔ فلاسفروں اور درویشوں کی ہیں۔ جو ابتدائی سلاطین کے درباروں میں بمقام بروصہ جمع رہتے تھے۔ تشفق کے منوار ہونے تک ہم اس خاموش اور پُرتاثیر قبرستان میں ٹہلتے رہے پھر ہوٹل واپس جاکر کھانے سے فراغت پانیکے بعد باغ میں جا بیٹھے۔ اور صادق بک ہمارے پاس بیٹھا ہوا نارگیلہ پیتا رہا۔ اوس کے ملجانے پر سگرٹ یا چرٹ کا نام نہیں لیتا تھا۔

دوسرے دن علی الصباح انگریزی قونصل ہماری ملاقات کو ہوٹل میں آیا اور ہمارے ساتھ بازار میں گیا جہاں صبح کا سارا پہر ہم نے خرید فروخت میں صرف کیا۔ صادق اس معاملہ میں بہت ہوشیار ثابت ہوا۔ وہ دوکاندار کو پہلے اوس کے مذہب کی قسم دیکر دریافت کرتا کہ اوس نے خود فلاں چیز کتنے کو خریدی تھی۔ پھر جیسا مناسب سمجھتا پانچ یا دس فیصدی اوس پر منافع بڑھا دیتا۔ اوسکی امداد سے ہم نے دو فی الواقع نہایت ہی شاندار قالین دو باریک کام کے چاندی کے خربندے (جو تقریباً دو سو برس کے پرانے ہیں اور جنکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ جس شخص کے قبضہ میں ہوں۔ اوسکی دولت و حشمت میں ترقی ہوتی رہتی ہے) دو الماسی مینا کاری پنیس (کالر یا ٹائی کو لگانے کی سوئیاں) ایک نہایت خوبصورت ایرانی مینا کار طلائی تشتری قہوہ کی پیالی کے لئے۔ کچھ مزید ابریشمی کپڑا۔ اور کئی دیگر چیزیں خریدیں۔ بروصہ کا ریشمی کپڑا جو نہایت نرم اور ہلکا ہوتا ہے بلاد مشرق میں بہت

مشہور ہے۔ ہم نے کئی خوبصورت یونانی لڑکیوں کو جو ریشمی کیڑے پالتی ہیں بڑے بڑے ٹوکرے کوئیوں سے بھر کر کارخانوں کو لیجاتے دیکھا۔ ان کیڑوں کی پرورش اور ریشم کے بنانیکا کام بالکل یونانیوں کے ہاتھ میں ہے جب ہم برصہ میں تھے تو ان دنوں حساب اوسط ایک لاکھ کوئیے یومیہ ارد گرد کے دیہات سے برصہ لائے جاتے تھے۔ تشکر گاہ میں ہم نے عورتوں کو یہہ کوئیے بازار بھیجنے کے لئے کاتتے بھی دیکھا۔ وہ سبک دھاری دار ریشمی گاچ جس سے قابق جیوں کی قمیصیں بنائی جاتی ہیں برصہ میں ہی بنتی ہے۔

سہ پہر کو ہم پیر قوفصل کے ہمراہ سیر کو نکلے اور پہلے سلطان مراد اول کی مسجد کو گئے وہ موضع تشکر گاہ[1] کی سڑک پر ہے۔ یہہ مسجد صرف اس لحاظ سے قابل دید ہے کہ مسجد کی بجائے وہ زیادہ تر عیسائی راہب خانہ کے مشابہ ہے۔ سوفتاؤں یعنی مذہبی طلبا کے حجرے مسجد کا جزو ہیں اور حسب معمول صحن سے جدا نہیں بنے ہوئے۔ بنابریں طلبا اپنے حجروں میں ہی بیٹھے جمعہ کی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں اس سلطان کے مقبرہ میں ہم نے بہت بڑی سی دیگ دیکھی۔ وہ ہر وقت غلّہ سے پُر رہتی ہے۔ اور یہہ غلّہ لوگوں کے پاس فروخت کیا جاتا ہے۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تخم کے ساتھہ اگر اس دیگ کے غلّہ سے چند دانے ملا دیئے جائیں تو فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس مسجد کے برآمدہ سے علاقہ کا اچھا نظارہ ہوتا ہے اس میں سنگ مرمر کا ایک فوارہ ہے جسکی ایک ٹونٹی سے سرد اور دوسری سے گرم پانی اسی طرح سے ایک سوسرد ایک سو گرم پانی نکلتا ہے۔ قدما کو کئی ایسے چشمے معلوم تھے جن میں سرد اور گرم پانی بالکل قریب قریب ہوتے تھے۔ ایک ایسا چشمہ ٹرائے میں بھی تھا۔ مگر اب اوس کا نام و نشان تک معدوم ہو گیا ہے۔ صادق بک نے ذکر کیا کہ پچھلے برس میری بیوی حمام کرنیکے لئے تشکر گاہ آئی تھی۔ اوسکی ماں ساتھہ تھی جو اس چشمہ کو دیکھہ کر سخت حیران ہوئی تھی مسجد سے ہم آہن اور گندھک کے مشہور چشموں کو دیکھنے کے لئے موضع تشکر گاہ کو گئے۔ اور وہاں کی ایک سرائے کی سیر کی یہ کئی کے مہینوں میں وہاں کی سرائیں وجع مفاصل اور دیگر اعصابی بیماریوں[2] سے پُر ہو جاتی ہیں۔ ان میں نلوں کے ذریعہ سے ان چشموں کا پانی لایا جاتا ہے۔ یہہ پانی ایک طرح سے خالص گندھک اور آہن ہوتا ہے بعض چشموں کے پانی فہرن ہائٹ تھرمامیٹر کے پیمانہ کے مطابق ۱۷۰ درجہ کی گرمی رکھتے ہیں۔ غالباً تشکر گاہ ہی وہ جگہ ہے جہاں قیصر جسٹینین نے

[1] تشکر تشکی ہیں ٹنڈی کو کہتے ہیں اور گاہ بمعنی موضع۔

محل اور حمام بنوایا تھا اور قیصرہ تہیو دورا چار ہزار آدمیوں کے جلوس سے اس حمام اور محل کو گئی تھی۔

ہم نے سب سے مشہور حمام کی سیر کی۔ یہ تقریباً ۳۵۰ برس ہوئے سلطان سلیمان عظیم الشان کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ جنٹلمین مردانہ حماموں میں اور میں زنانہ میں گئی۔ کل عمارت پر نہایت ہی خوبصورت و سبک طرز اور منقش تربیں رنگ کی مینا کاری ہے۔ بیرونی کمرہ میں بدیع الجمال ترکی خاتونیں غسل کے بعد رنگ برنگ کے نہایت ہی شاندار ریشمی اور سنہری روپہلی پوشاکیں پہنے دیوانوں پر بیٹھی ہوئی ایک دوسری سے باتیں کر رہی اور ساتھ ہی سگرٹ پی رہی اور قہوہ کی چسکیاں لگا رہی تھیں۔ دوسرے کمرہ میں کئی خاتونیں جو ابھی گرم حمام سے باہر نکلی تھیں۔ برہنہ تن باچشمہائے نیم باز استراحت کر رہی تھیں۔ اس کمرہ اور خاص حمام کے کمرہ میں اس قدر گرمی تھی کہ میں چند لمحوں سے زیادہ وہاں نہ ٹھہر سکی۔ حمام کے کمرہ میں بہت بڑا حوض ہے جس پر اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ اوس کے گرم پانی میں عورتیں ادھر اُدھر تیرتی پھرتی تھیں۔ اور اونکی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اونکے جسموں کی چندھیا دینے والی سفیدی کے مقابلہ عجیب سحر بخش کیفیت دکھا رہی تھیں۔ حماموں کے پائیں میں اوس جگہ جہاں کہ پانی گرتا ہے ہم نے لوہے کا اتنا بڑا انبار دیکھا کہ خاصی چھوٹی سی پہاڑی معلوم ہوتا تھا۔ حمام سے نکلکر ہم گاڑی میں اوس سڑک پر چڑھ گئے جسے پہاڑی کے ڈھلاؤ پر دافق پاشا نے بنوایا تھا۔ اوس سڑک سے دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ ہم تقریباً عین مغرب کے وقت جاکر آخر موضع انکا آیا پہنچ گئے وہاں سے جھیل اپولونیا کا جو موضع مذکور سے بہت نشیب میں ہے اور نیز جنگل کا جو چاروں طرف کئی میلوں تک چلا گیا ہے عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ انکا آیا میں شمشاد کا ایک درخت ہے جو پانچ آدمیوں کے گھیرے میں نہیں آتا۔ ہم کچھ دیر اوسکے نیچے بیٹھ کر شہوت کہاتے رہے جو گاؤں کے لڑکے ہمارے لئے لے آئے تھے۔ یہاں تک میرا خاوند صرف صادق بک کے ساتھ اکیلا گاڑی پر گیا تھا۔ اوسنے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ صادق بک کے ساتھ اوسکی اسلام اور عیسویت پر عجیب دلچسپ گفتگو ہوئی تھی جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ صادق قرآن شریف اور اپنے مذہب کے احکام سے پوری پوری واقفیت اور خبر رکھتا ہے اور اپنے پیغمبر کا جان نثار معتقد ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی تعصب کا نام نہیں جانتا۔

واپسی کے وقت یہی عمدہ تفریح ہوئی۔ پہلے ہم قونصل کے مکان پر گئے۔ وہاں اوس نے کوٹا پیچ ظروف گلی کا بہت سا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ اوس جگہ ہم نے اوس قواص سے جو قونصل کے ساتھ

بلکہ نوجوان انگریز مسٹر ہیکلن کی تلاش کرتا رہا تھا بات چیت کی۔ مسٹر ہیکلن کو وہ اولمپس پر گم ہوا تھا
اس واقع کے حالات اکثر لوگوں کو ابھی تک یاد ہونگے مختصر کیفیت یہہ ہے کہ مسٹر ہیکلن اور
انگریزی سفارت کا مسٹر ہارڈنگ بلکہ پہاڑ پر چڑھے تھے۔ مگر تقریباً ایک گھنٹہ بعد چوٹی تک پہونچنے
سے پہلے ہی دونوں جدا ہوگئے۔ کیونکہ مسٹر ہارڈنگ زیادہ چست و چابک ہونیکی وجہ سے مسٹر ہیکلن کی
نسبت زیادہ جلد چڑھ سکتا تھا۔ اوسوقت سے بعد پھر ہیکلن کا پتہ نہیں ملا۔ قواص اور قواص دونوں کی
رائے تھی کہ اوسے وحشی البانوی گڈریوں نے جو پہاڑ کی چوٹیوں اور مرغزاروں پر اپنے ریوڑ چراتے ہیں
قتل کر دیا اور جب ترکی گورنمنٹ نے تلاش شروع کی تو نشان معدوم کرنیکے لئے اوس کی لاش کو
جلا دیا۔ کل جستجو سے صرف ایک ذرا سا نشان ملا تھا۔ قواص نے بتایا کہ ایک جگہ مجھے بہت سے قدموں کے
کھوج دکھائی دیئے جن سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند آدمیوں میں یہاں جھگڑا ہوئی ہے۔
اوس جگہ کو کھودنے سے مجھے چند انگریزی سکے دستیاب ہوئے۔ مگر جرم گڈریوں پر ثابت نہ ہوسکا۔ اب
آئین کے قبیلے لوگوں کو سچ سمجھ کر کہ وہ اولمپس پر چڑھنا چاہتے۔ ترکی گورنمنٹ محافظت کے لئے کوئی
آدمی ساتھ نہیں دیتی۔ مسٹر ہارڈنگ اور ہیکلن کے ساتھ کوئی راہبر بھی نہ تھا۔ دوسری صبح ہم
بروصہ سے ریل پر روانہ ہوگئے۔ ایک بلا چھت کی کھلی گاڑی ریزرو کرا لیگئی تھی۔ اوس پر تکلف
کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور اوپر سائبان پڑا ہوا تھا۔ جس سے ہماری نظر چاروں طرف کام کر سکتی
تھی۔ راستہ بڑی عمدگی سے طے ہوا۔ کھیت لہلہا رہے تھے اور دہقانوں کی جھونپڑیاں جا بجا بنی ہوئی
تھیں مودانیا کی طرف کی ابتدائی کے وقت راستہ زیتون۔ انجیر۔ انگور۔ اخروٹ۔ شاہ بلوط۔ اور سفید
شہتوت کے درختوں کے بیشمار جھنڈوں میں سے گذرتا تھا۔ شہتوت کے درخت ریشمی کیڑوں کی پرورش
کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ قونصل اور ریلوے لائن کا انجنیر مودانیا تک ہمارے ساتھ آئے۔ وہاں
انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ جہاز کا کپتان ہیگن معہ تیم جہاز پر موجود تھا
اور ٹھیٹھ انگریزی طرز کا ناشتہ ہمارے لئے تیار کیا گیا ہوا تھا۔ اس ناشتہ سے صادق بہت محظوظ ہوا۔
انگریزی جنگی جہاز کے دیکھنے سے بھی اوسے بڑی خوشی ہوئی۔ واپسی کا بحری سفر بھی مزے
سے طے ہوا۔ جہاز گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب لنگرزن ہوا۔ اور صادق بک وہیں سے
سلطان المعظم کو ہماری واپسی اور اس امر کی اطلاع کرنے کے لئے کہ ہم اس سیاحت سے کمال

محفوظ ہوگئیں اور نیز ہماری طرف سے شکریہ عرض کرنے کیلئے سیدھا محل ہمایوں کو روانہ ہوگیا۔

۱۴۔ امام حسن و حسین

دنیا میں بعض ایسی چیزیں ہیں کہ دیکھنے سے پہلے تو خیر وہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہی ہیں مگر دیکھ لینے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں۔ یہ امر ہم پر قدیم زمانہ کی افسانہ نما روایتوں سے ہی نہیں بلکہ تاریخ سے بھی واضح ہے کہ بعض اوقات مذہبی خبط ایک قسم کی مجنونانہ دلاوری ہو جاتا ہے اور چشم دید معتبر شاہدوں کے بیان موجود ہیں کہ اُنہوں نے لوگوں کو مذہبی دیوانگی کے جوش میں اپنے جسموں کو خوفناک اذیتوں اور ضربوں پہونچاتے اور دوسروں پر مظالم ناگفتہ توڑتے دیکھا ہے مگر بسا اوقات ان تذکروں کی پوری ماہیت پر غور کرنے کے بغیر ہم سرسری نظر سے انہیں عبور کر جاتے ہیں اور دل میں خیال کر لیتے ہیں کہ وحشت کا جبلی خاصہ یہی ہے۔ اور اگر وہ تذکرے نسبتاً زیادہ مہذب اقوام کے متعلق ہوں تو یہ قیاس کر لیتے ہیں کہ ایسی حرکات بدمستی اور شراب کے نشہ کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔ مگر قسطنطنیہ کے موجودہ باشندوں کو کوئی شخص وحشی نہیں پکار سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نشہ آور چیزوں کا ہمارے نسبت وہاں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ تاہم امام حسن و حسین کے ماتم کے دنوں میں جو کچھ ہم نے وہاں مشاہدہ کیا اور جو ہر سال محرم کے پہلے دس دنوں میں وہاں ہر ایک شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اُس پر اعتبار کرنا ایسا مشکل ہے کہ انسان اوسکی کیفیت بیان کرنیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بتا دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ترکوں کا اس عجیب و غریب طریق اظہار رنج و ماتم میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن سلطان المعظم اس خیال سے کہ متعصب گنے جائیں اس طریقہ کو بند کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ کام زیادہ تر ایرانیوں کا ہے۔

قسطنطنیہ کے ایرانی باشندوں نے ترکی حکومت میں ایک طرح کی خود اپنی حکومت قایم کر رکھی ہے اور وہ ہر سال ان مذہبی مظالم کو مشاہدہ کرنیکے استحقاق سے ہرگز دست بردار نہیں ہونا چاہتے۔ ہمیں اس ماتم کو دیکھنے کے لئے ایرانی سفیر نے مدعو کیا تھا چنانچہ ہم شام کے قریب ایک بڑی خان میں جو مربع شکل کی اور چاروں طرف سے دوکانوں اور مکانات سے گھری ہوئی ہے جا پہونچے۔ وہ خلقت سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اوسکے صحن میں وسعت بھی موجود ہیں۔ تاریکی پڑنے پر مکانات

میں چراغاں کیگئی اور سر اور میں بڑی بڑی مشعلیں روشن کیگئیں جن پر زیادہ تر مٹی کا تیل ڈالا جاتا تھا۔ مٹی کے تیل، دھوئیں، مشعلوں اور انسان کے جسموں اور پسینوں کی بو سے کھلے میدان میں بھی ٹھیرنا سخت مشکل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد باجے کی آواز سنائی دی اور لوگوں نے ایک بڑے جلوس کے لئے راستہ کر دیا۔ اس میں ایک ہزار سے زیادہ مرد اور لڑکے تھے۔ جلوس کے آگے آگے سفید پوش اطفال تھے جن میں سے بعض گھوڑوں پر سوار تھے اور بڑی عمر کے مرد پیچھے پیدل تھے اون کو تھامے ہوئے تھے۔ یہ سب کے سب چیختے چلاتے۔ اور روتے دھوتے طرح طرح کی حرکتیں کرتے جاتے تھے۔ اس جلوس کے بعد تین اور جماعتیں گذریں سب کی قمیصیں سفید رنگ کی تھیں۔ بعض کے ہاتھ میں تلواریں اور دوسروں کے پاس لوہے کی ہماری ہماری زنجیریں تھیں۔ کل سُر کے ساتھ باری باری یا حسین یا حسین پکارے جاتے تھے۔ پہلی جماعت یا حلقہ والے اپنی پیٹھ چھاتیوں کو پہلے دائیں اور پھر بائیں ہاتھ سے پیٹ رہے تھے۔ دوسری جماعت اپنی زنجیروں کی ایک طرف سے دوسری طرف ہلاتی ہوئی اس طرح سے موزوں حرکت کرتی ہوئی گذری جس طرح ہمارے ہاں ناچ میں ہوتی ہے۔ تیسری جماعت دو لمبی قطاروں میں تھی۔ جو ایک دوسرے کے بالمقابل پہلو کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہر ایک نے بایاں ہاتھ اپنے ہمسایہ کے کمربند میں ڈالا ہوا تھا اور دائیں ہاتھ سے سب کے سب ایک ساتھ تلواریں ہلا رہے تھے۔ ان دونوں قطاروں کے بیچ میں بہت سے آدمی تھے جو امام حسن حسین کی داستان پڑھتے جاتے تھے۔ یہ کل جلوس آہستہ آہستہ خان کی صحن کے گرداگرد چکر لگا کر پہر اوسی دروازہ سے جس سے داخل ہوا تھا باہر نکل گیا۔

ہم حیران ہو رہے تھے کہ جلوس میں تو کوئی ایسی بات نہیں دیکھی گئی جس سے کچھ خوف معلوم ہو پھر ہمیں کیوں کہا گیا تھا کہ یہاں صرف مضبوط دل کے آدمیوں کو آنا چاہئے۔ جلوس یہاں سے نکلکر جب تک کسی دوسرے خان کا چکر لگاتا رہا ہم نے نہایت ہی خوف چار سے اپنے تئیں تانہ دم کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد پہر باجے کی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ بلند اور متوحش تھی۔ اور جو لوگ صحن میں موجود تھے اون کے چہروں پر بھی جوں جوں جلوس خان کے قریب پہونچتا گیا سخت تحریک اور ملال کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔ جلوس پہر سر اور میں داخل ہو گیا مٹی کے تیل کی مشعلیں لگے آگوش نہیں مشعلوں کے بعد بدستور سابق خورد سال لڑکے تھے۔ اون کے پیچھے ایک سفید گھوڑے پر دو فاختہ تھیں جن سے امام حسن حسین کی دو بیٹیاں مراد تھیں۔ ہائے۔ دائی اور حسن حسین کے نعرے بتدریج زیادہ بلند

ہوتے گئے۔ اور کئی تماشائی بھی ان نعروں میں شریک ہوگئے۔ پہلا حلقہ اس دعا پر ہنسنے سے پہلوں کو ایسی باقاعدگی اور اس زور سے پیٹتا ہوا گذرا کہ یہی معلوم ہوتا تھا بٹے بٹے ہتھوڑے سخت پتھر کے چٹانوں پر گر رہے ہیں۔ دوسری جماعت زنجیروں کو سروں پر سے اپنی پیٹھوں پر جواب نگی آہیں۔ ایسی بیدردی سے مارتی ہوئی گذری کہ گوشت پھٹ گیا تھا اور خون کی دھاریں بہ رہی تھیں سب سے آخر تلواروں والے آئے۔ وہ اپنے تمام جسم بالخصوص سروں پر سچ مچ تلواروں سے ضربیں لگا رہے تھے خون ان کے بدن سے چاروں طرف اڑ رہا تھا۔ چنانچہ تماشائیوں کو ان چھینٹوں سے بچنے کے لئے کسی قدر پیچھے ہو جانا پڑا۔ اس حلقہ والوں کی سفید قمیصیں چشم زدن میں لہولہان ہوگئیں۔ سر بعینہٖ سرخ ٹوپی کے مشابہ ہو گئے۔ اور فرش پر یہی خون جاری ہوگیا۔ مگر وہ بعالم خود رفتگی اس طرح بڑھے جا رہے تھے جیسے پیڈر پر فوج خیمہ شب ہو ہوش ہو کر بہت کم آدمی گرے۔ ایک ماتم کنندہ عین ہماری آنکھوں کے سامنے مردہ ہو کر گرا۔ آخر کار ایک طرح کی پولیس کی گئی سپاہیوں نے اپنے اپنے سوٹے ماتم کنندگان کے سروں کے اوپر پھیلا دیئے۔ تاکہ ضربیں سوٹوں پر پڑیں اور کہو پولیس کا قصہ ہو کہ وہ مر ہی نہ جائیں کسی پر تشدد کوئی نہیں کیا جا رہا تھا۔ اور بدمستی و خمار کے آثار مطلقاً نہیں پائے جاتے تھے خلقت کا بیحد ہجوم تھا مگر بے ترتیبی کا نام نہیں تھا۔ ہم نے کئی معمر کرخت دعروں کو چلاتے سخت اندوہ بھرے آنسو بہاتے اور بآواز سر امام حسن اور حسین کے نام پکارتے سنا۔ یہ سب لوگ جہاں تک کہ ان کی ظاہری شکل شباہت سے قیاس ہو سکتا تھا۔ ادنیٰ یا ادنیٰ ترین جماعتوں کے لوگ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے اگر کسی سے رونے چلانے کا سبب پوچھا جاتا۔ تو غالباً وہ "آہ حسین" کے سوائے اور کوئی جواب دے سکتا۔ یہ درست ہے کہ اس ہلوس میں چند ایسے بھی ہی تھے جو امام حسن حسین کے واقعات شہادت سے بالکل ناواقف تھے مگر ان کی نظر کوئی شخص متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بلکہ یہ کہ حسن حسین کے نعروں سے جو باقاعدگی کے ساتھ باری باری پکارے جا رہے تھے قصہ خوانوں کی آواز سنائی ہی نہیں دیتی تھی کچھ عرصے کے بعد گرمی اور مختلف اجزائے بدبودیں ناقابل برداشت ہوگئیں ہمیں اندیشہ تھا کہ ازدحام کے اس بحر متلاطم سے جو سب کے سب وحشیوں کی طرح چیختے چلاتے کر رہے اور مہیب خونخوار دکھائی دے رہے تھے گذر کر سرا سے باہر جانا محال ہوگا۔ راستہ بہت تنگ تھا اور ہماری پارٹی میں کئی لیڈیاں بھی تھیں مگر جونہی لوگوں کی نظر محل سلطانی کے یاد پر جو ہمارے ساتھ تھا پڑتی وہ خود بخود ہمارے لئے راستہ کر دیتے لندن میں ہزاروں پولیس والے بھی اس قدر جلد راستہ صاف نہ کرا سکتے جیسی جلدی ہماری یاد داشت

قوامون نے کرادیا جب ہم نے اس ہجوم کی باسلیقگی کی ایک ترکی دوست سے تعریف کی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "بات یہ ہو کہ ہمارے اثر دحاموں میں عورتیں نہیں ہوتیں" ہم اہالیان مغرب کو جو دقتیں درپیش آتی ہیں۔ اُن کے زیادہ حصہ کا باعث ایشیائیوں کے نزدیک عورتوں کی موجودگی ہے اور وہ اپنی یہ رائے بڑے وثوق کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ جب تک ہم یہی عورتوں کو پردہ میں بند نہ کرینگے ہماری حالت کبھی درست نہ ہوگی۔

اس موقع پر اکثر ناظرین سوال کرینگے کہ یہ سینکڑوں ہزاروں آدمی کس لئے آنسو بہا رہے اور "حسین" پکار رہے ہیں۔ اسکے متعلق تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ پنجم خلیفہ امام حسن فرزند فاطمہ (زہرا) وحضرت علی خلیفہ چہارم نے صرف چھ ماہ خلافت کی۔ اور غالباً بیوی کے زہر دینے سے فوت ہوگئے۔ اور امام حسین کربلا کی لڑائی میں عبید اللہ کی شامی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے ۶۸۰ء میں شہید ہوئے۔ سینکڑوں بادشاہ شاہزادے بعینہٖ ویسے حالات کی موجودگی میں اس عالم سے رخصت ہوئے ہیں۔ مگر اب ان کے نام تک دنیا کو یاد نہیں اور کوئی شخص اُن پر آنسو نہیں بہاتا۔ امام حسن حسین پر ان آنسوؤں کے بہانے کی اصل وجہ بہت گہری ہے۔ اولاً یہ وجہ مذہبی ہے۔ باوجودیکہ حضرت سرور کائنات اپنی اُمت کو بار بار سناتے اور سمجھاتے رہے کہ "میں بھی محض تم سا بشر ہوں۔ مجھ میں اور تم میں بلحاظ بشریت کوئی فرق نہیں" تاہم وہ زمانہ گذرا تھا کہ لوگوں کا اونکی نسبت یہ اعتقاد ہوگیا کہ خداوند کریم نے اون کو سب چیزوں سے پہلے جبکہ ابھی آسمان و زمین۔ نور و ظلمت۔ آفتاب و ماہتاب یا بہشت و دوزخ بھی موجود نہیں ہوئے تھے پیدا کیا تھا۔ آنحضرت کے وصال کے وقت اونکی اولاد میں سے فقط حضرت فاطمۃ الزہرا زوجہ حضرت علی و مادر امام حسن و حسین زندہ تھیں۔ خوش اعتقادوں نے نبی کریم کی رحلت کے بعد جلد ہی ان چاروں کی پیدائش کو بھی ویسا ہی سمجھ لیا جیسی کہ آنحضرت کی پیدائش سمجھی گئی تھی۔ بنابریں اونکا مقابلہ کرنا یا انہیں کسی کو قتل کرنا بہت گناہ کبیرہ شمار ہوتا تھا۔ اون کے رگ و پے میں حضرت کا خون بہتا۔ اور اس مقدس خون کو بیٹے سے بڑھکر کوئی نگین جرم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ہے کہ امام حسن و حسین سے مذہبی تعلق ہونے کی۔ جو دونوں قتل کئے گئے تھے۔ حالانکہ اون کو حضرت سرور کائنات سے خاص قرابت تھی۔ علاوہ بریں امامین کا واقع اس امر سے رقت انگیز بھی بہت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بعالم جوانی شہید ہوئے۔ اور قومی شعرا اون کو بہت سے اوصاف کا جامع بتاتے ہیں۔ ایران میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں ہوتی ہیں جو قسطنطنیہ کے طریق ماتم سے بہت مختلف ہیں۔

سر لوئیس پلی مرحوم نے کئی مرثیوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ان مرثیوں میں امام حسن اور بالخصوص امام حسین کو قومی شہید اور ہیرو بتایا گیا ہے اور دنیا میں کوئی خوبی نہیں جو اونکی طرف منسوب کیگئی ہو۔ آخری لڑائی سے جس میں امام حسین شہید ہوئے ایک دن پہلے یہی فریق مخالف نے جب اون کو اطاعت مان لینے کا پیغام بھیجا تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ رات کے وقت اونکی ہمشیرہ روتی ہوئی آئیں اور کہا۔ "افسوس ہمارا خاندان برباد ہو گیا۔ میری ماں فوت ہو چکی ہیں اور نیز میرا والد علی اور میرا بھائی حسن۔ وائے بر بربادی گذشتہ۔ اور وائے بر بربادی آئندہ!" اس کے جواب میں امام حسین نے فرمایا "بہن خدا پر بھروسہ کرو۔ اور یاد رکھو انسان مرنیکے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ زمین و آسمان بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے ہر ایک چیز سوائے خدا ہی کی ذات پاک کے جس نے اپنی قدرت سے اون کو پیدا کیا اور اپنی قدرت سے اون کو معدوم کریگا صفحہ ہستی سے معدوم اور پھر اوسی کے پاس پلٹ جائیگی۔ میرا باپ میری ماں اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ اون کے لئے اور ہمارے لئے اور نیز کل مسلمانوں کیلئے رسول اللہ کی نظیر موجود ہے اس کے بعد امام ہمام نے اپنے سپاہیوں کو کہا۔ تم چلے جاؤ اور مجھ اکیلا چھوڑ دو۔ دشمنوں کو صرف میری ضرورت ہے۔ مگر اون سب نے انکار کر دیا کہ ہم آپ کے ساتھ اپنی جانیں نثار کریں گے۔ اس پر امام گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ قرآن شریف سامنے رکھ لیا۔ اور آواز بلند پکارا "اے الٰہ العالمین ہر مشکل میں تو ہی میرا بھروسہ اور ہر مصیبت میں تو ہی میری امید ہے" حضرت کی ہمشیرہ اور لڑکی رونے لگ گئیں۔ لیکن امام کا حوصلہ و استقلال برابر مضبوط رہا۔ اسی وقت دشمن کے چند سوار سپاہیوں کو چھوڑ کر امام سے آملے۔ مگر پھر بھی امام کی فوج اعداء کی جمعیت کے مقابلہ پر کچھ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ امام حسین کے سر کو زخم پہونچا اور وہ اپنے خیمہ کو واپس آگئے خون کی دھار زخم سے جاری تھی۔ وہ زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے معصوم لڑکے کو گود میں لے لیا۔ وہ حضرت کی گود میں ہی تھا کہ تیر کے لگنے سے ملک بقا کو راہی ہو گیا۔ باپ نے اپنے بچے کی لاش کو زمین پر رکھ کر بلند آواز سے کہا "اے الٰہ العالمین مجھ ان مصیبتوں کو برداشت کرنیکی طاقت بخش" پھر وہ پانی پینے کے لئے فرات کی طرف بڑھے۔ اعداء نے تیروں کی بوچھار کی جن میں سے ایک سے دہن مبارک زخمی ہو گیا۔ امام کھڑے ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ خود سال بھتیجا دوڑ کر چچا کو لپٹ گیا۔ اوس کا ایک ہاتھ تلوار سے کٹ گیا۔ امام یہ دیکھ کر رو پڑے اور کہا "پیارے بچے اس کا اجر تجھے اپنے آباؤ اجداد کے پاس بہشت میں ملیگا"۔ امام نے کو وہ سخت زخمی

اور خون کے سبب سے بیہوش ہو رہے تھے۔ اعدا پر شیر کی طرح حملہ کیا۔ وہ جلد شہید ہو گئے اور انکی لاش دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندی گئی۔

مندرجہ بالا واقعات تاریخی لحاظ سے ٹھیک ہوں یا نہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سٹیج پر انکی نقل اتاری جائے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جائیں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے مناظر کے بغیر ہی جس سے کہ انسان کے دل پر براہ راست اثر پڑ سکتا ہے۔ ان سینکڑوں درشت مزاج۔ اکھڑ اور وحشی خصال آدمیوں پر یہ خود فراموشی کس طرح اور کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو زدوکوب اور ضربات شمشیر سے زخمی کر کے قریب المرگ ہو جاتے ہیں۔ اور ادھر ہزارہا دوسری مخلوق بے اختیار رو رہی ہوتی ہے۔ لیکن خواہ اس معمہ کو ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں یہ نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ اور اکثر سفارتوں کے متعلقین اوس کے مشاہدہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جن میں سے بہت تھوڑے ایسے تھے۔ جو اپنی پوشاکوں پر خون کے دھبے نہ لے کر گھروں کو واپس گئے ہوں۔

ان متذکرہ بالا وجوہات کے علاوہ جو مذہب اور انسانی رقیق القلبی پر مبنی ہیں آنسوؤں کی بہی کم از کم اس پر جوشی کی ایک اور بہی وجہ ہے جو قومی اختلاف پر نہ سہی پولیٹیکل امور پر ضرور مبنی ہے۔ پولیٹیکل (سیاسی) اس لحاظ سے ہے کہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سنی و شیعہ میں سے آخر الذکر آنحضرت کی اولاد علی شوہر فاطمہ اور انکے فرزندان حسن حسین کے سوائے اور کسی کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ابوبکر۔ عمر اور عثمان اونکی نگاہوں میں غاصب تھے۔ اور اموی خلفا یعنی جانشینان معاویہ تو جس نے ۶۶۱ء میں امام حسن سے خلافت لی تھی بدرجہ اولی غضب کنندہ تھے۔ یہ سنی و شیعہ اور سنیوں میں اب کے دم تک موجود ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی اب بہی وہ معمولی جھگڑوں اور بلوؤں کے لئے ہی نہیں بلکہ اہم پولیٹیکل مشکلات و مصائب کے واسطے کافی بہانہ بن جائے۔

اس پولیٹیکل تفریق میں قومی اختلاف کا بہی کچھ دخل ہونا امکان میں داخل ہے۔ کیونکہ شیعہ زیادہ تر ایرانی یعنی آریا نسل کے اور سنی عرب یعنی سامی نسل کے ہیں۔ عربوں کا خاصہ ہے کہ وہ رسم و رواج قواعد و قانون اور شرع کے پابند باضابطہ ہوتے ہیں۔ برعکس اسکے ایرانی آزاد منش۔ شاعرانہ مزاج اور فلسفیانہ طبیعت کے ہیں۔ عربوں نے گو ایرانیوں کو مغلوب کیا تھا۔ تاہم آخر الذکر عرصہ دراز تک دماغی تعلیم و

تربیت کے معاملہ میں اپنے فاتحین کے اُستاد اور معلم رہے ہیں قسطنطنیہ[1] میں شیعہ وسنی دوش بدوش اور بظاہر صلح وآشتی سے رہتے ہیں۔ مگر ایرانیوں کو رنجیدہ خاطر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ وہ نفی الضرر بر سر فساد ہو جائیں اگر اون کو اس قومی ماتم سے روکہ دیا جائے۔ تو گو باقی تمام دُنیا اس وحشیانہ دستور کی موقوفی کو بہت پسند کرے لیکن وہ اسو اپنی سخت دلآزاری سمجھیں۔ ہر ایک مشاہدہ کنندہ جان سکتا ہے کہ جب یہہ ہزار ہا آدمی چند گھنٹوں کے لئے محض حسن حسین کے نعرے مارنے سے ایسے خود رفتہ ہو سکتے ہیں تو اگر کبھی اسکے عوض کوئی اور کلمہ جسکا مطلب زیادہ واضح ہو مثلاً کفار کو مارو۔ وغیرہ، ورد زبان ہو جائے۔ تو کیسا کچھ خطرہ عظیم پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے خود رفتہ اشخاص کو کوئی چالاک آدمی آسانی کے ساتھ قابو میں لاکر قتل عام پر لگا سکتا ہے۔ اور اغلب خیال ہے کہ اوسوقت یہہ لوگ جطرح حسین پکارتے بازاروں میں لہولہان پڑے رہنے پر ہمہ تن تیار ہو جاتے ہیں۔ اوسی طرح بڑی خوشی سے آخری دم تک لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور موت کو سیاہ چشم کنواریوں (حوران جنت) اور اماہین حسن حسین کے پاس پہونچ جانے کا جو اون کے اعتقاد کے مطابق جنت میں اون کا انتظار کر رہے ہیں زبردست وسیلہ اور ذریعہ سمجھ لیں۔

پروفیسر الیف سکیس ہولر۔

۱۵- ترکی خاتونیں

جو یورپین لیڈی ترکی کی سیر کو جائے۔ جب تک وہ چند حرم سراؤں کا معائنہ نہ کرلے وہ اسجگہ کے باشندوں کی اصلی معاشرت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتی۔ یہہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ ترکی مستورات بیرونی دنیا کو دکھائی نہیں دیتیں۔ اون کو اقتدار بھی کچھہ حاصل نہیں۔ برعکس اسکے چونکہ وہ اپنا سارا وقت گھروں سے باہر اِدہر اُدھر پھرنے پھرانے اور سہیلیوں سے اون کے

[1] قسطنطنیہ میں تقریباً ساٹھہ ہزار ایرانی آباد ہیں۔ اکثر وفاتیں ملازم ہیں۔ بعض تاجر ہیں۔ اکثر کچھہ اور پیشے کرتے ہیں۔ اور بعض فروختی سے حیات بسری کرتے ہیں۔ اور گو شہر کے مختلف حصوں میں بود و باش رکھتے ہیں۔ مگر جہاں اونکی بہت کثرت ہے۔ اس محلہ کو مالدہ خانہ کہتے ہیں۔ ایام محرم میں زیادہ تر اسی محلہ میں دھوم دھام کی مجلسیں ہوتی ہیں اور روضہ خوانی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ مگر یہاں سنہ وتحت اللفظ، وستور بالکل نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ (از سفرنامہ ابو طالب شیرازی)

مکانوں پر جاکر یا اپنے مکان میں ملاقاتیں کرنے پر صرف نہیں کر سکتیں۔ اون کو جوڑنے اور سازشیں کرنیکے لئے بہت وقت ملتا ہے۔ مزید براں یہہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ٹرکی میں رشتوں و ناطوں کا انتظام دونوں طرف سے صرف مستورات ہی کرتی ہیں۔ مردوں کو اس میں کچھہ دخل نہیں ہوتا۔

گو موجودہ سلطان المعظم کی اپنی بیویوں اور کنیزکوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ محض تفریح جسمانی کے کھلونے ہیں اور اپنا سارا وقت اور بہت بیش بہا کپڑے پہننے اور لذیذ کھانوں میں صرف کرتی ہیں۔ لیکن اکثر پاشاؤں کی بیویاں نہایت ذہین و قابل عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی جایداد کے انتظام کی پوری قابلیت رکھتی ہیں۔ اور یہہ تو عام معلوم بات ہے کہ سلاطین کی ماؤں کو بسا اوقات امور سلطنت میں بہت دخل رہا ہے۔ اس وقت ٹرکی میں تمام نوعمر لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں سلطان المعظم نے اس غرض کے لئے زنانہ مدارس قایم کر دیئے ہیں۔ جو بہت عمدہ اور قابل تعریف ہیں۔ لڑکیاں بارہ برس کی عمر تک ان میں تعلیم پاتی ہیں۔ اسکے بعد اون کو پشمیق (باریک نقاب) پہنا دیا جاتا ہے اور وہ پردہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ اس عمر تک وہ اپنے باپوں کے ساتھہ سہ پہر کو سیر کے لئے باغوں کو چلی جاتی ہیں اور بیدھڑک مکانوں سے مدرسہ کو جاتی آتی ہیں۔ امرا کی لڑکیوں کے ساتھہ مدرسہ آتے جاتے وقت حبشی غلام ہوتا ہے۔ مجھے شاہی حرم سرا کے اندر جانے کی دعوت نہیں کیگئی تھی۔ لیکن (شاہی حرم کے سوا) قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں مجھے کئی ترکی حرموں میں جانے کا موقع ملا۔

سب سے اوّل میں ایک جلیل القدر وزیر کی حرم محترم کو ملنے گئی۔ اس ملاقات کا انتظام اون یورپین افسروں میں سے ایک کی بیوی نے جو ترکی کی ملازم ہیں کیا تھا۔ اور خود بھی ازراہ شفقت میرے ہمراہ گئی تھی۔ ہم گاڑی پر سوار ہو کر پیرا کے اوس حصہ کو گئے جو گرینڈ جادہ کبیر، سے پرے محل یلدز کے مقابل واقع ہے۔ گراوس میں اور محل کی حدود میں ایک عمیق کھائی حایل ہے۔ میں نے گاڑی پر سوار ہو کر ہوا خوری کرتے وقت اس لوزاح کے مکانات کی اونچی اونچی دیواروں کو کئی دفعہ دیکھا تھا۔ مگر یہہ کبھی خیال نہ گذرا تھا کہ ان چار دیواریوں میں اکثر وزرا اور اعلیٰ امرا کے حرم بستے ہیں۔ ہماری گاڑی خود وزیر کے مکان یعنی سلاملق کے پاس سے گذرتی ہوئی سڑک سے نیچے اُتر کر ایک بلند درخانہ پر جو اونچی دیوار میں بنا ہوا تھا کھڑی ہو گئی۔ اور ہم اوس میں سے نیچے اُترنے ہی لگی تھیں کہ پھاٹک کھل گیا

اور گاڑی پر ہی آندر آجانے کے لئے کہا گیا۔ کیونکہ باغ میں ابھی تک مالی کام کر رہے تھے۔ اس لئے خاتونان حرم اس میں نہیں آسکتی تھیں۔ گاڑی باغ سے گذر کر ایک وسیع مربع سفید مکان کے دروازہ پر رک گئی۔ مکان کی کرسی بہت بلند تھی۔ اس لئے دروازہ تک کئی سیڑھیاں سنگ مرمر کی تھیں۔ چاروں طرف سے مکان کو حرم سرا کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے تھیں جن پر بلیز کی دیواروں کی طرح بیلیں نہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل برہنہ اور سفید اور ایسی بلند تھیں کہ مکان کی بالائی منزل کے دریچوں سے بھی کچھ دکھائی نہیں دیسکتا تھا۔ پس خوبصورت گھاس کے تختوں۔ درخشاں پھولوں کے چمنوں اور باثمر اشجار کے گل عمارت جیلخانہ کے مشابہ دکھائی دیتی اور معلوم ہوتی تھی۔ مکان کا دروازہ ایک غلام نے کھولا اور ہم ایک لمبے اور تنگ راستہ میں داخل ہوگئیں۔ وہ درمیانی ہال کو جو بہت بلند اور وسیع تھا جاتا تھا۔ ہال کے وسط میں فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ چوطرفہ گملوں میں کھجوروں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اور گرداگرد غلام اور کنیزکیں دست بستہ ایستادہ تھیں کنیزکیں حبشنیں اور سفید رنگ دونوں طرح کی تھیں جو شوخ رنگ کے سوتی پارچات اور سفید پگڑیاں پہنے ہوئی تھیں۔ غلام سب کے سب سیاہ فام خواجہ سرا رہتے۔ جو فراک کوٹ اور فس پہنے تھے۔

ہمیں ایک وسیع و مکلف کمرہ میں جاکر بٹھایا گیا۔ اوس میں ایک شاندار زرد رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا مگر کتاب یا سامان کشیدہ دوستکاری کا نام و نشان نہ تھا۔ نہ اس امر کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔ کہ یہاں کوئی رہتا ہے اور کسی طرح کا کاروبار ہوتا ہے۔ ہمیں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ پاشا کی حرم آپہونچی۔ اوسکی پوشاک یورپین طرز کی تھی جیسکا رواج قسطنطنیہ میں ایسا عام ہوگیا ہے کہ اب صرف شاہی حرم سرا میں دیسی طرز کی پوشاک پہنی جاتی ہے۔ خاتون موصوف کے ساتھ اوسکی جیورانی یعنی وزیر کی بیاہتا بھی تھی۔ آخر الذکر فقط ترکی بول سکتی تھی۔ بنا بریں میری سہیلی تو اوسکے ساتھ ترکی میں باتیں کرنے لگ گئی۔ اور میں نے وزیر کی بیوی سے فرنچ میں گفتگو شروع کردی۔ خاتون کا قد درمیانہ شکل صورت خوشنما۔ اور آنکھیں چمکدار اور بڑی بڑی تھیں۔ اوس نے مجھ بتایا کہ سال میں ایک دفعہ یا زیادہ سے زیادہ دو دفعہ وہ بند گاڑی میں سوار ہوکر ان مہیب دیواروں سے باہر جاتی ہے۔ اسکو سوائے چار دیواری سے کہیں باہر نہیں جاتی۔ اوسوا اپنے باغ اور پالتو جانوروں۔ بلبلوں اور پرندوں سے بہت انس تھا۔ اولاد کوئی نہیں رکھتی تھی جس سے طرف اطلاق کا اندیشہ رہتا تھا۔ کیونکہ اب بہت

کم تر یک دو دو بیویاں رکھتے ہیں۔ وہ فرنچ زبان کے ناولوں کو بکثرت پڑھتی رہتی تھی اور اسی پر اُسکے ان خیالات اور آرائی کا دار و مدار تھا جو وہ یورپین طرز معاشرت کی نسبت رکھتی تھی۔

باتوں باتوں میں اوس نے مجھ سے کہا "ہم تم سے زیادہ خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ہمارے خاوندوں کو کسی اور عورت سے دل لگی ہو جائے تو وہ ہماری کنیزکوں میں سے کوئی نہ کوئی ہوگی جن کو ہم بخوبی جانتی ہیں۔ لیکن تمہارے خاوند فرانسیسی ایکٹرسوں (تھیٹر میں ناچنے گانے والی عورتوں) کو ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ جن کو تم مطلقاً نہیں جانتیں" کنیزکیں پہلوشیرنی وغیرہ لائیں۔ اور پھر سگرٹ۔ مگر میں نے تمباکو نوشی سے نابلد ہونے کا عذر کر دیا۔ سب سے آخر خوشگوار اور مفرح تر کی قہوہ لایا گیا۔ قہوہ کی پیالیاں طلائی پرچوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ خاتون موصوف اچھی گویہ اور باجہ نواز ہے۔ اور اوسکی دیوار کی تصویر نقشہ عمدہ بناتی ہے۔ دونوں کا تالیف خود وزیر تھا۔ جو بہت عمدہ صناع اور فنون لطیفہ میں خوب ماہر ہے۔ مگر موسیقی نوازی بصوری۔ فرنچ ناولوں اور خوبصورت باغ کے باوجود مجھے یہ حسرت بخش احساس ہوتا تھا کہ خاتون موصوفہ بعینہ اوس پرندہ کے مشابہ تھی جو اپنے پروں کو طلائی قفس کی سیخوں سے پھٹپھٹا رہا ہو۔ وہ اتنا زیادہ پڑھ گئی تھی کہ موجودہ حالت پر کبھی قانع نہیں ہو سکتی تھی (یعنی اگر جاہل یا نیم جاہل رہتی تو یہ بندش ایسی ناگوار نہ معلوم ہوتی)

جب تک ہم کمرہ میں رہیں اوسکے تمام دروازے کھلے رہے اور کنیزکیں اون میں سے اندر باہر آتی جاتی رہیں۔ گویا کہ وہ ہماری مسلسل نگرانی کر رہی تھیں۔ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ مالی چلے گئے ہیں جس پر ہم باغ کو جانے ہی لگی تھیں کہ وزیر اور سکا بھائی پہونچ گئے۔ وہ محل سلطانی سے ہماری ملاقات کے لئے جلد واپس چلا آیا تھا۔ ان دونوں کے پہونچنے کے وقت سے اونکی بیویاں بالکل ساکت ہو گئیں۔ اور گو میں نے وزیر کی بیوی کو اوس دلچسپ گفتگو میں جو وزیر اور میرے درمیان ہو رہی تھی شامل کرنے کی کوشش کی۔ مگر قطعاً ناکامیاب ہوئی۔ بعد میں جب میں نے اس معاملہ پر غور کیا تو مجھے اس سکوت کی کنہ یہ معلوم ہوئی کہ ہم مساجد۔ دیگر قابل دید عمارات عجائب خانہ کے قدیم تابوتوں اور قدیم محل سرا کے نوادرات کا ذکر کر رہے تھے جنکو خاتون موصوفہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ آیندہ کبھی دیکھ سکتی تھی۔ میں اس ملاقات سے ان دونوں عورتوں کی حالت پر دل میں سخت رحم کھاتی ہوئی واپس آئی۔ وہ مجھ کو اپنی حالت سے بیحد غیر مطمئن اور ناخوش معلوم

ہوئیں گو خاوند اونکی کمال ناز برداری کرتے تھے اور جو چیز دولت سے میسر ہو سکتی تھی اونکے لئے موجود تھی تاہم اپنا کی اقامت کے دوران میں ایک دن آسٹرین سفیر کی بیوی مجھ سے پاشا دئیں التشریفات کی بیوی کی ملاقات کرانیکے لئے لیگئی۔ پاشا موصوف کا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ اور پانی اوسکی دیوار سے ٹکرا کر بہتا ہے۔ مکان مذکور کا مردانہ حصہ دسلاملق کی طرف ہے اور حرمسلاملق کے درمیان خوبصورت باغ ہے جس میں مختلف اقسام کے گلاب کے سینکڑوں پودے ہیں۔ حرم کے گرد اگرد چونکہ کوئی چاردیواری نہیں اوسکی تمام کھڑکیاں جالی دار ہیں۔ ان میں سے اندر کی طرف سے باہر کی چیزیں دکھائی دیسکتی ہیں۔ مگر باہر سے اندر بالکل نگاہ نہیں پڑتی۔ ہم آسٹرین سفارت کی ایک قایق پر گئیں۔ گہناٹ پروایتین حبشی خواجہ سراؤں نے ہمارا استقبال کیا جن میں سے ایک بہت ہی طناز قامت تھا۔ اوسے ہم نے کئی مرتبہ پاشا کی خورد سال لڑکی کے ساتھ سٹیمر پر مدرسہ کو جاتے یا واپس آتے دیکھا تھا۔ ہماری میزبان پہلی منزل کے ایک وسیع کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور چونکہ وہ صرف ترکی بول سکتی ہے۔ اوس کا بھتیجا جو محل سلطانی میں یاور ہے ترجمان کا کام دینے کے لئے اوس کے پاس موجود تھا۔ یہہ خاتون نہایت قابل اور ہوشیار عورت ہے۔ اور گو اوسے اعلی تعلیم یافتہ نہیں کہا جا سکتا تاہم اپنے خاوند کے تمام معاملات کے انصرام اور اوسکی جایداد کے انتظام کی پوری قابلیت رکھتی ہے۔ پاشا موصوف کو خود ان کاموں کیلئے بہت ہی کم فرصت ہوتی ہے۔ اوسکا تقریبًا سارا وقت محل سلطانی ہی پر صرف ہوتا ہے ہم فرانسیسی میں گفتگو کرتی رہیں اور گو ہر ایک بات یاور کی وساطت سے ہوتی تھی گفتگو ایسلئے کے لئے بھی سست نہ پڑی۔ جن حرم سراؤں میں ہم گئیں اون میں صرف یہی ایسا تھا جہاں ناشتہ وغیرہ سے ہماری تواضع نہ کیگئی۔ ہماری میزبان کی عمر چالیس سے پچاس کے درمیان تھی اور وہ اکثر خاتونوں کی طرح مضبوط جسم کی عورت تھی۔ وہ ہلکے اودے رنگ کی ململ کے کپڑے پہنے ہوئی تھی اور گلے میں بڑے بڑے نیلموں کا ہار پڑا تھا۔ سر کے بال سیاہ اور تازہ ترین فرنچ فیشن کے مطابق جوڑا کیا ہوا تھا۔ مکان کی قطع اکثر ترکی مکانوں ایسی تھی جن کے دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ مکان کے بیرونی دروازہ سے گذرتے ہی درمیانی ہال ہے۔ اوس کے دونوں طرف کمرے ہیں اور دروازہ کے مقابل والے سرے پر اوپر جانے کو خوبصورت فراخ زینہ ہے۔ میزبان کی بیوی کی قطع وضع سے مجھے معلوم ہوا کہ

ملہ یعنی نجیب بک جو قدیم محلسرا کی سیر کے وقت ہمارے ساتھ تھا۔ مصنف۔

وہ اپنے حال میں خوش اور نہایت مصروف عورت ہے۔ اوس نے مجھے بتایا کہ وہ اکثر قایق پر سوار ہوکر باہر جاتی ہے۔ یہہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ باہر جاتے وقت وہ نقاب اور فرجہ نہیں لیتی ہے۔ فرجہ سیدھے سادے لمبے گھیرے دار جبہ کو کہتے ہیں۔ جسے تمام ترکی مخدرات جوان ہوں یا معمر باہر نکلتے وقت کپڑوں کے اوپر اوڑھ لیتی ہیں۔ اس سے تمام جسم گردن سے لیکر پاؤں تک ڈھنپ جاتا ہے عموماً یہہ قیمتی اور خوش رنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ مگر باین ہمہ اوس کے بھدا پن میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میزبانہ ہم سے کمرہ کے دروازہ سے ہی رخصت ہوگئی۔ ہال میں اسلئے نہ آئی کہ شاید باغ میں کوئی مرد موجود ہو اور اوسکی نظر ہال کے دروازہ سے جو کھلا ہوا تھا۔ اندر پڑتی ہو۔

اس ملاقات سے چند دن بعد حمدی بک عجائب خانہ قدیم اشیاء کے اعلیٰ مہتمم اور صید آرتابولو کے دریافت کنندہ نے جو عجائب خانہ مذکور کی زیب و زینت ہیں میری۔ میرے خاوند اور ہمارے لڑکے کی دوپہر کے کھانے کی دعوت کی۔ اوس کا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ مگر مکان اور دریا کے درمیان ایک عام شاہراہ حایل ہے۔ خدام ہمکو سیڑھیوں پر سے بالائی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ جہاں ہمارا میزبان اور اوس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہہ کمرہ صنعتی نوادرات مشرقی ساخت کے پردوں اور حسینا کار کھپریلوں کے بے نظیر نمونوں سے پُر تھا۔ حمدی بک کی بیوی فرنچ نسل کی ہے۔ مگر اوسکی پرورش اور تربیت بچپن سے ترکی لڑکیوں کی طرح ہوئی تھی۔ تاہم وہ اپنے خاوند کے دوستوں سے پردہ نہیں کرتی اور کھانے کی میز پر صدر نشین ہوتی ہے۔ تمام مکان کی آرائش یورپین طرز کی ہے۔ چنانچہ اگر اوسکے دریچوں سے باسفرس۔ قایقیں اور دیگر عجیب و غریب شکل کی کشتیاں جو ہر لحظہ سامنے سے گذرتی رہتی ہیں دکھائی نہ دیتی ہوں تو انسان کو یہی خیال گذر جائے کہ مدتر کی میں نہیں بلکہ یورپ کے کسی اور ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ کھانے کے وقت فرنچ زبان میں پرجوش گفتگو ہوتی رہی جس میں خاتون موصوفہ بھی برابر شریک رہی۔ کھانے کے بعد وہ مجھے اپنے گول کمرہ میں لیگئی اور عثملین (مرد) تمباکو نوشی کے لئے مکان کے مردانہ حصہ میں چلے گئے۔ میزبانہ نے باتوں باتوں میں مجھ سے کہا کہ سفر و سیاحت سے تمہیں بہت ہی لطف و خوشی حاصل ہوتی ہوگی۔ اس پر میں نے دریافت کیا کہ کیا تم کبھی اپنے خاوند کے ہمراہ باہر نہیں گئیں۔ یہہ سنکر وہ سچ مچ ششدر رہگئی۔ اور جواب دیا کہ یہہ امر بالکل ناممکن ہے میں کبھی پھوپھو کی سڑک سے بھی اپنے باغ کو جو پہاڑی پر ہے۔ بلا نقاب نہیں گذرتی۔"

ہمارا صادق بک محل سلطانی کے خوش آیند و دلفریب یادگار ہے جو ہر جگہ سلطان المعظم کے حسب الارشاد ہمارے ہمراہ جاتا تھا۔ اس قدر ربط ضبط اور میل جول ہو گیا تھا کہ مجھ اوس کا گھر دیکھنے کی بڑی خواہش ہو گئی۔ گو اوس نے اس بارہ میں ہم سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا اور مجھ معلوم نہ تھا کہ اوس کے کس قدر بال بچے ہیں۔ وہ عرب ہے اور ایک دفعہ باتوں باتوں میں اوس نے ذکر کیا تھا کہ اوسکی بیوی بھی عرب ہے۔ وہ میری اس درخواست سے بہت خوش ہوا۔ اور یہ قرار پایا کہ میں اوسکی بیوی کو دیکھنے کے لئے تہران پیادہ سے پیرا کو جاؤں۔ اوسکا گھر مختصر سا۔ مگر اکثر تہ کی گھروں سے بلند اور اس عمودی پہاڑی کے عین کنارہ پر جو یلدیز کوشک کے مقابل بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی بیرونی دروازہ سے اندرونی حصہ کو تنگ راستہ جاتا ہے جسکی وجہ سے دروازہ سے مکان کے اندر نظر نہیں پڑتی۔ خدام بھی پہلی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ وہ بظاہر صادق بک کی نشست گاہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اوسکے دروازے اور دریچے جالیدار نہ تھے۔ اوس کا سامان آرائش بیدار سادہ تھا۔ گو ایک الماری فرنچ اور جرمن کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ صادق بک نے جرمن برلن میں سیکھی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ رہا تھا اور فرنچ پیرا میں۔ انگریزی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ میں کمرہ میں پہونچی ہی تھی کہ وہ بھی آگیا اور مجھ اوپر لے گیا۔ زینہ کی چوٹی پر اوسکی بیوی کھڑی تھی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت اور درمیانہ قامت تھی۔ آنکھیں خوشنما۔ اور سیاہ بالوں کو جو نیا کو اسطرح ہالہ کئے ہوئے ہے کہ گویا سیاہ ابر رخ آفتاب کو حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ گلاب کا قدرتی پھول لگائے ہوئی تھی۔ وہ سفید ململ کے کپڑے اور سفید ساٹن کی پاپوش پہنے ہوئی تھی۔ جامہ کے گھیر اور حاشیہ پر گلابی رنگ کا ریشمی فیتہ لگا ہوا تھا۔ اور سرخ رنگ کا پٹکا کمر میں پڑا ہوا تھا۔ گلاب کا پھول بھی کمال شوخ ارغوانی رنگ کا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت الماس اور موتی کے زیور پہنے ہوئے تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اس ملاقات کے لئے اوس نے بنسبت سجنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اوسکی نظروں میں میری سیاہ مخملی پوشاک فی الواقع بہت بے حقیقت اور میلی کچیلی دکھائی دی ہوگی۔ جس کمرہ میں ہم گئے وہ چھوٹا سا تھا اور اوس کے دریچوں میں سر سے پاؤں تک جالی لگی ہوئی تھی۔ خاتون موصوف نہایت ہی خوش خورم اور مسرور معلوم ہوتی تھی اور اپنے آقا کو جو اوس کے مقابل بیٹھا ہوا تھا ایسی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی جو عشق کے درجہ کو پہونچی ہوئی تھی۔ صادق بک نے بیٹھتے ہی اس سوال سے گفتگو کو شروع کیا "تمہارا اسکی نسبت کیا خیال ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"کل پیر ہیں اس سے خوبصورت میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی" میرے اس جواب میں ذرہ بھر مبالغہ نہ تھا۔

اوس دن گرمی سخت تھی۔ صادق بک نے ایک دریچہ کا جالی دار بستہ نیچے اتار دیا۔ اس پردہ کے ہٹتے ہی سامنے کی سبز پہاڑی کا خوبصورت نظارہ جس کی چوٹی پر یلدیز محل کی سفید کوٹھیاں اور وہ مسجد ہے جہاں سلطان المعظم سلاملق کے لئے تشریف لیجاتے ہیں۔ میرے سامنے نمودار ہو گیا اور دائیں طرف محلہ بشکطاش کے مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے باسفرس کا پانی چمکتا ہوا دکھائی دینے لگ گیا۔ صادق کی بیوی اُسی وقت اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایسی جگہ بیٹھ گئی جہاں سے اوسی دریچہ میں سے آسمان کے سوا اور کچھ نظر نہیں آسکتا تھا۔

بعد ازاں بچہ کمرہ میں لائی گئے۔ سب سے بڑی تقریباً آٹھ برس کی عمر کی لڑکی تھی جس کے کپڑے اور ٹوپی عجیب و غریب شکل کی تھی۔ وہ ہر صبح مدرسہ جاتی تھی اور سہ پہر کو اپنی ماں سے جوسوئی کے کام میں بالخصوص بہت ماہر ہے موسیقی اور کشیدہ کاری سیکھتی تھی۔ ماں کی طرح وہ بھی صرف ترکی اور عربی بول سکتی تھی۔ صادق نے کہا کہ میں اپنی لڑکی کو کبھی کوئی یورپین زبان نہیں سکھاؤنگا۔ ان سے کیا فایدہ ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنی حالت سے ناخوش ہو جاتی ہیں" مجھے اوس کا یہ قول بالکل درست معلوم ہوا۔ لڑکی سے چھوٹا ڈیڑھ سال کی عمر کا لڑکا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اوسی اوسکی ماں کمرہ میں لائی۔ سب سے آخر صادق کی ساس جو بزرگ پیرانہ سال عورت تھی۔ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا کمال مفرح شربت بادام لائی جو سوئیڈن کے شربت بادام سے بہت ملتا جلتا تھا۔ یہ پیرزن سر پر سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی اور سیاہ رنگ کے نرم کپڑے کی بیڈول سی گون (سایہ۔ پیشواز) پہنے ہوئے تھی۔ میرا دل تو مکان کے دوسرے حصوں کو بھی دیکھنے کو چاہتا تھا۔ مگر درخواست کرنے سے حجاب سے آ گیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ شاید یہ امر گھر والوں کو ناگوار گذرے۔ تاہم میں یہ یقین دل میں لئے وہاں سے رخصت ہوئی کہ یہ کنبہ واقعی بہت خوش ہے۔ خاوند بیوی میں کامل محبت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور بیوی اپنے فرایض خانہ داری کے سرانجام میں ایسی مصروف ہے کہ وہ اپنے حال میں پوری قانع اور سرمست ہے۔ اوسے کسی اور چیز کی خواہش نہیں۔ مگر بعد میں جب صادق بک

اپنے کنبہ کو مفصلات کے ایک موضع میں جو تہرا پیا سے زیادہ دور نہ تھا لیگیا ہوا تھا اوس نے مجھ سے ذکر کیا کہ وہاں اوسے کوئی شغل نہیں۔ اور یہہ مشکل ہو کہ انسان عورتوں کے پاس بیکار بیٹھا رہے۔ اس کا یہہ مطلب ہو سکتا ہے کہ چونکہ عورتیں مردوں سے بہت ہی ادنیٰ حیثیت کی کہی ہیں۔ انسان سارا دن اونکی صحبت میں نہیں رہ سکتا۔

سب سے آخر میں نے جو مکان دیکھا وہ ایک نہایت وسیع خیال ترکی خاتون کا تھا۔ جو سلطان المعظم کی دور سے رشتہ دار ہو۔ وہ اپنی خوبصورت لڑکیوں کو اُن کی عمر پندرہ برس سے بھی اوپر ہو جانے تک مختلف سفارتوں میں جانے دیتی رہی حتی کہ خود سلطان المعظم نے اس معاملہ میں مداخلت کر کے اون کو یشمق پہننے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب بھی جب کبھی مصر یا جزائر شاہزادگان میں رہتی ہیں تو بہت کچھ آزادانہ روش رکھتی ہیں۔ اونکا مکان جو لب باسفورس ہو بہت خوشنما ہو۔ اوس میں ایک بڑا حجرہ کہ دریا کی طرف ہو جو تقریباً کلہم وجینی[1] بیلوں سے ڈھنپا ہوا ہے شیشہ پر مکان کے پاس سے گذرتے وقت مجھے ان اونٹ اون لڑکیوں کے سروں کی جھلک دکھائی دی جایا کرتی تھی جو اوس وقت حجرہ کے بیچ بیٹھی کشیدہ کاری میں مصروف ہوتی تھیں یا سہ پہر کی چائے پیتی ہوتی تھیں جس دن میں گئی۔ لڑکیوں کی ماں باہر گئی ہوئی تھی۔ میں نے اون کو نہایت ہی دلآویز اور کمال خوبصورت پایا۔ وہ انگریزی بہت عمدہ بولتی ہیں اور اونکا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کی موسیقی نواز اور دوسری چابک دست مصورہ ہو۔ اونکی اپنی ہاتھ کی بنائی ہوئی بے شمار روغنی اور آبی تصویریں کمروں میں آویزاں ہیں۔ اُنہوں نے مجھ کو اپنا خاص کمرہ نشستگاہ کہلایا۔ وہ بعینہٖ انگریز لڑکیوں کے کمروں کے مشابہ تھا۔ فرق صرف یہہ تھا کہ فنبٹا بڑا اور زیادہ مکلف اور آراستہ تھا۔ کواڑوں کے تختوں پر قاہرہ کے منظروں کی دستی تصویریں لگی ہوئی تھیں جو ان لڑکیوں نے خود بنائی تھیں اور میزوں پر بکثرت عکسی تصویریں سجی ہوئی تھیں۔ ان کمروں کو دیکھنے سے فوراً معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی پابندی اور محبوسیت کو حتی الامکان خوشگوار بنانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ خوش نہیں۔ چھوٹی کی سگائی ایک سخت بدچلن شخص سے کر دیگئی ہوئی تھی۔ لڑکی سے چلا آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اوس نے اس رشتہ کو توڑ دیا ہو۔ اوسکی باتوں سے واضح ہوتا تھا کہ وہ شادی کے خیال سے متنفر ہے اور حتی الامکان بیاہ کو معرض التوا میں ڈال رہی ہے سہ پہر کی چائے ہم نے پانچ بجے حجرہ کہ پیچھے کر نوش کی۔ وہاں سے وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھیں۔ مگر خود بخوبی

[1] ورجینیا صوبجات متحدہ امریکہ کی ایک ریاست کا نام ہے۔ مترجم۔

نہیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ وہ ہر شام قایق پہ سوار ہوکر دریا کی سیر کو نکلتی ہیں۔ اون کے نقاب اور خاتونوں ایسے دبیز نہیں ہوتے ہیں چنانچہ اس ملاقات کے بعد میں اون کو اکثر پہچان لیا کرتی تھی۔ میں جب اونکی آیندہ زندگی کی ناخوشی اور بے اطمینانی پر خیال کرتی ہی تو مجھ اونکی حالت پہ بہت ہی رحم آتا تھا۔

ترکی خاتونوں کی طرز معاشرت کی یک سوادی اور یک آہنگی کی پوری پوری کیفیت ہم باشندگان مغرب محسوس نہیں کر سکتے۔ ہر عورت کیلئے امیر ہو یا غریب جسکو اپنی عزت کا کچھ بھی پاس ہو لازمی ہے کہ وہ غروب آفتاب کیوقت تک اپنے گھر میں پہونچ جائے۔ اب ایک طرف جاڑے کی کٹھن اور نہ ختم ہونے والی شام اور راتوں کا خیال کرو۔ اور دوسری طرف یہہ کہ کوئی دوست یا سہیلی اوسوقت اون کے پاس نہیں ہوسکتی۔ زنانہ رفقا یعنی سہیلیوں کیواسطے ضروری ہے کہ وہ اوسوقت اپنے اپنے گھروں میں ہوں اور مرد رفیق اونکا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی رہے اپنے کنبہ کے مرد۔ وہ بھی عورتوں کی صحبت میں بہت کم بیٹھتے ہیں۔ یہہ کیفیت دیکھکر ہم مغربی عورتوں کو اپنی ترکی بہنوں کی حالت پہ بہت رحم آتا ہے۔ مگر امید ہے کہ جوں جوں ترکوں اور یورپینوں میں میل جول بڑہتا جائیگا۔ عورتوں کی طرز معاشرت میں ضرور تغیر ہوتا جائیگا۔ اور جس طرح مردوں نے مشرقی پوشاکیں اتار دی ہیں ایک وقت ایسا آجائیگا (جو خدا کرے کبھی نہ آئے بمترجم) کہ عورتیں شیمیں اور فرجہ کو دور کر دینگی۔ اور اون کے ساتھ ہی اون کی تنہائی اور پردہ داری کا بھی خاتمہ ہوجائیگا۔ وہ نوجوان ترک جنہوں نے برلن۔ پیرس اور وایناہیں تعلیم پائی ہے۔ شادی سے پہلے یہہ کہتو سنے جاتے ہیں کہ ہم اپنی بیویوں کو پردہ میں نہیں رکہینگے۔ وہ آزاد رکہی جائینگی۔ لیکن جب موقع آجاتا ہے تو وہ سب کے سب رسم و رواج کی پابندی کے سامنے چون نہیں کرتے۔ نہ اعلیحضرت عبدالحمید خان کی عہد حکومت میں تغیر کی کوئی امید ہی ہے۔ عورتوں کے پردہ کے متعلق اونکی رائے بہت ہی سخت ہے۔ اور مشکل کوئی ایسا برس گذرتا ہے جس میں شیمقوں کے اور

لہ لیڈی مارکے خیالات چونکہ مذہبی پر مبنی نہیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کو اون سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ ہمارے رسم و رواج اور خیالات کو اچھی طرح نہ سمجھ سکنے کے باعث معذور سمجھی جاسکتی ہیں۔ اور کمال خوشی کا مقام ہے کہ جو امید لیڈی صاحبہ نے اوپر ظاہر کی ہے۔ اسلام کے مخلص خادم اور سچے حامی خلیفۃ المسلمین عبدالحمید خاں کی ذات والاصفات کی طفیل اوسکو پورے ہونیکی کوئی آثار نہیں ہیں بمترجم۔

زیادہ دبیز کرنے اور فرنچوں کو اور زیادہ بیڈول اور گہیرے دار بنانے کی نسبت جدید سلطانی احکام صادر نہ ہوتے ہوں جن خاتونوں کے مکان باسفرس کے ساحل پر ہیں۔ اون کے لئے تو ہوا خوری کے واسطے فائقیں موجود ہیں۔ مگر پیرا کی ہمگیات صرف بند گاڑیوں میں آب شیریں کو جاسکتی ہیں جن کے ساتھ ساتھ گاہ گاہ اون کے خاوند بھی زین سوار ہوتے ہیں۔ مگر وہ گاڑی میں ہو کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کرسکتیں۔ اگر ترکی خاتون کی گاڑی اوس کے خاوند یا فرزند کے پاس ہو گذرے تو وہ بھی اوسوقت اوس کو سلام نہیں کرسکتا۔ اور جبکہ گاڑی کھڑی ہو۔ اوسوقت کوئی شخص اپنی بیوی یا ماں سے بھی ایک لفظ بولنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو پولیس فوراً مواخذہ کرے۔ بڑی سے بڑی عزت جو تم کسی خاتون کی کرسکتے ہو یہ ہے کہ جب اوسکی سواری گذرے منہ پھیر کر اُدھر بیٹھ رہو جب شاہی حرم سرا کی کسی بیگم کی سواری گذرے تو ایسا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ ایک دن ہم (دریا) آب شیریں کے اوس حصہ کے کنارہ پر جو سلطان المعظم کے ایک مفصلاتی محل کے باغ کے پاس ہوتا ہے۔ بیٹھے ہوئے قہوہ پی رہے تھے۔ کہ صادق بک یکبارگی کھڑا ہوگیا اور دوڑ کر پیچھے دریا کی طرف کئی ہوئی ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا۔ اس کا باعث معلوم کرنیکے لئے ہم نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ دریا کے دوسرے کنارہ پر باغ میں ہو سلطانی حرم سرا کی دو یا تین گاڑیاں سڑک پر چلی جارہی ہیں۔ اونکے پیچھے (یعنی کھڑکیاں) اسقدر اُٹھی ہوئی تھیں کہ یہہ دیکھنا ناممکن تھا کہ آیا گاڑیوں میں کوئی شخص سوار بھی ہے یا نہیں۔ تاہم ہماری طرف جس قدر تک تھیں۔ ملازم یا غیر ملازم سب یہی دیکھ رہے تھے۔ اور صرف اُسوقت اپنی اپنی جگہ پر واپس آئے جبکہ گاڑیاں نظر سے اوجھل ہوگئیں۔

پہلے مرد اپنی منگیتر کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شادی کے بعد جب میاں بیوی الگ کمرہ میں جاتے تھے تو اوسوقت پہلی مرتبہ نقاب اُٹھایا جاتا تھا۔ لیکن اب عموماً اس امر کا انتظام کیا جاتا ہے کہ لڑکا اپنی مستقبلہ بیوی کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے بے نقاب دیکھ لے۔ پردہ کی وجہ سے ترکی میں ایسی مہمان نوازی نہیں ہوسکتی جو کہ ہم لوگوں کی مفہوم ہے۔ پاشا ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں اور بعض پاشا یورپین شرفا کو بھی اپنے گھروں میں مدعو کرتے ہیں۔ مگر یہہ ظاہر ہے کہ جہاں لیڈیوں کی تواضع و مدارات کیلئے میزبان کی خاتون شریک ضیافت نہ ہو اون کو مدعو نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارہ میں جہاں تک مجھ کو علم ہے صرف حمدی بک ایک مستثنیٰ ہے۔ مگر ساتھ ہی یہہ بات

ہی ہے کہ اوسکی بیوی بلحاظ پیدائش فرنچ ہے۔ تاوقتیکہ وہ مبارک زمانہ آئے جبکہ ترکی عورتیں اپنے والدین اور شوہروں کے ساتھ ہر جگہ آجاسکیں۔ میری رائے میں اعلیٰ تعلیم اون کو صرف بیچین اور ناخوش بنانے کا موجب ہوتی رہی گی۔ اور محض اون عورتوں کی زندگی آرام سے بسر ہوگی۔ جن کو سلطانی حرم سرا کی بیگمات کی طرح کھانے پینے اور پہننے اور ساری عمر نازپروردہ بچّوں کی طرح رہنے کے سوائے اور کسی کام سے سروکار نہ ہو۔

۱۶۔ آخری باریابی بارگاہ سلطانی میں

۹ اگست پہونچگیا۔ ۱۰ کو ہمارا ارادہ روانہ ہوجانے کا تہا۔ مگر اب تک آخری ملاقات کی نسبت ہمیں محل سے کوئی اطلاع نہ ملی تہی۔ صرف یہہ افواہ سننے میں آئی تہی کہ اعلیحضرت کی طبیعت رقیب اعدا کسی قدر ناساز ہے۔ شام کیوقت ہم انگریزی سفارت کو سکرتریوں کے مسکوٹ میں سکرتری خانہ میں جو لارڈ سٹریٹ فورڈ ڈی ریڈکلف[1] کے زمانہ میں انگریزی سفارت خانہ تہا۔ کہانا کہانے گئے۔ اور میز پر بیٹہے ہی تہے کہ ہمیں اطلاع دیگئی کہ صادق بک محلسرا سے پیغام لیکر آیا ہے۔ پہلے وہ ہوٹل گیا تہا اور ہم کو وہاں نہ پاکر مسکوٹ کو آیا ہے۔ ہمارے میزبانوں نے اوس کو کہانے میں شریک ہونیکی درخواست کی جسکو اوس نے خوشی سے منظور کرلیا اور پہر ہمیں بتایا کہ دوپہر کے کہانیکے لئے ہم دوسرے دن دوپہر کے وقت محل میں پہونچ جائیں۔ ہم نے ٹھیک ساڑہے گیارہ بجے اوسے محل سے باہر آملنے کا اقرار کیا چنانچہ دوسرے دن سفارت کی کشتی پر سوار ہوکر دولمہ باغچہ کے کنارہ خشکی پر اُترے اور وہاں سے گاڑی پر محل کو گئے۔ وہاں صادق ہم کو سفرا کی کوشک سے باہر مل گیا۔ وہ ہم کو اوس دروازہ سے آگے لیگیا۔ جس سے اوس کوشک کو راستہ جاتا ہے جہاں ہم نے حاجی علی کو دیکہا اور جلال الدین افغانی سے ملاقات کی تہی۔ ہم اس کوشک کو نہ گئے۔ بلکہ وہ ہم کو ایک لمبی سی پست قامت عمارت کی طرف لیگیا جسکی دیواریں ہلکی سٹی دہنپی ہوئی تہیں۔ اور جو حرم سرا کے اوس دروازہ کی سیدہ میں ہے جس میں سے ہم پہلی سلاملق کے موقع پر گذرے تہے۔ باغ کی جس روش پر ہم چلے جارہے تہے وہ عمارت مذکور کی ایک آئینہ دار دروازہ

---

[1] منشی انگریز مدبر اور ایلچی۔ سر سٹریٹ فورڈ کیننگ اصل نام تہا ۱۷۸۶ء میں پیدا اور ۱۸۸۰ء میں فوت ہوا۔ جنگ کریمیا کے وقت قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تہا۔ مترجم

پر جا کر ختم ہوئی جس کے سامنے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اوسکی سطح روش کی سطح کے برابر تھی۔ اوس سے گذر کر ہم ایک وسیع ہال میں جو بہت ٹھنڈا تہا داخل ہو گئے۔ اوس میں کوئی نوکر موجود نہ تہا۔ مگر صادق بک کو مفصل ہدایات ملی ہوئی تہیں۔ وہ ہمیں ہال میں سیدہا ایک کمرہ کو جو بائیں جانب تہا لے گیا اور ہمیں وہاں بٹھا کر باہر چلا گیا۔ ہمیں اپنے فرزند کو ہمراہ لانیکی خاص طور پر ہدایت کیگئی تہی۔ کمرہ میں شاندار قالین بچھا ہوا تہا اور اودی رنگ کی ریشمی زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تہے چند الماریاں اور چھوٹی چھوٹی میزیں اور بعض دیگر مینا کاری چیزیں بھی جا بجا رکہی ہوئی تہیں۔ ہم نے وہاں کچھ دیر انتظار کیا۔ دوپہر کے وقت ہمیں موذن کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مینار سے نہیں بلکہ باغ میں کھڑا ہو کر اذان دے رہا تہا قرب کی وجہ سے اوسکی آواز معمول سے زیادہ متوحش معلوم ہوئی۔ دور سے سننے پر اوس میں پہر بھی ایک طرح کی نرمی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر کار صادق بک نے واپس آکر کہا کہ سلطان المعظم کی طبیعت درست نہیں اسلئے وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر طعام تناول کرنے سے معذور ہیں۔ پہر ایک اور کمرہ کے جو پہلو سے اندر کیطرف تہا دروازہ کھول دیئے گئے ہم نے ایک چھوٹی سی میز پر کمال لذیذ اور بے نظیر کہانا چنا ہوا پایا۔ میز کے گرد چار کرسیاں بچھی ہوئی تہیں اور اوس کے وسط میں تین بڑے بڑے طلائی بادئے جن پر نہایت نفیس کام تہا ایسے بے نظیر پھلوں سے بھرے رکہے تہے کہ ویسے پہل ہمیں ہپلے کبھی نصیب نہیں ہوئے تہے۔ دیگر ماکولات کے علاوہ مچھلی۔ پلاؤ اور چوزے کا گوشت بھی تہا۔ ہمیں نہایت ہی اعلیٰ قسم کی شامپین بھی دیگئی۔ مگر صادق کے سامنے اوس کے جام نہ رکہے گئے جب کبھی وہ ہمارے ساتھ کہانا کہاتا تہا تو شراب سے ایسا سخت پرہیز کرتا اور کہا کرتا تہا کہ "میں ایسے گناہ صغیرہ تصور کرتا ہوں"۔ کہانے سے فارغ ہونیکے بعد ہمیں اطلاع دیگئی کہ جلالت مآب ہم سے ملاقات کرنیکے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ہم صادق بک کے ہمراہ پہر بڑے ہال کو واپس گئے۔ وہ اوسی جگہ رہا۔ اور منیر پاشا رئیس التشریفات ایک دروازہ سے جو اوس کمرہ کے عین مقابل تہا جس سے ہم باہر آئے تہے۔ باہر برآمد ہو کر ہم کو اپنے ساتھ لیگیا۔ ایک چھوٹے سے کمرہ سے گذر کر ہم سلطان المعظم کے روبرو پہونچگئے۔ جلالت مآب کہڑے ہوئے تہے جب ہم نے قریب پہونچکر فرشی سلام کیا تو حضور ممدوح نے ہم میں سے ہر ایک سے ساتھ مصافحہ کیا۔ پہر مجہے ہاتھ سے پکڑ اپنی دائیں جانب ایک سوفا پر جا بٹھایا اور پرنسیس ہمارا فرزند اور منیر پاشا سوفا کے مقابل تین کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

جلالت آب کو چہرہ پر اوس دن سے جبکہ ہم نے انکو پہلی مرتبہ دیکھا تھا بہت فرق تھا جب وہ سلامتی کو تشریف لیجاتی ہیں تو گو کوئی شخص اون نوجونکی صفوں کو جو ہر ایک کی صف بستہ کھڑی ہوتی ہیں اگ نہیں بڑھ سکتا حضور ممدوح کو ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی (مردود) اونکی ذات پر حملہ نہ کرے۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ سلامتی کو بعد ختم ہونے اونکو دیکھا تھا تو چہرہ مبارک پر اسی تک وہ آثار باقی تھے۔ محل میں وہ اپنی تئیں بالکل محفوظ تصور فرماتے ہیں۔ بنابریں وہ اب محل میں بہت خوش اور کمال مطمئن نظر آتے تھے۔ انہوں نے سلسلہ گفتگو یہہ افسوس ظاہر کرنے سے شروع کیا کہ اونکی طبیعت درست نہ رہی تھی اور ابتک بھی بالکل بحال نہیں ہوئی اسلئے وہ ہم کو اپنے ساتھ کھانا تناول کرنیکے لئے مدعو نہ کر سکے میر پاشا نے حضور ممدوح کے ارشاد کا فرانسیسی میں یہہ ترجمہ کیا کہ "ہمارے معدہ میں کچھ فتور آگیا تھا" یہہ عام مشہور بات ہے کہ جلالت آب ہیضہ کے نام سے کانپتے ہیں پس کوآداب شاہی کے مطابق اونکو ترکی کے سوائے کسی دوسری زبان کی سمجھ سکنے کا اظہار کرنا مناسب نہیں۔ پھر بھی انہوں نے میر پاشا کو فی الفور ٹوک کر ترکی میں کہا جس پر میر نے پہلا فرنچ فقرہ کی اصلاح کر کے دوسرے الفاظ استعمال کئے جنکا مطلب تھا "جلالت آب کی طبیعت ناساز رہی ہے" اسکے بعد حضور ممدوح نے میری نسبت ارشاد فرمایا کہ تمہاری صحت اوسدن کی نسبت جبکہ ہم نے تمکو پہلے دیکھا تھا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس عنایت آمیز ارشاد کا میں بھی جواب دیسکتا تھا کہ آپ ہوا بھی بہت ہی موافق آئی ہے۔ پھر جلالت آب نے ہماری بیٹیوں کو تسلی دی کہ ہمارے چلے جانے سے اوسوقت وہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ اسکے جواب میں ہوشیار بیٹی نے فی البدیہہ عرض کیا کہ کسی اور ملک میں تو ضرور وہ بہت ہی آزردہ خاطر ہوتا مگر ٹرکی میں اوسکی زندگی ایسی خوشی کے ساتھ بسر ہوتی ہے کہ وہ اس مہجوری کو چنداں محسوس نہیں کریگا۔ ہمیں اسبات کا وہم گمان تک بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ عنقریب قسطنطنیہ میں آرمینیوں کا خوفناک قتل عام ہوگا اور اس معاملہ میں اوسکو منصبی حیثیت سے بہت کچھ دخل دینا پڑیگا۔ میزبانوں کے ساتھ سلطان المعظم نے اپنے ملک کے مدارس اور دوسری مساعی جمیلہ کی متعلق جو انہوں نے اپنے سپاہیوں اور اپنی رعایا کی اولاد اڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی تعلیم و تربیت کیلئے اسبارہ میں کی ہیں کشادہ دلی کے ساتھ بحث کی۔ وہ یہہ سنکر بہت خوش ہوئے کہ ہم اونکے ملک کی سیر سے کمال محظوظ ہوئے ہیں ہم نے جلالت آب کا اس اظہار کیلئے بھی شکریہ ادا کیا کہ حضور ممدوح نے صادق بک کو ہمارے ہمراہ کر دینے سے ہر ایک معاملہ میں ہمارے لئے کمال آسانی پیدا کر دی۔ اور بدوران اقامت ہم پر بہ نظر عنایت مبذول رکھی اور ہمارے حال پر کمال شفقت ظاہر فرماتے رہے جب امیر المومنین ہمکو رخصت کرنیکے لئے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اونکی خواہش ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس اونکے ملک میں کچھ عرصہ بسر کرنیکی یادگار موجود رہے جو یادگاری تحائف ہم کو دوسرے کمرے میں ملینگے۔ پھر ہمارے لڑکے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "میں جانتا ہوں کہ انگریزی سفارت کے ممبر کی حیثیت سے تم کوئی تحفہ نہیں لے سکتے۔ مگر میں تمہارے باپ کے بیٹے کو تحفہ دیتا ہوں"

سلطان المعظم دروازہ تک ہمارے ساتھ آئے مگر اسدفعہ مجھے اپنے بازو کا سہارا نہ دیا پھر دروازہ پر میر نے شکر و امتنان کا اظہار

کر کے مؤدبانہ سلام کیا۔ اور منیر پاشا چہوٹے کمرہ دہلیز سے ہم کو بہراہی کمرہ میں لیگیا۔ جہاں ہم نے پہلے انتظار کیا تہا صاحب بھی ہمیں وہیں آملا منیر پاشا نے وہاں سفید لفافہ کا ایک بڑا لفافہ جیب سے نکال کر اوسمیں سے تین پیکٹ جو سفید کاغذ میں بندہے تہے نکالے اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیکٹ دیدیا بیرے خاوند کو طلائی سگرٹ دان تحفہ میں ملا۔ اوس پر سلطان المعظم کا طغرا ہیرے و نمین جڑا ہوا تہا اور حاشیہ پر بڑے بڑے حجم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تہے مجہو ایک نہایت خوبصورت ہیرے کا موباف جوڑ یکو عطا ہوا۔ اسکا ساتہہ ہیرے کا نکاہی بنا ہوا ایک پرندہ تہا جسکی دم مرواریدل کی تہی۔ یہہ پرندہ بطور جگنی گلمیں ہی پہنا جاسکتا ہے۔ اور بیچ سے موباف کے ساتہہ بہی جڑ سکتا ہے جو دونوں طرح نہایت ہی خوبصورت زیور بنجاتے ہیں بیرے لڑکے کو بہی خالص کندن کا سگرٹ دان ملا جس پر سلطان کا طغرا ہیرے میں بنا ہوا ہے یہہ پرفیکٹ سگرٹ دان ہے چہوٹا ہے۔ اوسمیں تمباکو اپنے پاس رکہنے کی اجازت ہے۔ اجازت منگوانی پڑی تہی جو اوسی عطا کر دیگئی۔ ان شاہانہ تحائف کو دیکہہ کر ہماری زبان سے خوشی اور تعجب کے جو کلمات بے اختیار نکل گئے اون کو سنکر منیر پاشا نے کہا کہ جو کچہہ تم نے کہا ہے اوسے میں العفو سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کرنا مجہہ پر لازمی ہے۔ اور اس طرح سے ہمکو اوس غیر معمولی عنایت و نوازش شاہانہ کا جو ہماری اقامت کے کل دوران میں ہمارے حال پر مبذول رہی شکر گذاری ظاہر کرنیکا ایک اور موقع ملگیا۔ ہمیں دروازہ تک منیر پاشا چہوڑ آکر چلے گیا۔ کوئی خادم سامنہ نہ آیا۔ اور ہم محل بلدیہ میں اوسکو بلند مرتبت سکونت گزین کیلئے پسندیدگی و محبت اور رحم کے مخلوط احساس کے دل میں لئے ہوئے رخصت ہوگئے۔

یہہ سمجہہ میں آنا مشکل ہے کہ وہ شخص جو بلا شک و شبہ اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور نہایت ہی دلفریب میزبان گفتگو و تکلم میں کمال خوش اخلاقی ظاہر کرتا رہا اور جو بیحد خواہش دوستی رکہتا ہے کیونکر ایسا ہی آدمی ہے جس نے اور کچہہ نہیں تو کم از کم ارمینیوں کے قتل عام میں چشم پوشی اور مسامحت کی ہے یہہ سب کو معلوم ہے کہ اونکو یورپ سے بہت محبت ہے جب ہم ٹرکی میں ہے تو ہم نے سنا تہا کہ اونکے محل میں ایک کمرہ نہایت خوبصورت اور بیش قیمت کہلونوں سے جو پیرس سے منگوائے گئے ہوئے ہیں بہرا ہوا ہے۔ اور جو نہی وہ سنتے ہیں کہ کسی لیڈی کے ساتہہ اوسکا بچہ بہی شاہی حرمسرا میں آیا ہے تو وہ ان میں سے ایکدو کہلونے بطور تحفہ لیڈی مذکور کو ارسال فرمادیتے ہیں۔ انگلستان میں عام خیال ہے کہ اگر سلطان المعظم چاہتا تو وہ اس مہیب قتل عام کو جو جاسجا اونکے نام سے کیا گیا روک سکتا تہا۔ مگر مجہو اسکا ماننا نہیں کیونکہ کلام ہے جو عیسائی اونکی سلطنت میں رہتے ہیں اونکو بیشمار رعایتیں حاصل ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے بہی اونکے لئے ممنوع نہیں ہیں۔ کئی سفرا اور نیز کئی وزیر عیسائی ہیں اسکی نظیر ہمیں انگلستان بلکہ ہندوستان میں بہی نہیں ملتی سلطان المعظم کو تخت کے ساتہہ ہی ایک ایسی بیش مکالمہ ورثہ میں ملی ہے جسکا بظاہر کوئی مدار کہیں معلوم ہوتا۔ اونکی عیسائی رعایا بلحاظ تعلیم و ذہانت۔ دولت و حشمت۔ اور اقتدار سلطنت کا سب سے زبردست حصہ ہے۔ ادہر ترکی تعداد میں زیادہ اور صلیبی لڑائیوں اور فتح قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی اقوام کو باہمی جھگڑوں کے طفیل ملک کے مالک ہیں۔ ان دونوں حصوں کے تعلقات کچہہ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ ترک اور عیسائی ہر وقت ایکدوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں چنانچہ جب کبہی کہیں بغاوت پیدا ہوتی ہے

تو سلطان المعظم یا اونکے وزرا کیا ایسی حکم دینے کی سزاوار کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ بسطرح ہو بغاوت کو فرو کیا جائے عیسائی خود ہی بتائیں کہ جب وہ دو قومیں جو ایک ہی گورنمنٹ کے تحت ہوں ایکدوسرے سے سخت عناد رکھتی ہوں تو وہاں اور کیا چارہ ہو سکتا ہے؟ ہندو اونکی بہتری اور فلاح کیلئے انگریزی گورنمنٹ نے جو کچھ کیا تھا وہ دنیا سے پوشیدہ نہیں مگر اونکی طرف سے ایام غدر میں جو محض بے محل اور نامناسب بغاوت کی ظہور میں آئی اوسکی کوئی نظیر ہو سکتی ہے؟ پھر اسکے عوض میں جب ہزارہا باغی تو پوں کے سامنے اڑا دیئے گئے تو انبار ملک سے معنی نہیں کہ لارڈ کلیننگ پر پھر بھی سخت اعتراض کئے جاتے رہے تھے کہ اوسنے باغیوں کے ساتھ بہت ہی نرمی کی ہے سلطان المعظم جانتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح بھی اپنی غیر مسلم رعایا کی طرفداری کریں تو یورپ میں اونکی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا اور اونکی مسلمان رعایا اونکے مقابلہ پر اٹھ کھڑی ہوگی۔ ناظرین کو یہ بھی خیال ہے کہ سلطان کی سلطنت میں ایک جماعت نوجوان ترکوں کی بھی ہے جو آجکل عیسائیوں سے بڑھکر اونکی حکومت کیلئے خطرناک ہے۔ اور جو محض اسلئے سلطان المعظم کی فادار چلی آتی ہے کہ جماعت مذکور کو عیسائیوں سے دشمنی ہے۔ ان دونوں قوموں میں ایسا سخت عناد ہے کہ وہ قطعی طور پر کبھی دوست نہیں ہو سکتا صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً عاضی طور پر عناد کی اظہار اور لڑائی میں التوا ہوتا رہے مگر اسکا واقعی خاتمہ صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ یا عیسائی بالکل معدوم کر دیئے جائیں یا مسلمان یورپ سے نکالدیئے جائیں کیا یورپین دل نے اس مسئلہ کو متعلق دست طیرہ اختیار کیا ہے؟ اور کیا انہوں نے صرف عیسائیوں کی حمایت کا بیڑہ اٹھا کر اس امر کو فراموش نہیں کر دیا کہ ترکی رعایا کو بھی بداانتظامی ٹیکسوں کی زیادتی اور کئی دیگر سختیوں کی شکایت ہے۔ فرق فقط یہ ہے کہ ترک ان سختیوں کو عرصہ دراز سے خاموشی اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتے چلے آئے ہیں اور اف نہیں کرتے۔ برعکس اسکے عیسائی مدت سے برسر بغاوت اور شورہ پشت چلے آرہے ہیں اگر دول یورپ پہلے اصرار کریں کہ ٹرکی کی کل طرز حکومت ہی از سر تا پا ایسی خراب ہے کہ اوسے قایم رہنے دینا ناممکن ہے اور یورپ کیلئے باعث شرم ہے۔ اور اگر جب ترکوں کا باسفورس سے دوسری طرف رہنا گوارا کیا جاتا ہے یہ لازمی امر ہے کہ اونکی حکومت تہذیب و تمدن کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو تو اس صورت میں خواہان اصلاح جماعت جو نوجوان ترکی جماعت کے نام سے موسوم ہے اونکی طرف مایل ہو جاتی اور ٹرکی کی عیسائی رعایا بھی یورپین دل سے فرنٹ نہ ہوتی اور پھر یہ مجتمعہ و متحدہ اقتدار اور داؤ کل سلطنت کو لئے دئے ڈائنامائٹ اور بمب کے گولے پھینکنے کے بغیر دربار سلطانی سے ضروری اصلاحات حاصل کر لیتے۔ اور یورپ کو وہ خوفناک قتال عام دیکھنے پڑتے جو حصول اصلاحات کے لئے ناجائز وسایل اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں[1] ✦

ختم شد

[1] لیڈی صاحبہ نے آرمینیوں کے قتل عام۔ نوجوان ترکی پارٹی۔ اصلاحات اور سلطان المعظم کو مشاورانہ ارادہ اور اونکی کارروائی کی نسبت جو کچھ تحریر کیا ہے اوسکے متعلق میں کچھ تحریر کرنے یا لیڈی صاحبہ کے بعض غلط استدلالات اور قیاسات کی تردید کرنیکی کوئی ضرورت نہیں دیکھتا۔ میں اسپارہ میں رسالہ مفرد حصہ مظالم آرمینیا۔ واقعات دوم سبت سالہ عہد حکومت امیر المومنین عبد الحمید خان خلد اللہ ملکہ اور تاریخ خاندان عثمانیہ میں مفصل تحریر کر چکا ہوں

قسطنطنیہ حصہ دوم

(جزو دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسطنطنیہ کی سیاحت اور وہاں کی پُرفضا سینری اور نظاروں کے متعلق انگلستان کے زندہ سیاح اور مشہور مصنف مسٹر مورین کرافورڈ حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:۔

فتح قسطنطنیہ

آنحضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے ارشاد فرمایا تھا "مبارک[1] مغفور ہونگے وہ لوگ جو قسطنطنیہ کو فتح کرینگے" اس موعود مغفرت و برکت کو حاصل کرنے کے لئے بیشمار جان نثار لڑائیاں اور کئی دلیرانہ معرکہ آرائیاں ہوئیں آنحضرت کے صحابی ایوب رضؓ اس فوجکشی[2] میں شہید ہوئے جو سب سے اول ترکوں نے مشرقی رومن سلطنت کے دارالخلافہ کو فتح کرنے کے لئے کی تھی عیسائی مجاہدین نے شہر کو فتح کرکے قدر قلیل برکت حاصل کی اور ایک ہفتہ کے اندر اُسپر اسقدر تباہی وارد کی کہ تمام دوسرے فاتحین نے بارہ صدیوں میں بھی اُسے ویسا ویران اور برباد نہ کیا تھا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہمنام اور جانشین محمد فاتح

---

[1] حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر کے متعلق یہ حدیثیں مروی ہیں اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم دوسری امت سے اول جو لشکر قیصر کے شہر پر فوجکشی کریگا اُسکے لوگ مغفور ہونگے دوم لتفتحن القسطنطنیۃ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا۔ قسطنطنیہ فتح کیا جائیگا اور کیا اچھا، وہ امیر جو اسکی فتح کا امیر ہو اور کیا اچھی ہو وہ فوج جو اس فتح کو حاصل کرنے والی فوج ہو۔ مترجم

[2] یہ فوجکشی معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں بقول بعض ۴۶ھ و بقول دیگر ۵۲ھ میں کی گئی تھی جبکہ یزید[3] آخر میں صلح پر ہوا تھا

[3] یہ مجاہدین بیت المقدس کو مسلمانوں سے فتح کرنیکی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر راستہ میں اپنی ہی ہم مذہب سلطنت کے دارالخلافہ کا محاصرہ کرکے ۱۲۰۴ء میں اسے فتح کرلیا۔ اور بالدوین کے زیر حکومت قسطنطنیہ پر لاطینی بادشاہی قائم ہوگئی جو ۱۲۶۱ء تک قائم رہی (مترجم)

جسے ہم انگریز اپنے کل دو سے فاتح و منصور سلاطین پر ترجیح دیکر فاتح کے ممتاز لقب سے پکارتے ہیں اُس فتح کے دو پہلے ہوا قسطنطین اول کی وسیع و عظیم الشان سلطنت کو اُسکے آخری ہنام کے زمانہ میں صرف شہر کی چار دیواری تک محدود ہو گئی تھی لیکن محمد کو اس چند میل مربع کے علاوہ بھی جو سنبٹ صوفیا اور فلہ پر یسلی حصار کے درمیان ہے کئی برس لڑائی کرنی پڑی۔ اس فتح کیواسطے ناقابل تسخیر بڑے بڑے قلعے تعمیر کرنے پڑے بڑی بڑی خندقیں کھودنی پڑیں اور حملہ آور بیڑہ کے جہازات کو پانی سے باسفرس کے کناروں پر اُٹھانا پڑا جو دشمنے پہیوں اور گراریوں کی مدد سے خشکی پر کھینچکر پہر خلیج گولڈن ہارن میں ڈالے گئے۔ اور ان ابتدائی مرحلوں کو طے کرنے کے بعد عین آخری وقت سخت جانگذار اور خونخوار لڑائی کرنی پڑی۔

آخری قیصر اپنے شہر کے دروازہ پر جان توڑ کر پیدل لڑتا ہوا ہلاک ہوا اور فاتح گھوڑے پر سوار مقتولین کی لاشوں پر سے گذرتا ہوا آیا صوفیا کے جنوبی حصہ میں داخل ہوا۔ جہاں اُسنے قریب ترین ستون پر اپنا خون آلود ہاتھ مار کر اپنی فتح کا خونی نشان لگایا جو تبتک دکھائی دیتا ہے فاتح کے داخل کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کی درستی اور صحت کا میں ذمہ دار نہیں۔ تاریخ نہ سہی کم از کم روایت یہی کہتی ہے۔ فی زمانہ تو گرجی چھاؤنی کے اندر کوئی خونریزی ہونے سے بھی قطعاً انکار کیا جاتا ہے اور وثوق کیساتھ کہا جاتا ہے کہ جو عیسائی اُس میں جمع ہوئے تھے اُنکو بلا کشت و خون گرفتار کر لیا گیا تھا تاہم ہم لوگ جو اس ترقی و تہذیب کے موجودہ زمانہ میں رہتے ہیں اور وہ زمانہ ایسا ہے کہ اُسمیں فوجوں کی فوجیں کالونی شاہ کی جاتی ہیں اور سلطنتیں کمبوں کی طرح ایک رات میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور گوبی کے پہولوں کی طرح ایک دن جوبن دکھا کر دوسری صبح دھوئیں کی طرح معدوم و فنا ہو جاتی ہیں۔ اور ایسی بے ثبات ہوتی ہیں کہ سند جدید استعاروں میں سے بھی کوئی ایک فی الحقیقت اُنپر پورا پورا صادق نہیں آسکتا اُن لوگوں کو جو ذرا زمانہ کا رتاسوں کو جو مذہبی اعتقاد اور دینی پرجوشی کے پرانے زمانہ میں وقوع میں آتے تھے اُنکو اشاعت علم ہونے کی وجہ سے بے اختیارانہ نظر محبت سے دیکھتے ہیں اور اُنکو کبھی غلط تصور کرنا گوارا نہیں کرتے آجکل کے زمانہ میں سلطنتیں ایک دوسری سے لڑائی کرنے کے لئے مدتوں پہلے اتنی لمبی چوڑی تجویزیں کرتی رہتی اور تدابیر سوچتی رہتی ہیں کہ انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کیوں نہیں پہلے زمانہ کی طرح جھٹ پٹ معاملہ کو کیسو کر دیا جاتا۔ اس بیسویں صدی میں اب جو سمر کی جنگ ہوگی اُسمیں شریک ہونیوالی سلطنتوں کی طلل طویل فوجی تیاریں اور جنگ کرنیوالی فوجوں کی نقل و حرکت اور اختراع کی تجاویز کے طومار پر جو جنگ مذکور کی بساط پر عملیں لائی جائینگی گھنٹوں غور کرتے رہنے کی بجائے انسان کا دل یہی چاہتا ہے کہ وہ اُس طالبعلم

مسجد کے نیچے تاریک مستقف راستہ میں کھڑا ہو کر ایک لمحہ کیلئے اسے درست باور کرے کہ یہ مہذب نبی آنحضرت محمد
فاتح نے عیسائی خدا کا نشان اُسمیں اس امر کی علامت میں لگایا تھا کہ اب وہ اُسکی ملکیت ہوگئی ہے۔ اگر یہ معاملہ
صحیح ہے تو اُس پادری کا پتا چلا لگایا گیا تھا اُسوقت مغرب نے مشرق کا مقابلہ کیا اور اُسکے سامنے نہ ہر یاب ہوا۔ اُسوقت جو گذشتہ
زمانہ کی باتیں تھیں وہ نیا منیا ہوگئیں اور استقبال حال ہونا شروع ہوگیا نئی سلطنت کے قائم کرنیوالوں نے جنکے
ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے قدیم سلطنت کے آخری حصن حصین کو مار لیا اور قسطنطین جسٹینین اور یونانی قیاصرہ
کا قسطنطنیہ ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اور یہ بے بہا مرصع زیور جو تین نقرئی سمندروں کے محل اتصال پر
جڑا ہوا ہے یورپ کی گردن سے اُتار لیا گیا تاکہ ایشیا کے تاج میں گوہر شب تاب کا کام دے قیصر جسٹینین اُسکی
قیصرہ تھیوڈورا اور اُسکے اندھے سپہ سالار بیلی سارس اس۔ الغرض زمانہ گذشتہ کے تمام یونانی نامورروں کی مورتیں
اور اُنکے آثار اُن تمام مسیح در و دیوار اور ستون دلگیر لیوں اور ایوانوں سے جو تہنول کے نیچے پہلے ہوئے تھے
ابدالآباد کیلئے غائب ہوگئے۔ اور اُنکی ذبیح آل و اولاد اور ورثا کی لاشوں سے ابھی خون جاری ہی تھا کہ اُنکے
ورثہ کے مالک نے اپنی قوم اور اپنی ذات کیلئے اُس خیر و برکت کے عطا ہونیکی دعا مانگی جسکا تقریباً آٹھ سو برس پیشتر
رسول اللہ نے وعدہ فرمایا تھا (یعنی جامع ایا صوفیا میں نماز شکرانہ ادا کی)

تاریخ عالم میں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کوئی شہر لکھ یا لاکھ سے زیادہ تک ایک سلطنت کا دارالخلافہ رہکر چھ سو
گھنٹوں کے اندر دفعتہً ایسی سلطنت کا دارالخلافہ ہوجائے جسکے بانی مبانی اور روح رواں ہنگامہ مغلوب قوم سے
مذہب ملت زبان اور اوضاع واطوار اور رسم و رواج میں قطعاً مختلف اور متضاد ہوں۔ یہ طبعی امر تھا کہ محمد
کی فتح قسطنطنیہ کی حالتیں جو یکایک تغیر پذیر ہوگیا تھا وہ اہمیت اور نوعیت میں بہت ہی بڑا تغیر ہو۔ لیکن
پھر بھی جو کچھ انقلاب ہوا اُس سے فاتح کی اوصاف حمیدہ کی بدیہی شہادت مل رہی ہے۔ اُسدن سے لیکر
آجتک میرے یقین میں قسطنطنیہ میں کسی عیسائی یا یہودی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ استنبول پیرا اور اسکودر
(سقوطرا) کو جاکر کے دیکھا جائے تو ترکی دارالخلافہ میں آجکے دن عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے غالباً زیادہ
پائی جائیگی جسکا باعث ترکوں کی بے تعصبی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ گو اُن کی اس صفت کا عام طور پر
چنداں اعتراف نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک درست ہے کہ بڑے بڑے گرجوں کی مسجدیں بنالی گئی تھیں اور جہاں
کہیں اُنمیں صلیب کے نشان تھے وہاں وہاں ہلال کا نشان بنادیا گیا تھا اور مزید برآں اُنکی بیرونی سطح پر ابھی

فرشتوں اور متبرک لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اُنپر فی الفور چونہ کا پلاستر کروا دیا گیا جس سے اکثر تصویریں ہمیشہ کیلئے نظر سے چھپ گئیں اور اسلام کی سخت سادگی پسندی نے ان تصویروں کی جگہ چند نام اللہ۔ محمد۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ لکھوا دیئے۔ استنبول کی ہر مسجد میں یہ آٹھوں نام نہایت خلوص دلی کیساتھ عربی خطمیں آٹھ تختیوں پر لکھے ہوئے ہیں جو مسجد کے اندر آویزاں ہوتی ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی مسجد ہوگی جسمیں اس طرح یہ نام نہ لکھے ہوئے ہوں۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنے سے چارا نہیں ہو سکتا کہ ترک فنا کنندگان نہ تھے۔ بلکہ برعکس اسکے اُنہوں نے اپنی مساجد کیلئے عیسائی گرجہ کا نمونہ پسند کیا۔ چنانچہ ترکوں نے جسقدر مسجدیں قسطنطنیہ میں تعمیر کی ہیں وہ تقریباً سب کی سب کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔

قسطنطنیہ کی دلچسپی اور اُسکے نام میں ایسا جادو ہونیکی جو فی الفور دلوں کو اُسکی طرف کھینچ لیتا ہے بڑی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ وہاں ہر ایک عمارت اور ہر ایک چیز کے متعلق جو صدیوں کے انقلابات سے اب تک بچی چلی آئی ہیں طرح طرح کی مختلف روایتوں کے طومار در طومار موجود ہیں۔ عمارتوں کیواسطے گرجہ ایا صوفیا کو اور دوسری چیزوں کے لئے ڈلفی کے ستون کے بے سر سانپ کو جو آتمیدان میں کھڑا ہے نمونہ سمجھ لو قسمت نے اس بے سر سانپ کے ستون کو پہلے ڈلفی سے قسطنطین کے ہاتھوں قسطنطنیہ منگوایا جہاں وہ اُس موقعہ پر کھڑا کیا گیا جہاں ڈلفی کے سند کے بنانے ابتدا میں حکم دیا تھا۔ اس انتقال کی متعلقہ روایتیں عجیب و غریب افسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔

اس روایت میں بھی قضا اپنا رنگ دکھا رہی ہے کہ جب محمد فاتح شہنشاہ سلطنت کے دار الخلافہ کو تبسرا نام دینے کیلئے شہر پر قابض ہوا تو اُسنے شہر میں داخل ہونے کے پہلے ہی دن اپنے جنگی تبر سے سانپ کا تیسرا سر اڑا دیا۔ اسمیں کلام نہیں کہ قدیم زمانہ کی موجودہ چیزوں میں سے بہت کم ایسی ہیں جنکا پائی تہذیب کی اس یادگار سے زیادہ پرانا اور گہرا تعلق دنیا کی قدیم ترین تہذیب سے چلا آتا ہو۔ اسکے سر غائب ہو گئے ہیں مگر اور سب طرح سے سالم ہے۔ وہ آتمیدان میں شرق کی تیز دھوپ میں تن تنہا کھڑی ہوئی ہے۔ اور کسی اور انقلاب کا انتظار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ شاید ایک صدی بھی گذرنے نہ پائے اور کسی نہ دھتکے ہاتھ اسے یہاں سے اُٹھا کر لیجائیں اور دوسری جگہ اُسے کھڑا کرکے اُسپر مہر پدستور مسند بنا دیں اور اُسکے تینوں سروں کو پھر اُسی طرح درست کر دیں جسطرح کہ وہ پان اعظم کی وفات سے پہلے نوبس اوپولو کے زمانہ

اقتدار میں تھے۔ کون جانتا ہے کہ شاید وہ فاتح پیدا ہو چکا ہو جو اللہ اور محمد ﷺ اور چرچ اماموں کی نام نہاد طاقتوں کو اکھیڑ کر انکی جگہ پھر طلائی مورتیں چڑھا دیگا۔ مگر خواہ نوشتہ تقدیر میں ایسا واقع ثبت ہی ہو میں اسدن پر جسمیں یہ انقلاب عظیم واقع ہوگا غور و فکر کرنا نہیں چاہتا۔ تاہم یہ کہدینا مناسب سمجھتا ہوں کہ خواہ عثمانلی قوم کسی دن پھر ایشیا کے اسی گمنام گوشہ میں جا پڑے جہاں سے وہ آئی تھی قسطنطنیہ جسکا نام بھی شاید بدلجائے بدستور قدیم پھر بھی مشرق کا دار الخلافہ۔ ایشیا کی طلائی کلید اور ایسا گوہر تاباں رہیگا جسکی ہوس و تمنا کسی تاجداران کو ستاتی رہیگی اور جسپر قیامت تک دنیا کی طامع قومیں آپسمیں لڑتی جھگڑتی رہینگی

ترکوں کے اوصاف

قسطنطنیہ کی سب سے حیرت انگیز چیز اسکی بیحد جانداری اور بارونقی ہے جسنے اسکو باوجود اس قدر انقلابوں کے جو بمنزلہ موت کے تھے اب تک قائم و برقرار رکھا ہوا ہے۔ ٹرکی کو "مرد بیمار" اور قسطنطنیہ کو وجود دنیا کے نہایت ہی بارونق اور آباد شہروں میں سے ہے ویران و بوسیدہ کہنا ایک معمولی بات ہو رہی ہے۔ مگر جس شخص نے غلطہ پل کے کسی سرے پر چوبیس گھنٹے بھی صرف کئے ہوں وہ استنبول کی جگمگوں اور غلطہ پل باوجود غلطہ کے پر ہجوم بازاروں یا اُس سے اوپر کے محلہ پیرا کی نسبت کبھی وہم گمان میں بھی بیرونقی کا بعید ترین شائبہ تک کا تصور نہیں کر سکتا۔ یورپین سیاح خواہ وہ آسٹریلیا کے رستہ آئے یا آلمانی کے اس دار الخلافہ کی چہل پہل رونق شگفتگی اور گرمی بازار دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ دنیا کے کسی اور شہر میں نوارد کو بنی نوع انسان کی اسقدر مختلف قسمیں بایکدیگر کے دوش بدوش گذرتی دکھائی نہیں دیتیں۔ یورپ کے ہر ایک ملک اور ایشیا کی ہر ایک قوم کے آدمی وہاں موجود ہیں۔ غلطہ پل پر جو سفید پوش اہلکار سیر بحری کا محصول وصول کرنے پر مامور ہیں حضرت آدم کی موجودہ نسل کے اعلے سے اعلے اور ادنے سے ادنے نمونے انکو محصول کا پیسہ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا کے اکثر اور دار الخلافوں کی طرح یہاں یہ بات بھی نہیں کہ کسی خاص خط و خال یا رنگ کے لوگ دوسری قسموں سے زیادہ پائے جائیں بلکہ سب طرح کے لوگ یکساں بیشمار نظر آتے ہیں۔ خود ترکوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا انکو ایک قوم کے افراد تصور کیا جائے یا مختلف اقوام کے افراد کا مجموعہ سمجھا جائے جنکو اسلام نے ایک مشترک رشتہ سے وابستہ کر رکھا ہو۔ تم کسی مسجد میں چلے جاؤ وہاں تمہیں خالص النسل ترک جسکے رنگ کی صفائی تاروے کے باشندے کے چہرہ کی رنگت کو بھی ماند کر رہی ہوگی۔ افریقہ کی تاریک مزبوم کی سیاہ ترین حبشی کے دوش بدوش رکوع سجود میں مصروف دکھائی دیگا۔ اور جونہی تم مسجد میں داخل ہو دونوں کی نظریں بالکل یکساں خود بخود تمہارے قدموں کی طرف پڑینگی۔ یہ

دیکھنے کیلئے کہ آیا تم بوٹ اُتار کر یا اُن پر بالبیج وسوزہ پہنے ہوئے ہو یا نہیں جا بالعموم ہر مسجد کے دروازے پر
اسغرض کیلئے رکھے رہتے ہیں۔ رومن کیتھولکوں کیطرح مسلمانوں میں بھی مشترک اعمال و رسومات بکثرت ہیں اور اس
کثرت و عمومیت میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہوتی ہے کہ انسان مسلمانوں کے اس تقاضا و طلب کو کہ انکے عبادت گاہ
کا احترام کیا جائے بے اختیار عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے میں اسموقعہ پر شروع شروع میں ہی ناظرین سے یہ کہدینے
کی اجازت چاہتا ہوں کہ بلاد مشرقی کی متعدد سیاحتوں اور قدرے روپیش کے بعد مجھے ذاتی تجربہ سے خالص ترک کو
کی لوصاف حمیدہ کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے مگر خالص ترک کی شرط لازمی ہے یونانیوں۔ ارمنوں۔ ایرانیوں اور
افریقیوں نے اپنے آپکو ترک مشہور کر کے اور بعض اوقات سرکاری عہدے ملجانے پر انکے خرائیض بد دیانتی سے ادا کرنیسے
ترکوں کو بدنام کر رکھا ہے ورنہ ترک بہ اتہم ضایت شریف النفس اور دنیا کی اعلیٰ و غالب قوموں میں سے ہیں وہ
بالطبع خوبصورت۔ دراز قامت۔ کمال جفاکش و تحمل اور بے اندازہ مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ انکا رنگ سفید سرخ اور انکی
آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ وہ تین پاکیزگی پسند۔ اور ایسے دیانت دار ہیں کہ اپنا نقصان گوارا کر لینگے لیکن دیانت
و صداقت کو کبھی نہ چھوڑینگے۔ اسمعاملہ میں وہ چالاک یونانیوں اور ارمنوں سے جو انکا خون جگر پی پیکے موٹے ہو رہے
ہیں کبھی برسر نہیں آسکتے۔ بلاد مشرقی میں عام کہاوت ہو کہ ایک ارمنی کو دغا دینے کیلئے دس یہودی اور ایک
ایرانی کو دغا دینے کیلئے دس ارمنی درکار ہوتے ہیں خالص ترک ایسے بدمعاشوں سے بہلا کب پورے نپٹ سکتے ہیں وہ
ان شریر متعصبین سے ویسے ہی بر سکتے ہیں جیسے شاید کہ خود یہ بدمعاش ایک متوسط ذات کے مہذب شخص سے
قسطنطنیہ کی عجیب و غریب مخلوط الاقوام آبادی ہی ترکوں کی سادگی اور شرافت کا بہترین ثبوت ہے ترک آسانی سے
دھوکہ کھا جاتے ہیں چنانچہ انکی سادگی سے فائدہ اٹھانیکے لئے دنیا کی چار کونٹ سے لوگ قسطنطنیہ میں جمع ہوتے
رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس امر کو ذہن نشین کر کے قسطنطنیہ کے بازاروں میں کھڑا ہو جائے اور تھوڑی دیر کیلئے اپنے
دماغ سے بھی کام لینے کی تکلیف گوارا کرے تو اسے اس بیان کی پوری پوری تصدیق ہو جائیگی۔ ملک کی پیداوار کم
اور مالک غیر سے بھی زیادہ مال و اہل نہیں ہوتا وہ گویا بحیرہ روم اور بحیرہ اسود کے درمیان بحری راستہ کا ایک پڑاؤ ہے
پس ان یونانیوں اور ارمنوں کی جو غیر حرکت پسند کے باعث یہ مقام سکندریہ دمی قلعہ اور دروازہ ایڈریانوپل کے قرب و جوار
یعنی استنبول کے انتہائی سرے تک کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں اگر تکلف کو نہیں بلوٹ ہے تو اور کس چیز پر گذارا کرتے ہیں
اور فریب و مالداری سے ہیں۔

کیا تم کو قسطنطنیہ میں کبھی کوئی ایسا یونانی یا ارمنی بھی ملا ہے جو سرکار سے کسی امتیاز معاملہ یا کسی امر

خاص رعایت کا طلبگار نہ ہو۔ اور کیا ان امتیازات اجارہ داروں یا ٹیکسوں کی بدولت غریبوں کو آخر بہ نسبت امیروں کے تو تاوان اور ہرجانے نہیں دینے پڑتے ہمکار و بار ی لوگوں کے اسقدر انبوہ کی کیا ضرورت اور کیسے گذارہ کیلئے بیشمار کارخانے کوٹھیاں اجناس کی منڈیاں اور ریلوے لائنیں درکار ہیں مگر کیا سب ضرورت کارخانے اور کوٹھیاں وغیرہ کہیں دکھائی دیتی ہیں؟ پھر یہ لوگ کس طرح گذارہ کر رہے ہیں؟ کاروبار کے بہانہ سے غریبوں کو لوٹ لوٹ کر

غلطہ پل سے نظارہ

غلطہ پل کی خوبیوں اور اسکے دلکش منظر کی پوری پوری کیفیت پہلی نظر میں نہیں بلکہ کچھ دیر شاہدہ کرنے کے بعد واضح ہوتی ہے۔ اسے وینس اور فلورنس کو ہر دو شہر آفاق پلوں کا مجموعہ سمجھنا چاہئے۔ یہ پل کشتیوں پر بنا ہوا ہے اسکے درمیان ایک جڑاؤ ایسا ہے جسے حسب ضرورت ہٹا کر جہازوں اور کشتیوں کیلئے راستہ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ پل دو حصوں رات کو ہٹایا جاتا ہے۔ پل مذکور تین حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ میں گاڑیوں اور پیدل سواروں کا راستہ ہے دوسرے حصہ میں جو چنداں عریض نہیں چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور قہوہ خانوں کی قطار ہے۔ اور تیسرا وہ حصہ ہے جہاں خلقی جہازوں پر چڑھنے اُترنے یا مال اُتارنے چڑھانے کے لئے سلسل پیلیاں بنے ہوئے ہیں۔ کل سال کا اوسط نکالکر یہ سرسری طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر روز غلطہ پل سے ۲۸ ہزار آدمی گذرتے ہیں۔ اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسکو درہ اور بامسفرس کو جانے کیلئے پل پر سے گذر کر جہازوں کی گھاٹوں کو جاتے ہیں۔ اس پل پر ایک ایسا متعلم ہے جہاں انسان گھنٹوں آرام و چین سے قہوہ اور سگرٹ نوش کرتے ہوئے پل پر سے گذرنے والوں اور پیلیا پر یا گھاٹ سے جہازوں پر اُترنے چڑھنے والوں اور غلطہ کے قابل دیدہ عمارتوں کی اوضاع و اطوار اور طریق دستور کو جو غلطہ کی طرف کے سرے پر پل سے مشرق کی طرف کے گھاٹ پر جمع رہتے ہیں بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ اکثر یورپین سیاحوں کو اس مقام کی خبر نہیں۔ یہ خوشگوار مقام اس قہوہ خانہ کا ایک گوشہ ہے جہاں تحول کو جاتے ہوئے پل کی بائیں طرف سب سے پہلے آتا ہے اس قہوہ خانہ میں ایک دیندار ہوادار اور کمال ستھرا و پاکیزہ کمرہ ہے۔ اور کمرہ کے تین طرف دریچے ہیں جنہیں سے ہر وقت گرم سے گرم دن میں بھی ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ کمرہ کے اس گوشہ میں بیٹھا ہوا جو پل اور نیز غلطہ سے قریب ترین ہے۔ اور شکر لی (میٹھی) یا سادہ (بلا قند) قہوہ کی ایک پیالی تیار کرنے جانے کا حکم دیکر اپنا سگرٹ سلگا لو اور مشاہدہ شروع کر دو۔ جو منظر تمہارے پیش نظر ہوگا وہ ایسا رنگ برنگی اور کثیر الالوان ہوگا کہ آنکھیں چندھیا جائینگی۔ پھر طرفہ یہ کہ وہ رنگ ساکن نہیں ہونگے۔ بلکہ سیر بین کی رنگین تصویروں کی طرح روانی گذرتے چلے جا رہے ہونگے سب سے اول جو چیز آنکھوں کو محسوس ہوگی وہ فس دنیا کی لوگوں کی کثرت اور بنایت ہے

سینکڑوں نہایت شوخ سرخ رنگ کی بالکل ہم شکل نیم مخروطی ٹوپیاں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر سرخ
مکھیوں کے جھنڈوں کی طرح تقریباً ایک ہی سطح پر حرکت کرتی اور ایکدوسری کے پاس سے گذرتی دکھائی دیں گی
فس کو سلطان محمود ثانی الملقب بہ مصلح نے جسنے اسے یونانی ٹوپی میں تھوڑا سا ردوبدل کرکے اختراع کیا تھا
رواج دیکر سرکاری ملازموں کے سر کی پوشش قرار دیا تھا۔ ان سے وہ پہاری پہاری دستاریں جنکو پہلے فوج
اور تمام سرکاری اہلکار باندھتے تھے مفقود ہوگئیں۔ رنگ کی شوخی کو اگر علیحدہ رکھا جائے تو یہ ٹوپی نہ اتنا چندان
خوشنما اور خوش شکل نہیں مگر اسمیں کلام نہیں کہ ساتھ ہی مصفا و ستھری ضرور ہوتی ہے۔ اس سے سر کی پوشش
میں یکرنگی و یکسانی پیدا ہوگئی ہے۔ اور لمبے سیاہ ریشمی پھندنے کیوجہ سے اسکو پہن لینے پر افسروں اور سپاہیوں کے
سرخ چہروں پر ایک قسم کا رعب و جلال برسنے لگ جاتا ہے لیکن ابھی عمامے بالکل غائب نہیں ہوئے۔ وہ
ابھی تک موجود اور بکثرت مروج ہیں جو زیادہ تر سفید یا سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ اکثر علما اس امر کے اظہار و تمکد
کے لئے کہ وہ مسلمان ہیں اپنی ٹوپیوں کے گرد سفید یا سرخ کپڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ سفید اور سبز رنگ کے عمامے
علماء کا امتیازی لباس ہے۔ اسے وہی پہنتے ہیں جنھوں نے دینی تعلیم پائی ہو۔ گو یہ ضروری نہیں کہ وہ
بالضرور علماء کا کام بھی کرتے ہوں۔ علما کی باقی پوشاک بھی قدیم طرز کی ہے۔ یعنی گھیردار تنگ آستین
کا سیدھا سادھا چغہ جو سامنے سے کھلا ہوتا ہے۔ اور اسکے نیچے سے سفید بیداغ قمیص اور کلابتوں کے
کام کی صدری دکھائی دیتی رہتی ہے۔ کھلی شلوار۔ اور بہت چوڑا کمربند۔ چغے سرخ کے سوا اور سب رنگوں کے ہوتے
ہیں۔ مگر اب زیادہ رواج یورپین طرز کے لباس کا ہے۔ فوجی وردیاں ہو بہو جرمن فوج کی وردیوں کی نقل ہے
اور سویلینوں (غیر فوجی اشخاص) کا لباس مغربی یورپ کے شرفاء کے لباس سے ملتا جلتا ہے۔ علماء خوب رعب
داب اور شان کے ساتھ چلتے ہیں جس سے وضع ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لباس کی خوشنمائی پر نازاں اور
اسکی قیمت سے باخبر ہیں جسکے سر پر سبز پگڑی ہو اسے جان لو کہ پیغمبر کے خاندان سے ہے جو حضرت
ابراہیم کے خاندان کی طرح جسکے بڑھانے کا خدا نے وعدہ کیا تھا کثرت میں صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر
ہو گیا ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ سب بناوٹی سید ہیں۔ سادات کی نسل سے ہونے کے دعوے
میں اکثر سچے ہیں کیونکہ سبز کپڑے کا نشان خاندان میں آباء سے چلا آتا ہے اور باپ بیٹے کو تلقین کرتا ہے پر
یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص جسکا خاندان پشتوں سے ایک جگہ رہتا ہو اپنے آپ ہی بیشمار نگار سید بن جائے۔
ہاں کوئی گھر سے باہر جاکر ایسا کرے تو وہ دوسری بات ہے۔ سیدوں کے گھرانہ کی عورتیں بھی اپنے گھونگھٹ میں سبز ریشمی

سونی کپڑے کا چوڑا سا ٹکڑا بطور نشان اپنے کپڑوں سے لگا لیتی ہیں۔ مکانوں سے باہر یہ نشان عورتوں میں شاذ و نادر دیکھا جاتا ہے۔ شاید یشمق یا زیچہ کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا ہوگا۔ فریجہ اُس گھیرے دار جبہ کو کہتے ہیں جسے تمام عورتیں گھروں سے باہر نکلتے وقت گردن سے پاؤں کی ایڑیوں تک پہن لیتی ہیں جو نیاں سب عورتوں کی اعلےٰ درجہ کے ولایتی چمڑے کی ہوتی ہیں۔ یشمق اب وہ نہیں رنگیا جو دس برس پہلے تھا۔ موجودہ یشمق چہرہ کو چھپانے کا مطلق کام نہیں دیتا۔ سلطان المعظم نے سارہ میں سخت احکام جاری کر رکھے ہیں۔ مگر کوئی عورت اُنکی تعمیل کی پروا نہیں کرتی۔ آجکل اکثر صرف پیشانی کو باریک سی سفید ململ کے نقاب سے ڈھانپ کر نقاب کا باقی حصہ ٹھوڑی کے نیچے گچھا کر دیتی ہیں۔ وہ دوہری پٹی جو آدھے چہرہ اور ناک پر ہوتی تھی اب بالکل غائب ہو گئی ہے۔ یا صرف اُسوقت پہن لیجاتی ہے جبکہ آب شیریں عیسیٰ عام تفریحگاہوں میں ہوں یا اپنے قالبقوں میں بیٹھکر خلیج گولڈن ہارن اور باسفرس کی سیر کر رہی ہوں پرانی طرز کے نقابوں کا رواج ہٹ جانیسے قسطنطنیہ کے بازاروں سے ایک بڑا دھوکہ اور چھلاوا دور ہو گیا ہے۔ ان نقابوں سے انسان کی طبیعت خواہ مخواہ الجھتی تھی کہ عجب تو ہے جسکی یہ پردہ داری ہے۔ سفید پٹیوں میں صرف آنکھیں دکھائی دیا کرتی تھیں جو تنہا دیکھے جانے پر کمال سیاہ طرحدار مست اور دلآویز نظر آتی تھیں۔ اُسوقت خواہ مخواہ یہی خیال ہوتا تھا کہ اس یشمق کے نیچے حور کا چہرہ پنہاں ہے۔ مگر اب نقشہ ہی بدلگیا ہے۔ باریک یشمقوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ سب سراب ہی تھا۔ ورنہ پہلے بھی وہی زرد رنگ اور نحیف چہرے ہوتے تھے۔ جو اب دکھائی دیتے ہیں۔ ترکی مستورات کے حسن کی یہ کیفیت دیکھکر مجھے اکثر تعجب ہوتا تھا کہ شاید اُنکے حرسراؤں میں آئینہ کا عام رواج نہیں۔ وہ اس لضاعت پر اپنے یشمقوں کو کبھی باریک نہ کرتیں۔

مگر قہوہ خانہ کے دریچے میں بیٹھے ہوئے متحرک انبوہ کے لباسوں یا خط و خال کی پوری پوری جہان بین کرنیکی اصلا فرصت نہیں ملسکتی جو کچھ تمہیں دکھائی نظر آئیگا وہ یہی ہے کہ متحرک دھوپ اور چمک اور سایہ اور رنگ آپسمیں ملجلکر عجب شاندار کھچڑی بنا رہے ہیں۔ مشرقی و مغربی طرز معاشرت کا حیرت افزا اجتماع اور گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ادھر ایک نہایت ہی صاف اور شستہ پوشاک کا آدمی ہے اور اُدھر اُسکے شانہ بشانہ غلیظ ترین انسان موجود ہے۔ یہاں ایک فوجی لیفٹننٹ نہ دیکھ بند لگائے عرب گھوڑے پر سوار جا رہا ہے اور دوسری طرف ایک کمال بدبخت اندھا اور لنجا گداگر ہاتھ پھیلائے "ان پارہ" (ایک پیسہ) راہ خدا دیتے جاؤ کی مسلسل ہانک لگا رہا ہے۔ اسجگہ کوئی سید آل رسول سبز عمامہ باندھے جاہ و تمکنت کیساتھ

آہستہ آہستہ چلا جارہا ہے اُسکے قریب ہی نہایت زرد رنگ کوئی تنکی لیڈی سفید و سیاہ فریجیں چھپی ہوئی بنیکرانہ جارہی ہے اور اُسکے پیچھے پیچھے اُسکی شوخ چشم جشن کنیز ہے۔ جسکا نقاب اپنی خانوں کے نقاب سے بھی ہلکا اور ڈھیلا ڈھالا ہے۔ کہیں کوئی متبرک صورت درویش ہلکا خاکی۔ ہلکا سبز یا فولادی ہورے رنگ کے کپڑے اور لمبی نوکدار کلاہ پہنے سر و چشم جھکائے چلا جارہا ہے۔ کہیں کوئی نوعمر فوجی طالب علم جسکی عمر غالباً بارہ برس سے زیادہ نہیں چست وردی ڈانٹے اکڑتا چلا جارہا ہے۔ اور ایک نرشر و حبشی غلام اُسکے ساتھ ساتھ ہے اور اگر وہ لونڈا ذرا بھی دائیں بائیں ہوتو فی الفور اُسے گھونسہ رسید کر دیتا ہے۔ یہ نظارہ کچھ دیر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ لو یکبارگی انبوہ پھٹ جاتا ہے اور ایک شاندار گاڑی اُسمیں سے بجلی کی طرح کوندتی ہوئی گذر جاتی ہے۔ اسمیں غالباً کوئی سفید ریش چست کوٹ۔ متین۔ وثقہ ذیہ سلطنت سوار تنہا جو سلاملق کو جارہا ہوگا۔ یا بلید یز کوشک سے مابعالی کو واپس آرہا ہوگا۔ اگر گاڑی بند بردام نہی اور اُس سے آگے اردل کے بھی کچھ سوار تھے۔ تو سمجھ لو کہ اُسمیں خاندان قیصری کے بیشمار شہزادوں میں سے کوئی نحیف بدن و نفیس مزاج رمد و رونیم دق زدہ شہزادہ سوار تنہا۔ انسانی سروں کا یہ دریا سفید دھوپ میں اُدھر سے اُدھر لہریں مارتا رہتا ہے۔ اس سے پرے سمندر کا شفاف نیلگوں پانی اور اسی رنگ کا آسمان اور دور فاصلہ پر پہاڑیوں کی باریک سی دھاریاں نظارہ کی دلفریبی کو غایت درجہ تک بڑھا دیتی ہیں۔ یہ درخشاں سیلاب پُل پر سے اس طرح گذرتا رہتا ہے جسطرح نکلی ہوئی دھات کی دھار بھٹی سے نکلکر دوڑتی ہوئی سانچہ میں گرتی رہتی ہے۔ اور کل نظارہ کچھ ایسا دلکش اور دلآویز ہے کہ انسان کے حواس تقریباً مبہوت ہو جاتے ہیں +

اس کا یہ حیرت افزا اثر صرف نو واردوں پر ہی نہیں پڑتا۔ بلکہ تم دیکھو گے کہ وہ موٹا تازہ توندل یونانی بھی جو تمہارے قریب چرمی بنچ پر بیٹھا ہوا ہے اس نظارہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ طفولیت سے اسکی آنکھیں اُس سے مانوس ہو رہی ہیں اور اُسکے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ وہ باورچی ہے اور اُسکی آنکھیں صفرا زدہ ہیں تم کو اُسکا باورچی ہونا اس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ ناگیلہ حقہ پی رہا ہے۔ اور جن لوگوں کی قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں میں عام آمد و رفت رہی ہے اُنسے پوشیدہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی یہ طرز تقریباً محض اسی پیشہ والوں کی پسندیدہ خاطر ہے۔ وہ چولہے میں آگ کو روشن رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے۔ مگر اسکے اور نیز حقہ کی آوند کے باوجود غلط پل کے دوپہر کے وقت کے دلفریب منظر سے اُسکی بیمار زرد آنکھیں ایک لحظہ

کیلئے نہیں ہٹتیں - صوبجات متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل کے مشہور بندرگاہ سان فرانسسکو سے لیکر چین کے دارالخلافہ پیکین تک کل دنیا میں اُسکی نظیر موجود نہیں - اور نہ کوئی اور منظر ایسا دلفریب - وضعدار شوخ بیتکلفنہ مختلف الانواع اور جامع اضدادات وعناصر مختلفہ ہے - ان بیشمار آدمیوں میں سے جو ہر لحظہ نظر سے گذرتے ہیں - اور انسانی بود و باش کے دو جنتوں دا ستنبول و پیرا کے درمیان جو صرف ایک تنگ سے راستہ سے آپسمیں ملے ہوئے ہیں شہد کی مکھیوں کی طرح اوہر سے اُدھر تانتا باندھے ہوئے ہیں - دس میں کی ہئیت وضع اور تراش خراش کی پوری کیفیت نظم و نثر یا افسانہ میں بیان کرنی حیطہ انسانی سے خارج ہے - بیان کرنا تو درکنار انسانی تصور کے پائے ثبات ایسا کرنے کی کوشش سے ہی دنگا جاتے ہیں +

قسطنطنیہ کا منظر

اول اول قسطنطنیہ کو دیکھنے پر جو نقشہ میرے دلپر قایم ہوا اُسے میں مدت العمر فراموش نہیں کرسکتا - اُس سے بعد خوش نصیبی سے مجھے کئی مرتبہ قسطنطنیہ کو سال کے مختلف موسموں اور دن کے مختلف وقتوں اور حصوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے - مگر پہلی دفعہ کے نظارہ کی دلچسپی اور خوبصورتی کو مابعد کا کوئی نظارہ نہیں پہنچا مجھے یاد ہے کہ فروری کا مہینہ تھا جب کہ ہمارا سٹیمر بحیرہ مارمورا سے باسفرس میں داخل ہوا اُسوقت سخت برفباری ہو رہی تھی - برف کے پینے ایسی سرعت و کثرت کے ساتھ گر رہے تھے کہ بمشکل کوئی عمارت بھی صاف صاف دکھائی دیسکتی تھی - مگر جونہی ہمارا جہاز جامع ایا صوفیا کے بالمقابل پہنچا - برف یکبارگی بند ہوگئی - بادل پھٹ گئے صاف نیلگوں آسمان برآمد ہوگیا اور ہمارے پیچھے سے صبح کا آفتاب نکل آیا جس سے استنبول پر روشنی چھاگئی - اثنوت کا سماں کمال حیرت افزا تھا - ہر ایک گنبد اور مینار برف سے ڈھپا ہوا تھا - اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمام خوبصورت شہر چاندی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے - اور پھر صناع و سنگکاروں نے اُسپر طرح طرح کی کندہ کاری کردی ہے - نازک مینار روشنی کی کرنوں کی طرح سر بفلک دکھائی دینے لگ گئے - اور سیاہ شمشاد چاندی کے معلوم ہوتے تھے - حتی کہ یدی قلعہ بھی جو مغربی فصیل کی انتہا پر واقع ہے خالص سنگ مرمر کا مکان نظر آتا تھا صرف سمندر کا رنگ اور تھا چند لحظہ پہلے وہ غلیظ و کثیف سا تھا - اب دھوپ کی چمک سے وہ یکلخت سخت نیلگوں رنگت کا ہوگیا جو نیلم کی بجائے زیادہ تر لاجورد کے شابہ تھی -

اس نظارہ کی کیفیت ہرگز بیان نہیں ہوسکتی - نہ ویسا منظر مینے عمر بھر دنیا کے کسی اور حصہ میں دیکھا ہے یہ کیفیت چند لحظے ہی اپنی جھلک دکھا کر کافور ہوگئی - ابر پھر گھر آئے روشنی درہم ہوگئی

برف پڑنی شروع ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر تک بارش اور بعد ازاں اور برفباری ہوئی۔ اُسوقت ہم خشکی پر پہنچ گئے ہوئے تھے۔ گلیوں کے کیچڑ۔ سنسانی۔ پتنالوں کی بو چہاروں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے جو ٹھنڈ کے گودی کو بھی سخت بنا رہی تھی ہماری بُری گت بنی اور دل یہی چاہتا تھا کہ فوراً ہوٹل پہنچ جائیے تاکہ اُسکے کسی آرام دہ کمرہ میں آتشدان کے پاس بسیرا کیا جائے۔ ممکن ہے اس دوسری کیفیت نے ہی پہلی کیفیت کو دماغ کے خانہ یادداشت میں اُسکی قدر سے زیادہ نمایاں جگہ دلادی ہو۔ مگر یادداشت کے بعض سبالغے کچھ ایسے خوشگوار ہوتے ہیں کہ انسان کو اُنپر کچھ تاسف نہیں ہوتا +

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے مینے قسطنطنیہ کی تصویر کو ایک اور روشنی میں جو پہلی سے بالکل ہی مختلف تھی دیکھا ایک دن مجھے محلہ قاضی[1] کوئی میں دیر ہوگئی۔ اور شام پڑگئی۔ مگر چونکہ رات ضرور پیرا واپس جانا تھا۔ مینے چار چپوں کی قائق کرایہ کرلی گرمی کی بہار تھی۔ چاند چھٹی یا ساتویں رات کا تھا۔ اور خوب روشن چمک رہا تھا۔ مگر شمال کی طرف دور فاصلہ پر کچھ ابر دکھائی دیتے تھے اور سطح سمندر پر سرد و تیز ہوا چل رہی تھی کشتی آہستہ آہستہ چلی جارہی تھی کہ بادل بڑھتے بڑھتے چاند تک پہنچگئے۔ اور جب ہم توپ کاپہ کے مقابل پہنچے تو طوفان رعد و برق پورے زور سے شروع ہوگیا۔ یکبارگی کمال تاریکی چھاگئی اور پل کے لمپوں کی دھندلی روشنی اور سمندر کی سفید جھاگ کے بغیر جو سامنے نظر آرہی تھی اور سب چیزیں دکھائی دینے سے رہگئیں۔ پانی کی بڑی بڑی بوندیں برسنے لگ گئی تھیں لیکن ملاح روشنی کے مینار موسومہ "مینار لینڈرا" کی سرخ روشنی کی مدد سے جو ہمارے عقب اور دائیں رُخ تھا کشتی کو برابر کھیتے گئے۔ اتنے میں بجلی بھی چمکنی شروع ہوگئی تھوڑے تھوڑے لمحوں کے بعد اُسکی چمک سے دونوں شہر سیرا اور سنبل ایسے روشن ہوجاتے کہ دور دور کے مکانات کے دریچے اُن کی عمارتوں کے دیگر جزئیات اور حتی کہ مسجدوں کے میناروں پر کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی صاف دکھائی دیجاتیں۔ اُسوقت بعینہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر آگ کے شعلوں سے مشتعل ہوگیا ہے جو دوسرے ہی لمحہ بجھ جاتے ہیں اور پھر یکبارگی روشن ہوجاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کا سب سے بہتر نظارہ جسکا لطف بھی دیر پا رہتا ہے۔ گرمی کے موسم میں نظر آتا ہے۔ اُن دنوں مسلسل دھوپ کی کرنوں سے ہر گلی کوچہ اور کونہ صبح سے شام تک یکسان روشن رہتا ہے۔ اور اُنکے سامنے تاریکی و سایہ اس طرح غائب ہوتا جاتا ہے۔ جسطرح گرمی نمی کو چوس لیتی ہے۔ اُس موسم میں نم

[1] قاضی کوئی ایشیائی ساحل پر اسکودر کے قریب واقع ہے۔ اور سیرا یورپی ساحل پر غلطہ سے اوپر۔ (مترجم)

دیکھو گے کہ اُن ساقیوں کو جو سلطان احمدؒ کے خوبصورت فوارہ کے زرین جنگلہ کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں مومن و کافر بلا تمیز مذہب کل پیاسوں کو ٹھنڈے پانی کے چھوٹے چھوٹے کٹورے دینے سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ وہ دن ہیں جبکہ گلیوں کے کتے آپسمیں لڑنا جھگڑنا بھول جاتے ہیں اور روشن سایہ میں جو دوسرے شہروں کی دھوپ کے برابر ہوتا ہے گرمی سے ہانپتے ہوئے لیٹے رہتے ہیں۔ اور ویسے دعا کرتے ہیں کہ ہر ایک رہگذر حمل ترک ہو جو اُنکو تکلیف دینے کی بجائے خود ایک قدم پرے ہٹ کر گذر جائیگا۔ کوئی یونانی یا ارمنی نہ ہو جو خود ایک گز پرے ہو جانے کی بجائے بیچارے کتوں کو بوٹ کی ضرب سے سڑک کے نصف پار پہنچا دیگا۔ محل توپ کاپو سرائے کے ایوان اور سقف سُتونوں میں گلگشت کرنے کا مزا ابھی اسی موسم میں آتا ہے اس محل میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہے جسمیں خاندان عثمانیہ کے سلاطین کی عجیب اور حیرت بخش تصویریں رکھی ہیں۔ مگر وہ ہر ایک کو نہیں دکھائی جاتیں۔ محمد فاتح۔ بایزید صوفی۔ سلیمان عظیم الشان۔ احمد اوّل۔ بانی شش مینار جامع مسجد۔ محمود مصلح قاتل ینگچریاں در رواج دہندہ فرس اور دیگر اکثر سلاطین نے اسی وسیع و فراخ محل میں اپنی زندگیاں بسر کی تھیں۔ یہ سلاطین تھے تو ایک ہی خاندان کے مگر ہر ایک کی اُمنگیں اور خواہشیں ایکدوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ بعض ایسے عیاش منش تھے کہ دس قیصروں کے وہم و گمان میں بھی ویسے عیش عشرت کے سامان کبھی نہ گذرے تھے۔ بعض سپاہی منش اور سادہ طبیعت اور سخت مزاج چند کمال رحمدل۔ اور بعض سفاک و خونخوار۔ مگر مطلق العنانی میں البتہ سب یکساں تھے۔ فرق یہ تھا کہ بعض اصولاً سختی کے قائل تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے بعض اسپر عامل تھے۔ اور باقی میں دونوں باتیں نہیں۔ ان سب کی تصویریں وہاں موجود ہیں ہر ایک بادشاہ پورا مسلح۔ شاندار درباری پوشاک میں ملبوس اور مرصع کلغی دار عمامہ باندھے ہوئے ہے اکثر کے چہروں پر درشتی اور جلال برستا ہے اسباب سے وہ بھی خالی نہیں جنکے شہروں پر زنانہ عیش و عشرت کے بھی تھوڑے بہت آثار پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ سلطان صرف پادشاہ و شہنشاہ کا مرادف ہی نہیں بلکہ "شکار" (لفظ شکیار) قاتل انسان کا بھی لقب کہتا ہے۔ محل کی ڈیوڑھی میں دونوں پھاٹکوں درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو قتل کا کام دیتا تھا۔ وہیں شیماز پاشا۔ وزرا اور ارکان سلطنت جلاد کی کمان کا شکار ہوتے تھے۔ چند لمحے پہلے اُنکے دلوں میں ارمان ہوتے تھے کہ سلطان ہم پر نوازش کریگا۔ اور ہمیں فلاں عزت بخشیگا۔ مگر اُنکو یہ خبر نہ تھی کہ قضا سر پر کھیل رہی ہے۔ سمندر کی طرف محل میں ایک چھوٹا سا

پہاڑ کے ہے۔ اسکی نسبت بیشمار روایتیں مشہور ہیں مگر وہ ویسی مستند تاریخی واقعات نہیں جیسے کہ متذکرہ صدر کمرہ "جلاد اوداسی"[1] کے متعلق روایتیں معتبر ہیں عام روایت یہ ہے کہ جن کنیزکوں پر سلطان کا غضب وارد ہوتا انکو ٹاٹ کے تھیلوں میں جنمیں پتھر وغیرہ ڈالکر اور بوجھل کر دیا جاتا تھا بند کرکے اس دروازہ کے راستہ سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا جہاں اُنکا جسم مچھلیوں کی خوراک بنجاتا تھا۔ لیکن اگر تمہارے ساتھ کوئی یونانی راہنما ہو۔ تو وہ تمہیں قسمیں کھاکر یقین دلائیگا کہ پہلے سلطان متمول یونانیوں کو یہ تبانیکے لئے جسمانی عقوبت پہنچایا کرتے تھے کہ اُنہوں نے اپنا زر و مال کہاں چھپایا ہوا ہے اور پھر اُنکی لاشوں کو اس دروازہ کے راستہ سمندر میں پھینکوا دیا کرتے تھے۔ لیکن سلاطین نے عیسائیوں کو جو شاہی سندات عطا کی تھیں اُنہیں دیکھکر اس روایت پر مطلق اعتبار نہیں ہوسکتا۔ مزید براں خود عیسائی مورخین کی کتابوں سے بھی اس امر کی بہت ہی کم رجوع ہونے کے برابر ہے تصدیق ہوتی ہے۔ البتہ خاتونان حرم کے قصہ کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اُنکے حالات بیرونی دنیا کو شاذ و نادر معلوم ہوسکتے تھے۔ اس وسیع عظیم الشان محل کے کمروں میں سیاح کو عالم تصور میں ابتک یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابتک نازنینان حرم کی دلاویز آنکھیں سفید شیشوں میں سے دیکھ رہی ہیں۔ اس کتب خانہ کے شاہی مرقعوں میں کسی بیگم کی تصویر نہیں ہے

یہاں کی دوکانداری اور خرید و فروخت بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انگریزی میں مثل ہے کہ ہر شخص کا گھر اُسکا قلعہ ہے۔ یہ ٹرکی میں ہر ایک شخص کی دوکان پر لفظاً و معناً زیادہ صادق آتی ہے۔ ہر گاہک کا دکان کے سامنے نمودار ہونا اُسکو باقاعدہ محاصرہ کرنیکے برابر ہے۔ ٹرکی میں سودا سختہ کرنے پر لازمی طور سے بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اور یہی تعویق غالباً بازاروں میں ہر وقت انبوہ رہنے کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کے خریدنے کا خواہشمند ہو جسکی قیمت عام معلوم یا ازروے رواج مقرر نہ ہو تو خریدنے سے پہلے اُسے کئی مرتبہ دوکاندار کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص کی نسبت قیاس کرلیا جائے کہ اُسے چار مرتبہ جانا پڑتا ہے تو اسکا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہوگا کہ بازار کے پیچ در پیچ راستوں اور نیلی گلیوں میں فی الواقع کاروبار اور خرید و فروخت کی مقدار کے مطابق جسقدر آدمی ہونے چاہئیں اُنسے چوگنی موجود رہتے ہیں۔ یہ طریق واقعی بڑا تکلیف دہ ہے۔ جسوقت اول اول مطلوبہ شئے نظر آئے تو تم کو بالکل بن جانا چاہئے اور اپنا چہرہ ایسا قایم رکھو کہ گویا تمہیں اُس چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر دوکاندار سے کم انکم

[1] جلاد اوداسی کے لفظی معنی ہیں جلاد کا کمرہ۔ یہ کمرہ دروازہ "اور طہ کاپو" یعنی محل کے بڑے دروازہ کے نیچے ہے (مترجم)

سو مختلف چیزوں کی قیمت پوچھو اور انہی میں اس خاص چیز کی قیمت پوچھو۔ اگر تم چھوڑ جاؤ گے تو سودا گر کو شبہ ہوجائیگا کہ تم فی الواقع اسی چیز کے متلاشی ہو۔ معائنہ سے فارغ ہو کر قہوہ کی پیالی طلب کرو اور دوکاندار سے کہدو تمنے کوئی چیز خریدنی نہیں تھی محض تفریح کیلئے قیمتیں پوچھ رہے تھے۔ اسکے بعد چند دنوں کا وقفہ کرکے پھر جاؤ اور متعدد اشیاء کا مول کرا کر واپس چلے آؤ۔ تیسری مرتبہ اگر تم شئے مطلوبہ کو زیادہ غور سے دیکھو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو دام دوکاندار کہے اُسکا تیسرا حصہ اُسے بتا دو۔ چوتھی مرتبہ معرکہ کی تیاری کرکے جاؤ۔ دوکاندار نے اگر دیکھ لیا کہ تم سنجیدہ متمول اور غیر مستقل مزاج نہیں تو غالباً قیمت معلوبہ کی دو تہائی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ اور اسمیں تم گھاٹے میں نہ رہوگے۔ لیکن دوکاندار کے مسلمان یا یہودی ہونیکی شرط لازمی ہے۔ عیسائی دوکاندار تو سے پاؤں تک مونڈ لیتے ہیں۔ اُنسے ایسے بچتے رہو جیسے طاعون سے۔ یہ طریقہ بجائے خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ان متواتر چکروں اور دردسر کا معاوضہ کافی ملجاتا ہے۔ بازار میں ہر ایک چیز پر اسرار ہے اور اکثر خوبصورت بھی ہیں۔ اس بہار پھیری میں تمہیں اُنکی صفت میں سیر ہوجائیگی بازار کیا ہے؟ فصیلدار شہر کے اندر دوسرا فصیلدار شہر ہے اور اس دوسرے شہر میں ایک ناممکن التسخیر قلعہ بنا ہوا ہے جسکے چاروں طرف تنگ گلیاں اور تاریک کوچے اور راستے موجود ہیں۔ کل مجموعہ پر جسکے پیچ در پیچ راستے بھول بھلیاں کو پسے کرتے ہیں اور خود وہاں کے رہنے والے بعض اوقات اُنمیں چکرا جاتے ہیں ڈاٹ دار سقف ہے جسپر دریچہ دار چھوٹے چھوٹے گنبد روشنی کیلئے بنے ہوئے ہیں اس چھت کے نیچے دنیا کے ہر حصہ کے باشندوں کا جم غفیر کاروبار میں مصروف ادہر اُدہر چکر لگاتا رہتا ہے اور ہر دوکان اور کنج معزبی تہذیب اور مشرقی صنعت کی ہر ایک پیداوار سے پٹا ہوا ہے۔ مگر مشرقیت کی بو ہر طرف پائی جاتی ہے۔ یہ وہ بو ہے جو نو واردوں کو تو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُن یورپینوں کو جنہوں نے مشرق میں رہنا اختیار کرلی ہو سخت ناگوار گذرتی ہے۔ الغرض کل دنیا میں بیخ استنبول کے بازار "چارشی" کو ہی حاصل ہے کہ یورپ۔ ایشیا۔ اور افریقہ تینوں براعظموں کی پیداوار ایک جگہ ایکدوسرے سے ملی جلی ہوتی موجود پائی جاتی ہے سب مرکزوں کا مرکز اور قسطنطنیہ کے سوداگروں کا محفوظ امانت گھر اور قلعہ "بازستان" (زرہ فروشوں کی منڈی) ہے۔ چارشی کے اس اندرونی حصہ میں کہا جاتا ہے بے انتہا زر و دولت موجود ہے۔ ہر قسم کے سکے جواہرات۔ جملہ قسم کے قیمتی پتھر۔ ریشمی قالین۔ بیش بہا اقمشہ اور کارچوبی پارچات۔ سونا چاندی۔ اسلحہ اور ہر قسم کی مشرقی دستکاری کے بیش قیمت نمونے لکڑی کے صندوقوں میں ایسی بے احتیاطی سے رکھے

ہوتے ہیں کہ یہ مین دیکھکر حیران رہجاتا ہے۔ ان صندوقوں کو کم بیش آہنی پتریاں اور پیٹیاں تو لگی ہوتی ہیں مگر قفل معمولی قسم کے ہیں۔ تاہم آجتک بازستان میں کبھی کوئی چوری نہیں ہوئی۔ اُسمیں بڑے بڑے مضبوط پھاٹک ہیں جو شام کو سویرے بند کئے اور زیادہ دن چڑھے کھولے جاتے ہیں۔ اور سوداگروں اور دیگر امانت رکھنے والوں نے بیشمار چوکیدار نوکر رکھے ہوتے ہیں جو شرق کے قدیم طریق کے مطابق جسکا یورپ میں بھی عنقریب رواج ہونیوالا ہے دن رات پہرہ دیتے رہتے ہیں عجیب و غریب قفلوں اور زنجیروں و کلیوں کے بنانے میں صدیوں تک اپنی ذہانت صرف کرکے یورپ کو اب یہ سمجھ آنی شروع ہوگئی ہے کہ سب سے بڑھکر حفاظت صرف زیادہ روشنی اور بہتر چوکیدار سے ہوسکتی ہے۔

اس جگہ جو سوداگری کا مال یا قدیم اشیاء درختک لئے جمع ہیں اُنکی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کرنا سراسر فضول ہے۔ ایسی فہرست ایکسو جلدوں میں بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہاں کوئی دو چیزیں یکساں نہیں وہاں انسان مشرق کی دستکاری کی مقدار عظیم۔ اُسکی مختلف اقسام اور گوناگونی اور صنعتی خوبصورتی دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ اہل مغرب ان امور سے بس بس گذشتہ کی نسبت اب زیادہ باخبر اور واقف ہیں۔ اُسوقت تو ایک معمولی ریت یافتہ یورپین کسی قالین کو دیکھکر تمیز نہیں کرسکتا تھا کہ آیا یہ فرانس کے شہر ابیوسن کی ساخت ہے یا سمرنا کی۔ لیکن ان دستکاریوں کو دیکھکر انسان کے دل میں خود بخود یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اگر وہ بیشمار آنکھیں جو "فضول کتابوں" کی تحریر میں دنیا غرق رہتی ہیں۔ اور وہ بیدریغ صدہا حساب انگلیاں جنکا بڑا کام یہ ہے کہ لنجوں کے ہاتھوں کی طرح بیکار رہیں کسی ایسی مفید چیز کی تیاری میں مصروف ہوں جو مشین کی نہیں بلکہ ہاتھ سے بنائی گئی ہو تو کیا دنیا اسے زیادہ دولت منداور زیادہ خوبصورت نہ ہوجائے۔

قسطنطنیہ کی دلفریبی زیادہ تر اُن تین سمندروں کی بے نظیر خوبصورتی پر منحصر ہے جو اُسکی دیواروں کے نیچے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور ان تین سمندروں کی شہرت زیادہ تر اُنکی قاتیقوں کی طفیل ہوئی ہے یہ امر متنازعہ فیہ اور قابل تصفیہ ہے کہ آیا ترکوں نے اہالی وینس کی کشتی موسومہ گنڈولا کی نقل اُتاری ہے یا وینس والوں نے ترکی قایق کی۔ لیکن ان دونوں میں ایسی زبردست مشابہت ہے کہ یہ یقینی امر ہے۔ کہ اُن دونوں کی اصلیت مشترک ہے۔ گنڈولا سے اُسکی چھتری اُتار لو اور منقار نما لمبے حصہ کو ہٹادو تو جو باقی رہجاتا ہے وہ ہوبہو قایق ہے۔ قایق اپنے حجم اور جسامت کے برابر کی تمام دوسری کشتیوں سے بیشتر کمال آرام دہ اور آسانی قابو میں رہتی ہے۔ باقی رہے نکے ملاح وہ ترک ہوتے ہیں جو یورپ بھر میں بہترین

ملاح ملنے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسے نہ ہوں تو ایکدن کام نہ کرسکیں۔ باسفرس اور گولڈن ہارن ہر قسم کی کشتیوں اور جہازوں سے پر رہتے ہیں۔ اور اُنکا پانی اس تیزی سے بہتا ہے کہ ذرا سی غفلت بھی مہلک اثر رکھتی ہے۔ مزید برآں ان کشتیوں کو عموماً فاصلے بھی ایسے لمبے لمبے طے کرنے پڑتے ہیں کہ معمولی لیاقت کا کشتی بان محض تفریح یا کثرت کے لئے اُن کو طے کرنا گوارا نہ کرے ایسے دریا میں جسکی دھار بعض بعض جگہ چار پانچ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہو دھار مذکور کے مقابل ۱۵ یا سولہ میل تک کشتی کو کھینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

اجنبی اکیلا ہو یکی صورت میں قایق سے محترز رہتا ہے کیونکہ ایک تو وہ کشتی بانوں سے کرایہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔ یا اگر رہنما ساتھ ہوا اور اُسنے سودا کرادیا تو ملاحوں کے علاوہ تنہا کی اکیلی کی صحبت میں بیٹھنا پڑتا ہے اور اور وہ مسلسل بکواس کرتے رہنے سے دماغ کو چاٹ جاتا ہے مگر بیسواری نہ کرنے سے وہ گھاٹے میں رہتا ہے کسی جمعہ کی سہ پہر کو گولڈن ہارن میں ایسے وقت جبکہ کشتی بحری کارخانہ سے پسے کی چوڑی کھاری میں داخل ہو اور سورج پہاڑی کے عقب میں ہوگیا ہو خاموش ملاحوں کے بالمقابل کسی ساتھی کے بغیر تن تنہا گدگدی گدیلوں پر سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے سگرٹ پیتے رہنے سے جبکہ کشتی تیزی کیساتھ سطح آب پر تیرتی جارہی ہو وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے جو مدتوں نہیں بھول سکتی خلیج جابجا تنگ اور چوڑی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں وہ چوڑی ہوگئی ہے تو کچھ آگے جاکر پھر یکبارگی تنگ ہوجاتی ہے۔ اور اسی طرح پھر چوڑی اور پھر تنگ۔ سایہ اور روشنی دوش بدوش ٹہلتے ہیں۔ سبز پہاڑیوں کا عکس برابر پانی میں پڑتا رہتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہلکی پھلکی کشتیوں کی رفتار سے پیدا شدہ ننھی ننھی سی موجیں۔ قایق جیوں یعنے ملاحوں اور مردانہ سواریوں کی سرخ ٹوپیاں سفید براق قمیصیں اور زرق برق کی پوشاکیں۔ اور زنانہ سواریوں کی سیاہ مخملی گونیں اور فریچوں کے گوناگون رنگ عجب دلکش سماں بنا رہے ہوتے ہیں۔ جہاں دریا (خلیج) چوڑا ہو وہاں کل کشتیاں دستی پنکھہ کی طرح اُسکی سطح پر پھیل جاتی ہیں اور ہر ایک کشتی والے کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ تنگ موقعوں پر سب سے اول وہی پہنچے۔ ان تنگ موقعوں پر کشتیوں کا پھر ہجوم ہوجاتا ہے۔ اور اُسوقت ملاحوں کی اُستادی ظاہر ہوجاتی ہے۔ کہ وہ بہتیروں سے کس طرح اپنی کشتیوں کو بچائے رکھتے ہیں اور کوئی تصادم نہیں ہونے دیتے۔ شاذ و نادر اگر ایک کشتی دوسری سے چھو جائے تو طبیعت پر کیسا ضبط رکھتے ہیں اور ایکدوسرے سے قطعاً سخت کلامی یا گالی گلوچ نہیں کرتے۔

ان تنگ حصوں میں جابجا خوبصورت چوبی پل بنے ہوتے ہیں۔ اور خلیج کے کنارے ان موقعوں پر پست اور سبز گھاس سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ کشتیاں ان پلوں کے نیچے سے عجیب پھرتی کیساتھ گذرتی ہیں

کناروں پر جا بجا چھوٹے چھوٹے گھنے جھنڈ ہیں۔ ہر ایک جھنڈ میں قہوہ فروش اپنی چھوٹی سی انگیٹھی جسمیں ہر وقت کوئلے دہکتے رہتے ہیں پانی کی صراحی اور صفا پیالیوں کی قطار لگائے بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ ان کنارہ نہر اور مرغزار میں کمبخوں کے کنبے ٹھنڈے گھنے سایہ میں ساری سہ پہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے گھاس پر ایک طرف جھرمٹ باندھے ہوتے ہیں۔ اور مرد اُنسے کسیقدر فاصلہ پر آپسمیں ملکر بیٹھے ہوتے ہیں عورتیں فیچوں سے سارے جسم کو لپیٹ کر اور اپنے گھونگھٹوں سے خوب احتیاط سے چہروں کو چھپا کر بیٹھتی ہیں قیصری بگلہ کے قریب درخت زیادہ گھنے ہیں۔ اور لوگوں کا ہجوم بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے۔ مصری ہیں لفنڈر اور تنہائے بجانیوالوں کی عجیب و غریب عربی سُروں سے جنمیں سے بعض کو درخت بعض سیر ہلی مگر جو قت انگریزی ہیں سب یکساں ہیں شام کی سہانی فضا ہیں اور دلفریبی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لوگ آپسمیں کم بات چیت کرتے ہیں چپکے بیٹھے یا لیٹے ہوئے قدرت کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔ البتہ سب طرف قعلیاں پینے والوں کی صدا "دو ندالہ قیماق" (ملائی کی قعلیاں) برابر گونجتی رہتی ہے۔ محل سے اوپر درخت اور بھی گنجان اور بلند ہیں اور خلقت کا بہت زیادہ ہجوم ملتا ہے۔ اعلے سے اعلے اور نفیس سے نفیس گاڑیوں سے لیکر ٹوٹے ہوئے دہقانی چھکڑے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔ جا بجا سائبان اور خیمے بھی موجود ہوتے ہیں یہ دوکانداروں کے ہیں اور وہاں سے تم گوشت۔ ملائی۔ پنیر۔ سادہ قعلیاں شربت قہوہ اور سگرٹ جو ہر شعبہ کے سنہیں ہوتا ہے خرید سکتے ہو۔

یہ ہے وہ موقعہ جو یورپ کے آب شیریں کے نام سے مشہور ہے۔ اُس جگہ خوشگوار سایہ میں خنک آب رواں کے قریب کچھ دیر بیٹھکر مشرق کی بھینی بھینی ملائیم ہوا کا لطف اُٹھاؤ۔ اور اُسوقت تک جبکہ شفق نمودار ہو جائے اور تاریکیں واپس جانی شروع ہو جائیں اپنے تصورات کا مزہ اُٹھاتے رہو۔ یا اگر تمہاری طبیعت کاروباری ہو اور صبح تم خرید و فروخت کے لئے بازار میں رہے ہو اور وہاں تمہیں کسی دوکان پر ایرانی قالین بیچتا یا ہو تو آپ وہاں لیٹکر اُس (یہودی) اسحاق یا موسےٰ یا (عیسائی) مارشٹو یا دیانت دار ترک دوکاندار مسمی عثمان بک کو فالو کرنیکی تدابیر سوچتے رہو۔

قسطنطنیہ کا رہائشی حصہ

کاروباری محلوں کی حدود اور سرکاری دفاتر اور وزارت خانوں کے قرب و جوار سے پرے قسطنطنیہ دنیا کے خاموش ترین شہروں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ یورپین لوگوں کی نظروں میں ترکوں کی خانگی

معاشرت پر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ مگر فی الحقیقت وہ ایسی مخفی چیز نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔ مگر بلا دمشرق میں بھی گھر کے نوکروں کا یہی حال ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ اور آپس میں عموماً ذکر کرتے رہتے ہیں کہ آج انکے آقاؤں نے فلاں فلاں کھانے کھائے۔ انکی خانو میں اتنی دفعہ باروں کو حنا سے رنگتی ہیں۔ دن میں اتنی مرتبہ غصہ سے بس ہو جاتی ہیں۔ اور اسقدر رقم کی دو کانداروں کی مقروض ہیں لیکن گو یہاں بھی سب چیزیں اسی طرح وقوع میں آتی رہتی ہیں جس طرح کہ انسانی بود و باش کے دیگر مقامات میں مثلاً ہم تنگ و تاریک کوچوں کے مکانات کے بند دروازے اور جالی دار کھڑکیاں نامحرم کی نظر کو ہرگز اندر دخل نہیں پانے دیتیں۔ کاروباری حصص شہر کے مرکز یعنی بازار سے مغرب کی طرف جانے پر دوسری حصوں کی نسبت بازاروں میں بہت کم عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور جو باہر نظر بھی آتی ہیں انکے نقاب زیادہ دبیز اور چہرہ کے زیادہ حصہ پر پڑے ہوتے ہیں۔ یہاں ترکی آبادی ہے جو شہر کے وسط سے شروع ہو کر دروازہ ایڈرنہ یا نوپل اور فہریہ مسجد کی جانب بڑھتی چلی گئی ہے۔ مکانات عموماً دو منزلہ ہیں اور مختلف الحیثیت۔ بعض نہایت مضبوط اور بعض بالکل بوسیدہ اور دوسرے ان دونوں کے بین بین۔ ابھی تم کو پختہ اینٹوں یا پتھر کی نہایت خوبصورت نفیس اور مصفا عمارت ملیگی۔ جنکے چہرہ کے باہر کو نکلے ہوئے سونگے اور زینہ تک ایسے صاف و شستہ ہونگے کہ بوٹ سمیت اوپر چڑھنے کو دل نہ چاہے گا۔ اسکے ساتھ ہی دوسرا مکان ایک چھوٹا سا چوبی جھونپڑا ہوگا جسکے تختے اور کڑیاں ایسی بوسیدہ اور خمیدہ نظر آئینگی کہ تم اسکو دیکھتے ہی حیران رہجاؤ گے یہ مکان قائم کس طرح ہے۔ اسکے بعد تمہیں غالباً کسی کفشدوز کی حقیر حیثیت دوزی یا تہوہ فروش کا پست سا بید چھپر دکھائی دیگا۔ چھپر سے آگے کسی فوارہ کا زنگ آلود جنگلہ اور بعد ازاں چار پانچ گز مربع کا چھوٹا سا قبرستان ہوگا۔ جسمیں قبروں کے سرہانے کے سنگی مینار لمبے گھاس کی طرح جھکے ہوئے یا چاروں طرف لیٹے ہوئے ہونگے۔ اس سے آگے پھر مکانات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا جنمیں سے کوئی سیدھا اور مستقیم کھڑا ہوگا۔ اور کوئی خم کھا گیا ہوگا پھر کوئی چھوٹی سی مسجد اس سے آگے دوسرا قہوہ خانہ۔ بعد ازاں گلی کا سرا جہاں لاغر بدن لڑکے کرایہ کے لئے دو یا تین مضبوط گھوڑے جو قسطنطنیہ میں اسیطرح کرایہ پر چلتے ہیں جیسے دوسرے شہروں میں گاڑیاں) پکڑے ہونگے۔ پھر یہ گلی دوسرے بازار یا کوچہ میں جا ملیگی۔ غرض یہ ہے نقشہ ترکی آبادی کی گلیوں کا۔ جو پہاڑی سے اوپر نیچے بازاروں اور کوچوں کے برائے نام قابل شرم فرش پر سے گذرتے ہوئے تم کو فصیل شہر کے قرب و جوار تک دکھائی دیگا۔ البتہ مکانوں کی حیثیت اور بناوٹ آبادی کے ہر حصہ میں تمہیں کم و بیش

مختلف نظر آنیگی فصیل کے برابر برابر زمین یکبارگی معقول فاصلہ تک پشتہ کی طرح دروازوں اور فصیل سے پرے کے کھیتوں کی سطح کے برابر بلند ہوگئی ہے۔

مسجد قہریہ

ہر فوجدار اور سیاح قہریہ مسجد کو ضرور دیکھتا ہے۔ یہ کسی زمانہ میں یونانی راہب خانہ اور پرانا کنیسہ تھی۔ اسکی عمارت تو مختصر سی ہے۔ مگر نقش و نگار اور تصویروں کی وجہ سے قابل دید ہے۔ مسجد کا مُلّا خالص النسل روشن خیال ترک ہے۔ آنکھیں نیلی۔ بال بھورے اور رنگ نکھرا ہوا اُسکا سبز عمامہ بتا رہا ہے کہ وہ آل رسول[1] ہے۔ اور وہ تھوڑی سی فرانسیسی بھی بول سکتا ہے اور اپنی مسجد کی عمارت کی خوبیوں سے ویسی ہی دلچسپی رکھتا ہے جیسی کہ کسی عجوبہ پسند یورپین سیاح کو ہو سکتی ہے۔ یہ اُسی کی طفیل ہے کہ مسجد کی دیواروں سے چونے کے پلاستر کے حصہ کثیر کو دور کر کے پرانے نقش و نگار اور تصویریں آشکارا کر دی گئی ہیں اور عمارت ہر وقت درست حالت میں رہتی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں ذرا سا ٹکڑا بھی مرمت طلب ہوا اُسکی فوراً درستی کر دیجاتی ہے۔

قسطنطنیہ کا نظارہ فصیل سے

متذکرہ صدر پشتہ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ حال میں تعمیر ہوا ہے۔ وہاں سے شہر کا ایسا نظارا ہوتا ہے۔ جو باقی جوانب کے نظاروں سے بہت ہی مختلف ہے۔ اس طرف سے قسطنطنیہ کی شکل ہی بالکل نئی دکھائی دیتی ہے۔ باسفرس سا انسان کو مسجدوں کے گنبد اور مینار کے سوا جنمیں کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی سبزی یا سیاہ شمشاد یا سرو کے بلند درختوں کا سایہ بھی جلوہ فگن ہوتا ہے اور کچھ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ مگر شہر کے اس سرے سے دیکھنے پر مکانوں کی نسبت درخت زیادہ معلوم ہوتے ہیں شہر میں ہر جگہ ہری سبزی خاکی بالو چھتوں کے بیچوں بیچ اُبھری ہوئی نظر آتی ہے۔ پائین میں اور بائیں جانب خلیج گولڈن ہارن کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ زیر قدم نشیب میں مشہور قہریہ مسجد اور اسکے تین سرو ہیں اور دور فاصلہ پر سرسکر کے قرب و جوار کی بڑی بڑی عمارتیں اور ایا صوفیا کا دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے۔

---

[1] سبز عمامہ کا لازمی طور پر سادات کا نشان ہونا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ خالص النسل ترک ہونا کجا اور سید ہونا کجا بہر نوع عمامہ کا نشان غلط ہے یا مُلّا ترک نہیں۔ (مترجم)

فصیل دیدی قلعہ

شہر کے اس حصہ میں آبادی پتلی ہے۔ اور وہ بظاہر تقریباً ویران سا معلوم ہوتا ہے۔ جوں جوں زمین بلند ہوتی جاتی ہے۔ مکان کم اور بہت سے بیڈول سے کشادہ میدان ملتے جاتے ہیں جنیپر موسم بہار میں ہری ہری گھاس گرما میں بالشت بالشت بھر گرد و غبار اور سرما میں گھٹنوں تک کیچڑ ہو جاتا ہے۔

شہر کے اس طرف گولڈن ہارن سے لیکر سنجیر مار مورا تک وہ برجدار مستحکم فصیل چلی جاتی ہے جسکے سامنے ایوب ایسے نامور غازی کی کوئی پیش نہ گئی اور وہ اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں شہید ہوئے تھے۔ اور یہی فصیل ہے جسنے آخری محاصرہ میں محمد فاتح کو کئی ہفتہ شہر کے اندر قدم نہ دھرنے دیا تھا۔ سمندر سے بالکل قریب قلعہ یدی سومہ یدی قلہ (ہفت برج) واقع ہے جسے محمد فاتح نے تعمیر کیا ہے۔ یہ اب بالکل ویران پڑا ہے۔ اسکا فراخ صحن۔ ہشت پہلو برج پھاٹک اور فصیلیں۔ الغرض کل وسیع و فراخ کہنہ اور کاہیدہ انقلابات زمانہ سے اب ایک بے نام و نشان ارمن ہو چکی کا مسکن بنا ہوا ہے پہلے یہ شہر کا محافظ قلعہ اور گڑھ تھا۔ پھر قید خانہ ہوا۔ جسمیں سلاطین قانون بین الاقوام اور تعلقات باہمی کے من مانتے معنے کر کے ان ممالک کے سفراء کو جنسے جنگ کا اعلان کیا جاتا تھا قید کر دیا کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ مدرسہ کا کام دیتا رہا۔ اور اب بالکل کھنڈر پڑا ہے۔ پچھلی دفعہ جب میں وہاں گیا تو حسب معمول پتھروں کی بینڈ پر سے مشہور خونی چاہ کو دیکھنے کے لئے بیرونی دروازہ سے گذرتے وقت ایک پتھر سے جو محراب کے نیچے پڑا ہوا تھا مجھے ٹھوکر لگی۔ میں نے اسکو اٹھا لیا۔ وہ کسی عورت کی قبر کے سرہانے کا پتھر کا ٹکڑا تھا۔ کیونکہ اسپر سورج کھبی کا پھول پتھر کو کھود کر بنا ہوا تھا۔ جو عورتوں کی قبروں کا نشان ہے۔ مردوں کی قبروں کے پتھروں پر پہلے عمامہ اب فس کا نشان ہوتا ہے۔ پھول کے نیچے کتبہ کا کچھ حصہ موجود تھا۔ جو ابھی تک بخوبی پڑھا جا سکتا تھا۔ پہلے عربی زبان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اسکے نیچے ترکی میں چند الفاظ تھے جسکے معنے یہ ہیں "میں اس باغ عالم میں آئی۔ مگر مروت و احسان کا کہیں پتہ و نشان نہ پایا" معلوم ہوتا تھا کہ آگے بھی کچھ عبارت موجود تھی۔ مگر پتھر اسجگہ سے ٹوٹ گیا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں عجیب درد بھرا تھا۔ خدا معلوم یہ عورت جو سالہا سال سے دراز سے فصیل سے باہر مدفون ہے کون تھی۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا گویا کہ گویا اس ناشاد عورت کی روح پھر واپس آکر اس باغ عالم کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہی ہے۔ اور التجا کر رہی ہے کہ زندگی میں تو نصیب نہوا۔ اب ہی کوئی تھوڑی سی مروت اور احسان کر گذرے۔ میری چار دانگ طرف سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ دھوپ باغ پژمردہ جھاڑیوں

اور گرد آلود رشوں پر جو کسی زمانہ میں قلعہ کے صحن کی رونق تھا اور نیز سامنے کی ویران پہاڑی پر مہدم مسجد اور خونی چاہ کی منڈیر جو کشادہ پہاڑیوں سے پرے تنہا خوب تیزی سے پڑ رہی تھی۔ اور اس ہو کے عالم میں اس نرکی عورت کی نامراد روح دمبانی محراب میں کھڑی بیفائدہ رحم و کرم کی درخواست کر رہی تھی۔ جسکو پورا کرنیوالا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

ارمن موچی کا بیان ہے کہ جب محمود مصالحہ نو سنگھاسنکی فوجکو نیست و نابود کیا تو کئی ینگچریوں کے سر اسکنوبیر میں پھینکے گئے تھے۔ وہ تاریک اور بہت گہرا ہے۔ پانی اسمیں ابتک موجود ہے۔ مگر مقتولین کے سر فرنگی کوئی کہو پری اب غالباً باقی نہیں رہگئی ہوگی۔

قلعہ کی وسعت کا اندازہ کسی ایک برج پر چڑھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے فصیل پر کھڑے ہونے سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ یہ برج بھی بجائے خود نہایت وسیع اور تاریک ہیں۔ اور اکثر گرداگرد چوبی خانے بنے ہوئے ہیں جنپر صرف دہنی چوبی زینوں کے راستہ پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ خانے کسی وقت سپاہیوں کی خوابگاہوں کا کام دیتے تھے۔ برجوں کے اندر پیچ در پیچ زینے ایسے تاریک ہیں کہ ارمنی موچی کو راستہ دکھانے کیلئے روز روشن میں لالٹین جلا کر ساتھ لانی پڑتی ہے۔ ان برجوں کے نیچے اور قید خانے بنے ہوئے تھے۔ نیچے قید خانے کھڑکی دار اور بالائی بلا دریچے تھے۔ آخری یورپین سفیر جو یہاں قید ہوا فرنچ سفیر مسمی رفن تھا جو ۱۷۹۸ء میں ٹرکی اور فرانس میں جنگ کا اعلان ہونے پر نظر بند کیا گیا۔ جس کمرہ میں اُسے قید رکھا جانا بیان کیا جاتا ہے اُسمیں روشنی کیلئے صرف ایک سلاخدار دریچہ ہے جو دو فیٹ مربع سے بھی کم ہے اور فرش سے اسقدر بلند ہے کہ بہت ہی دراز قد آدمی اُسمیں سے باہر کو دیکھ سکتا ہے۔ اس امر کا سب کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ ترک قانون بین الاقوام کو جس سادگی اور دلیری سے بالائے طاق رکھکر ممالک اجنبیہ کے سفراء کو قید کر دیا کرتے تھے وہ خالی از ہیبت و جلال اور دلچسپی نہ تھی۔ برجوں کی کہیر ملی چھتوں پر پچاس یا زیادہ برسوں کے عرصہ میں آندھیوں سے مٹی کے انبار جمع ہو گئے ہوئے ہیں اور اسپر جھاڑیاں اور بوٹیاں بکثرت اُگی ہوئی ہیں۔ موچی کا بیان ہے کہ مقتول سفراء کی روحیں جنکے سر اسیطرح فصیلوں کے کنگرہ پر چن دیئے جاتے ہیں جس طرح لنڈن کے محل ٹیمپل بار کے کنگرہ پر رات کو اس باغ آویزاں میں گشت کرتی رہتی ہیں۔

ترکوں کی معاشرت

اکثر دیگر ایشیائی شہروں کی طرح قسطنطنیہ کے باشندے بھی دو مختلف طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں

یعنے اندرون خانہ دیہروں خانہ۔ اکثر ترک علی الصباح گھروں سے نکلجاتے ہیں اور کام سے فارغ ہوکر سہ پہر کو شام سے کچھ ہی پہلے واپس آتے ہیں۔ دن کو گھروں سے باہر بازاروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ مگر جونہی کہ اُنکا کام ختم ہوجائے وہ فوراً گھر کو نکل چلدیتے ہیں۔ اور اگر اُسوقت تم کسی ترک کو گھر پر ملنے جاؤ تو جواب ملیگا کہ وہ حرم میں ہے اور وہاں سے اُسکو بلایا نہیں جاسکتا۔ حتیٰ کہ نوکر اُسے تمہارے آنیکی اطلاع کرنیسے انکار کرینگے۔ لیکن اگر تمہیں اُس سے سخت ضروری کام ہو اور ملاقات کئے بغیر چارہ نہ ہو تو تم کو سلاملق میں بیٹھکر اُسکے خود بخود اپنی مرضی سے باہر نکلنے کیوقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ سلاملق مردانہ نشستگاہ کو کہتے ہیں جو ہر ترک کے مکان میں ضرور ہوتی ہے اور اُس سے پرے حرم کا پُراسرار علاقہ ہوتا ہے۔ حرم مروجہ اصطلاح کے مطابق خاص پرائیویٹ وہاں غیر نہ جاسکیں کمروں کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لفظ مجرد آدمی کے مکان کے پرائیویٹ کمروں پر بھی جسمیں صرف مرد بستے ہوں صادق آتا ہے مگر بالعموم یہ ایسی جگہ کے لئے بولا جاتا ہے جو عورتوں کیلئے مخصوص ہو چنانچہ ترکی ریلوے گاڑیوں کے آخری کمرہ کو بھی جس کے اور گاڑی کے باقیماندہ حصہ کے درمیان پردہ ہوتا ہے حرم کہتے ہیں۔ اسیطرح جہازمیں عورتوں کے کمرہ کو اور مسجد کی جالیدار گیلری کو بھی حرم پکارا جاتا ہے۔ رہائشی مکان میں حرم ہی وہ حصہ ہے جہاں صاحب خانہ کی بیوی بچے۔ اور کنبہ کی دوسری خاتونیں رہتی ہیں ضمناً اسموقعہ پر یہ تحریر کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ گو قرآن کریم ایک ہی وقت چار تک کی اجازت دیتا ہے۔ اور طلاق کا مختار رہنے کی وجہ سے مرد اگر چاہے تو ہمیشہ بیوی کو بدلتا رہسکتا ہے۔ تاہم آجکل بہت کم ترک ایسے ہیں۔ جنکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ اب وہ پرانے زمانہ کے ترک جنکی بیشمار بیویاں اور کنیزکیں ہوتی تھیں سوائے شاذ و نادر مستثنیات کے بالکل نہیں رہگئے۔ البتہ مسلمانوں نے پردہ کو جو مذہبیاً اور رواجاً اُنہیں چلا آتا ہے اور کئی فائدے رکھتا ہے نہیں چھوڑا۔ اُس دروازے کے پیچھے جو سلاملق سے اندر جاتا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ گذرے اُسمیں غیر کو مداخلت کرنے کی مجال نہیں حتیٰ کہ وہ لوگ جنہیں مشرقی رسم و رواج کا کچھ بھی علم ہے مکان میں عورتوں کی موجودگی کی نسبت اشارا کرنے کا خیال تک نہیں کرتے۔ ترکوں کی زندگی مکان سے باہر دن کیوقت صرف مردوں کی صحبت میں بسر ہوتی ہے دن کیوقت وہ اپنے کنبہ کی کسی عورت کی صحبت یا رفاقت میں دیکھا جانا پسند نہیں کرتے بیسیوں ایکدو دفعہ ایکدو ترکوں کو ایشیائی ساحل پر علاقہ کدر اندر نقاب پوش خاتونوں کے ہمراہ گاڑی پر سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر استنبول میں ایسے مشاہدہ کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ دن کو ترک گھر سے باہر اپنے کار منصبی اور فراغت کے لحاظ سے بازاروں

بازاروں میں یا کھلے میدانوں میں درختوں کے نیچے یا بازار کی دو کانوں میں کھانے پینے اور قہوہ و سگرٹ نوش کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے مصروف اور کاروباری حصہ میں بادچیخانوں اور قہوہ خانوں کی بہت کثرت ہے، اور پھیری والوں کا تانتا جو کھانے پینے کی چیزیں بید کے خوانچوں میں رکھے ہوئے ہجوم میں ادھر اُدھر چکر لگاتے رہتے ہیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ جدھر نگاہ کرو کوئی نہ کوئی خوانچہ والا اٹھا ہوگا۔ یہاں ایک شخص ڈبل روٹی "پیدہ" (فطیری روٹی) اور پیکیمیٹ" (بسکٹیں) بیچ رہا ہے اُس سے چند قدم پر پنیر فروش موجود ہے۔ جو مدور بانسی ٹوکرے میں دو تین قسم کا پنیر اور "یودر" (دہی) رکھے ہوئے ہے۔ وہاں ایک باورچی کباب گرم گرم پلاؤ۔ ساگ اور دوسری ترکاریوں کا سالن بیچ رہا ہے۔ حلوائیوں مٹھائی فروشوں۔ اور شربت بیچنے والوں کا تو کوئی حد حساب ہی نہیں۔ سب سے زیادہ کثرت سقوں کی ہے وہ بالعموم ایک ڈھول کی شکل کا آبدان کندھوں پر لٹکائے ہوتے ہیں جس پر دھوپ سے بچاؤ کرنے کیلئے ہری ٹہنیاں اور شاخیں رکھی ہوتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں چرمی نلکی کا پیتلی موہانہ اور دوسرے میں دو یا تین درنی مسی کٹورے ہیں۔ جنکو انگلیوں کی عجب استادانہ حرکت سے وہ ہر وقت بجاتے رہتے ہیں۔ اور اس آواز سے راہگذروں و تشنہ دہانوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بہشتی اسوقت کہاں بلا رہے ہیں اگر سیاح اٹلی کے راستہ یہاں آیا ہو تو وہ ہر قسم کے ماکولات اور شربات کے بیچنے والوں کی ذاتی صفائی اور ستھرائی دیکھکر دنگ ہو جائیگا۔ اور انکی چیزیں بھی ایسی نفیس ہوتی ہیں کہ خواہ مخواہ سیر ہوا سے خود بخود بھوک پیدا ہو جائیگی۔ خوانچہ والوں کے علاوہ بازار میں کئی بادچیخانے اور ہوٹل بھی ہیں۔ اسی بازار میں ایک فربہ اندام خوشرنگ ترک ایسے عمدہ کباب بناتا ہے کہ کل دنیا میں ویسے کباب نہ بنتے ہونگے۔ اسکی مختصر سی دکان بازار کے متصل ایک چھوٹے سے چوک میں ہے۔ سرمر کی صاف سل پر جو دریچہ کی دہلیز کا کام دیتی ہے چوبی سیخوں کی قطاریں لگی ہیں کہ حسب ضرورت فی الفور اٹھا کر آگ پر رکھدی جائیں پلاؤ بڑی بڑی سینیوں میں پڑا ہے۔ جسکو ہر وقت گرم رکھنے کیلئے سینیوں کے نیچے کوئلے جل رہے ہیں۔ اور پاکیزہ بدن چابکدست لڑکے گاہکوں کی خدمت کے لئے دست بستہ کھڑے ہیں۔ گاہک یا تو اُس میز پر بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں جو باورچیخانہ کے عقب میں بچھی ہوتی ہے۔ یا دروازہ سے باہر خاموش چپ چاپ چوک میں جو باورچیخانہ کے سامنے ہے۔ سب سے مرغوب کھانے کی ترکیب یورپینوں کو لاکلام نہایت عجیب معلوم ہوگی جو حسب ذیل ہے "پیدہ" (فطیری روٹی) کی مربع ٹکڑے کاٹکر شوربے کی رکابی میں اوپر تلے رکھدیئے جاتے ہیں۔ اُسپر بلوئی ہوئی

ملائی کی دو انگشت موٹی تہ بچھا دیجاتی ہے۔ پھر اسپر آگ سے اسیوقت اُترے ہوئے گرما گرم گوشت کی ٹکیوں کا انبار لگا دیا جاتا ہے۔ بعدہ ان سب چیزوں میں نمک پسی ایلچی۔ اور گرم مصالح ڈالکر انکو ملا لیا جاتا ہے۔ کیا نہایت لذیذ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ زود ہضم ہوتا ہے۔

اس امر کی تصدیق اُن سیاحوں سے ہوسکتی ہے جو دیس بدیس ہر چیز کو ترش ملائی کیساتھ کھانے کے عادی رہے ہیں۔ پلاؤ بھی کوئی بُری چیز نہیں ہے اُسکے تیار کرنے کی درست ترکیب بتانے سے محترز رہتا ہوں۔ اسکے لئے بہت جگر چاہیئے۔ دنیا میں ترکی۔ یونانی۔ ایرانی اور ہندوستانی یہ چار قسمیں پلاؤ کی بہت مشہور ہیں بوجہ صدر انکے فرق بتانے سے بھی اغماض کرتا ہوں۔ البتہ یہ لکھے دیتا ہوں کہ میری سمجھ میں ایرانی پلاؤ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ باورچی فقط کھانے کی چیزیں دیتا ہے۔ پانی بہم پہنچانا اُسکا کام نہیں اگر تمہیں ضرورت ہو تو اُس سقہ کو جو بازار میں چکر لگاتا رہتا ہے بُلا کر پانی یا شربت کا کٹورہ خرید لو قسطنطنیہ میں بھی اب تہذیب گھر کر گئی ہے۔ ہر گاہک دوکاندار سے اسبات کا متوقع ہوتا ہے کہ کہا نیکے ساتھ چھری کانٹا ملے۔ ان دونوں چیزوں کو اب ترک نہایت سلیقہ کیساتھ استعمال کرسکتے ہیں ایران میں شوربہ کیساتھ فطیری روٹی علیحدہ دیجاتی ہے جسے گاہک ہاتھ سے توڑ توڑ کر کھاتا ہے۔ اور میری بھی ہمیشہ یہی رائے رہی کہ کانٹے کی نسبت انگلیوں کو ہی بدرجہا زیادہ مناسب آلہ غذا کھانے کا سمجھنا چاہیئے۔ کھانے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی اپنی انگلیاں ہیں۔ اور ان کو اُسنے کھانے سے پہلے دھو لیا ہے۔ مگر ہوٹلوں اور عام ضیافتوں میں جو کانٹے دیئے جاتے ہیں اُنکی نسبت دُھلے ہوئے ہونے کا کبھی یقین نہیں ہوسکتا اور خدا معلوم پہلے اُنکو کس شخص نے اور کس طرح پر استعمال کیا تھا۔ ہم سوک کرنے کے بغیر رہنے کی تکلیف گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر دوسرے آدمی کی سواک یا دانتوں کا برش استعمال نہیں کرتے لیکن کانٹے خواہ کل دنیا کے مستعمل ہوں۔ اُنکی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ اس ایک ہی امر سے اکثر بیرونی اور ظاہر دارانہ صفائیوں اور نفاستوں کی قلعی بخوبی کھل رہی ہے۔

ترک جو کچھ بازاروں میں کھاتے ہیں وہ سب ایک طرح سے تیسرے پہر کا ناشتہ ہوتا ہے۔ اصل کھانا وہ شام کو بعد وہ اپنے گھروں میں کھاتے ہیں بازنطان کے تاریک کونہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسکے چھوٹے سے مینار کی چوٹی بازار کی ڈاٹ دار چھت کے نیچے بعینہ بچوں کے کھلونہ مکان کے شبیہ معلوم ہوتی ہے۔ دوپہر کے وقت موذن اس مینار پر چڑھکر اُسکے دریچہ میں سے اُسی مشہور کی سنتہ مسلمانوں کو نماز کے

کے لئے بلاتا ہے۔ جس طرح سلطان احمد کی عالیشان جامع کا موذن اُسکے سر پر ملک بینارہ کی چوٹی سے بازار کے کھلا ہونے کے اشارے میں جنبی نمازوں کا وقت ہے اتنی دفعہ یہ موذن برابر اذان دیتا رہتا ہے۔ دوپہر ظہر کی اذان سے گو چھوٹے بڑے سب کو خبر ہو جاتی ہے کہ دوپہر ہو گئی ہے۔ اسوقت کا کھانا کھانا چاہئے۔ مگر جس طرح کہ یورپ کے جنوبی عیسوی ممالک میں دوپہر کے کھانے کے وقت لوگوں میں عام ہلچل پڑ جاتی ہے یہاں خلقت کے اژدہام میں ویسی کوئی عام دوڑ دھوپ نہیں دیکھی جاتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ترک جب گھر سے باہر ہوتو اُسکے کھانے کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ اور اُسے اسبات کی پروا نہیں ہوتی کہ ٹھیک مقررہ وقت پر کھانا کھائے۔ بلکہ جب فرصت ہوئی کھالیا۔ صرف شام کا کھانا ایسا ہوتا ہے جسے وہ پابندی کیساتھ پرانے دستور کے مطابق گھر میں بیٹھکر کھاتا ہے۔ ابھی تک کئی ایسے ترکی خاندان ہیں جنکے ہاں کھانے کا دسترخوان ہر روز سلاملق میں بچھایا جاتا ہے۔ اور غریب و امیر جو آجاتے اُسکے لئے کھلا ہوتا ہے۔ اسوقت جو آجائے اُسے کھانے میں شریک کر لیا جائیگا۔ فرق اتنا ہوگا کہ اگر نووارد صاحب خانہ کی حیثیت کا ہوا تو اُسکے ساتھ بیٹھ جائیگا۔ اور اگر کم درجہ کا ہوا تو وہ دسترخوان پر جو اُسی کمرہ میں ذرا علیحدہ کسکے کم درجہ والوں کے لئے بچھا ہوا ہوتا ہے۔ ٹرکی میں کھانا کھانے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ مہمان رات بھی وہیں بسر کرے۔ میزبان اپنے مہمان کو پلنگ و بستر کے علاوہ شب خوابی کے کپڑے اور سلیپر بھی بہم پہنچاتا ہے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ خاتونان حرم اُس دسترخوان پر نہیں ہوتیں۔ وہ حرم کے اندر علیحدہ دسترخوان پر کھاتی ہیں میرے ایک دوست کے خانساماں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے سخت شکایت کی۔ کہ عموماً مہمان صبح بہت سویرے اُٹھکر وہ سلیپر اور کپڑے اُٹھا لے جاتے ہیں جو رات کو اُنہیں دیئے جاتے ہیں۔ اور میرے آقا کی کشادہ دلانہ میزبانی اور مہمان پروری کا یہ کمینہ بدلا دیتے ہیں یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ترک میز پر زیادہ دیر نہیں بیٹھتے۔ کھانا ہوتا تو بیشک بہت قسموں کا ہے۔ مگر ہر ایک قسم ہر ایک مہمان کے سامنے صرف ایکدفعہ رکھی جاتی ہے۔ اور جونہی اُسکی رکابیاں خالی ہوئیں۔ ملازم جھٹ پٹ اُنہیں اُٹھا کر دوسری قسم رکھدیتے ہیں ✦

جو سڑک ڈاک خانہ سے نورعثمانیہ کو جاتی ہے۔ وہ قسطنطنیہ کی قابل ذکر سڑکوں میں سے ہے۔ غلط پل اور بازار کے درمیان زیادہ تر اسی پر آمدورفت ہوتی ہے۔ اُسمیں بیشمار بہت سے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اور ہر ایک قسم کی تجارت اور ہر قوم کے لوگوں کی اُسمیں دوکانیں اور کوٹھیاں موجود ہیں۔

اسکی کیفیت ناقابل بیان ہے۔ یونانی اور ارمنی معالج دندان اس نواح میں بکثرت رہتے ہیں۔ انکی دکانوں کے دروازوں پر بڑے بڑے تختے آویزاں اور بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ جو اگر ان کی قابلیت کی مقدار کے لحاظ سے ہیں تو وہ بیشک بڑے ماہر دندان ساز ہونگے۔ اسی جگہ ڈاک خانہ کے قرب وجوار میں منشی اور خطوط نویس ناخواندوں کے نامہ وپیام لکھنے کیلئے سارا دن سایہ میں بت بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ زیادہ تر ترکی مستورات انکی گاہکیں ہیں جو بیحد اور رازدارانہ لب ولہجہ میں انکو اپنے خط لکھواتے وقت چہرہ کو بالعموم نقاب سے زیادہ احتیاط کیساتھ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اٹلی اور یونان نیز اکثر کئی شرقی ممالک میں یہ طریق عام مروج ہے۔ مگر پھر بھی ان عورتوں میں سے چند کے چہروں کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے جو منشی کی میز پر بڑے شوق سے جھکی ہوئیں اسکی تیزی کیساتھ چلتی ہوئی قلم کو دیکھتی رہتی ہیں تھوڑی دیر کیلئے ٹھیر جانا تضیع اوقات نہیں ہے۔ ترکی کافی کی قلم سے لکھی جاتی ہے۔ اور دوات میں سوف دار سیاہی ہوتی ہے۔ اسی مقام کے قریب بنی جامع ہے۔ جو قسطنطنیہ کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے اور ہر وقت مختلف الاقوام دالعمر نمازیوں کا اسمیں جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ بازار کے شور وغل۔ آپا دھاپی اور چمک دمک کو پیچھے چھوڑ کر مسجد کے دروازہ پر سے بوٹ پر سلیپر پہننے کے بعد کسی نماز کیوقت متبرک عمارت کے اندر داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں بالکل دوسرا نقشہ دکھائی دیگا۔ جو عجیب بامتانت اور شاندار ہوگا اور ساتھ ہی تم پر اہالی مشرق کی طرز زندگی کا پراسرار خاصہ اور راز سربستہ واضح وآشکارا ہو جائیگا۔ تم دیکھوگے کہ خنک سایہ میں ہر عمر کے مسلمان محراب یا دیواروں کی مقدس تحریروں اور کعبہ کی طرف منہ کئے رکوع سجود میں مصروف ہیں۔ انکی حرکات وسکنات مختلف اوضاع اور لب ولہجہ سے ایسی صداقت اور مخلصانہ اعتقاد مترشح ہو رہا ہے کہ جس طرح بلحاظ نوعیت مشرق الاقصیٰ کے مشرکانہ توہم سے بدرجہا افضل وفائق ہے اسیطرح اسکی سادہ صداقت اور اخلاص معمولی لیاقت کے عیسائی کی سمجھ سے اعلیٰ وارفع ہے۔ سالہا سال میں کچھ عرصہ بود وباش رکھنے کے بعد اس امر کا یقین کامل نہ ہو جانا ناممکن ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں کامل مخلص ہیں۔ انکی مذہبی پرجوشی اور مذہبی رسوم کی پابندی میں ریاکاری کو مطلق دخل نہیں اور کہ جب سورکائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کا جھنڈا کھولا گیا جس امر کے وقوع میں آنے کے امکان کو کبھی کبھی ہمارے عیسائی بھائی اشارتاً کنایتاً مبہم وشکوک سا بتاتے ہیں تو اُس سے ایسے نتائج پیدا ہونگے جو یورپ کے فلسفہ کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہیں آئے۔

قسطنطنیہ کو دنیا کے دوسرے شہروں پر ایک بڑا فخر یہ حاصل ہے۔ کہ اُسمیں قدم قدم پر اجتماع ضدین پایا جاتا ہے۔ یہاں کچھ اور نقشہ ہے۔ دو قدم آگے جاؤ تو اُس سے بالکل برعکس کیفیت دیکھی جاتی ہے ان اچانک تغیرات میں سب سے زیادہ موثر تغیر وہ ہے جو بازاروں سے مساجد و مقابر میں داخل ہونے پر پایا جاتا ہے۔ اول الذکر میں وہ چہل پہل اور دھکم دھکا کہ الامان۔ چند قدم پر آخر الذکر میں بالکل خاموشی۔ اور مدہ باغ سکوت کا عالم۔ اکثر جوامع کے اندرونی حصوں کی حیرت افزا زیب و زینت دیکھکر مشرقی خاصہ کا سرنہاں پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر مشرقی ممالک کی طرح یہاں بھی صنعت و دستکاری کے بعض اعلےٰ ترین نمونوں کے دوش بدوش کمال بھدی چیزیں اور مکروہ سجاوٹیں پائی جاتی ہیں۔ اکثر چیزوں کی شان و شوکت جس کیوجہ سے ہی مشرق کو عموماً شاندار مشرق پکارا جاتا ہے بعض بے اندازہ بھدی اور بدسلیقہ چیزوں کے قرب سے جو یورپین کی نگاہ میں کمال مکروہ معلوم ہوتی ہیں اور بھی زیادہ نمایاں اور واضح ہو رہی ہے مگر یورپ کیطرح یہاں بھی صنعت و دستکاری اور فنون زیادہ تر مذہب اور مذہبی خیالات سے وابستہ ہیں سنت والجماعت عقیدہ کے مسلمانوں نے جو کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے فن تحریر پر اسقدر توجہ صرف کی ہے جسقدر کہ مغرب میں مصوری اور نقاشی کی گئی ہے تعلیم یافتہ ترک کو خوشخط قطعہ دیکھکر ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جتنی کہ ہمیں اُستاد زمانہ مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھکر۔ یورپین کیلئے عربی رسم الخط سے جو ایک طرح کی "شارٹ ہینڈ" مختصر نویسی ہے کچھ عرصہ میں مانوس ہو جانا مشکل امر نہیں تھوڑی مدت کی مشق سے وہ اُسکو اُسی تیزی اور روانی کیساتھ پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح کہ وہ لاطینی اور گوتھک خط کو پڑھ سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ فن تحریر کے اُن نکات صنعتوں اور خوبیوں کو کبھی تمیز کرنیکے قابل نہیں ہو سکتا۔ جو ایشیائیوں کے نزدیک ویسی ہی منزلت رکھتی ہیں جیسی کہ ہمارے مذاق میں رنگوں کی شوخی اور ہلکاپن اور سایہ و روشنی کے متعلق مصوری اور نقاشی کی باریکیاں۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک ترک نے ایک قطعہ کی طرف جو دیوار پر آویزاں تھا اور جسکی سفید زمین پر صرف سیاہی سے ایک کیت لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی رنگ آمیزی یا گلکاری کسی طرح کی نہیں تھی۔ اشارا کے کہا یہ تحریر مجھے ویسی ہی خوبصورت اور پیاری معلوم ہوتی ہے جیسی کہ تمہیں ماہر مصور طیطیان کی کوئی تصویر" فن خوشنویسی کے ایسے اعلےٰ نمونوں کو نہایت بیقیمت چوکھٹوں میں جڑ کر شیشوں کے پیچھے رکھا جاتا ہے، مگر بعض نہایت ہی اعلےٰ درجہ کے خوبصورت خطوں کے ان دعنی کہ پیلوں پر پائے جاتے ہیں جو آرائیشی زینت کیلئے مسجدوں اور مقبروں میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کتبوں کی ترکوں کی نگاہ میں ایسی وقعت ہے۔ کہ

اُنکے خیال کے مطابق کے اُنکی کوئی قیمت ہی نہیں ہوسکتی۔ یورپین شائقین صنعت قدیمہ کی نظروں میں بھی بسرعت تمام اُن کی یہی وقعت ہوتی چلی جارہی ہے۔ مگر اُن کتبوں کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی دستیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ عموماً مذہبی ہیں اور مذہبی مقدس مقامات میں ہی بالعموم اعلےٰ نرپن بھونے پائے جاتے ہیں افسوس مشرق میں صنعت و دستکاری کا دن بدن تنزل ہورہا ہے۔ اور ان عجیب و غریب کہربلیوں کے جنہیں اب تک ہزاروں موجود ہیں بنانے کا راز ہمیشہ کے لئے دنیا سے ناپید ہوگیا ہے۔ قسطنطنیہ میں اب بھی وغنی کہربلیں یعنی اُنکی نقلیں بنتی ہیں۔ مگر بہت ادنےٰ درجہ کی اور بالکل بے حقیقت۔ مزید برآں یہ کام از سرتا پا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے ؂

مشرق کی کونسی داستان یا افسانہ ہے جسمیں عربی گھوڑے کا لمبا چوڑا ذکر نہ ہو اور اُسنے اُس میں بہت بڑا حصہ نہ لیا ہو۔ جب میں اول اول استنبول کے سخاس اسپان کو گیا۔ تو مجھے خیال تھا میں وہاں ایسے ایسے خالص النسل بدیع الزمان نجیب الطرفین گھوڑے دیکھونگا کہ لیڈی این بلنٹ[1] اور اُسکے خاوند کے دل بھی اُنہیں دیکھکر باغ باغ ہوجائینگے۔ مگر مجھے ایسی مایوسی ہوئی کہ عمر بھر ویسی نہیں ہوئی تھی آت بازار (سخاس) محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی جامع مسجد کے بجانب شرق ہے۔ اول تو وہاں کوئی گھوڑا ہی نہ تھا۔ لیکن اگر ہوں بھی تو اس شدت کشا وہ میدان سے جسپر فرش کی بجائے چھوٹے بڑے سنگریزے اور پتھر پڑے ہوئے تھے۔ بڑھکر بڑی جگہ خریداروں کو گھوڑے دکھانے کے لئے کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ میدان ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عمودی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ اور اُسکے چاروں طرف متعدد شکستہ حال چوبی مکان ہیں۔ جنمیں اکثر تاریک دبلا ہوا کوٹھریاں اصطبل کا کام دیتی ہیں اور اُنمیں متعدد مالکوں کے صدرے چند گھوڑے معمولی تہانوں پر بُری طرح سے بندھے رہتے ہیں۔ عموماً دو تین دبو قامت سنگین جانور اور بارہ چودہ پست قامت مضبوط جسم سالونیکی یا بوداں موجود رہتے ہیں۔ ایکدفعہ مینے وہاں ایک عجیب الخلقت گھوڑا دیکھا۔ کہ شاید ساری عمر اُس کے سانحہ کا دکھائی نہ دے۔ اُسکی ٹانگوں کی لمبائی بھی سے قیاس کرلو کہ وہ پوری اٹھارہ مٹھی بھر بلند تھا۔ مگر ٹٹوں میں متذکرہ صدر سالونیکی یا بوداں دیسی کسی ایک سے

[1] مسٹر ولفرڈ بلنٹ مصنف کتاب فیوچر آف اسلام۔ اس جنٹلمین کو گھوڑوں کو بہت شوق ہے۔ عباس اول خدیو مصر نے عربی گھوڑوں کا جو اسٹڈ قائم کیا تھا وہ اسی شخص نے کئی لاکھ روپیہ کو خدیویہ خاندان سے خریدا تھا۔ مسٹر موصوف کے اصطبل گل انگلستان بہر میں مشہور ہیں۔ (مترجم)

زیادہ نہ تھا۔ ہمارے گھر میں ٹوپیاں رکھنے کا ایک پرانا چرمی بکس چلا آتا ہے۔ سال کا کوئی موسم نہیں جبکا اُسے ذاتی تجربہ نہ ہو کوئی ڈاک گاڑی ایسی نہ ہوگی جس کی اُسنے سیر نہ کی ہو۔ اور جہاں میں شاید کوئی ہی ایسا شہر ہوگا جسکے نام کے پرچے سبز سرخ سفید زرد نیلگوں وغیرہ رنگ کی اُسپر چسپاں نہ ہوں۔ الغرض اس دیو کا سر یعنی اس ٹوٹے پھوٹے چرمی بکس کے شناسا تھا یہ جانور فی الواقع ایسا عجیب الخلقت تھا کہ کئی منٹوں تک میری نظر اُسپر جمی رہی اس سے میرے راہنما جو نخاس کا مہتمم اور اعلے دلال تھا شبہ سا ہو گیا کہ شاید میں اُسے خریدنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور وہ میری طرف کمال تعجب و حیرت سے دیکھنے لگ گیا۔ بعد سب سے آخر جو گھوڑا مجھے دکھایا گیا وہ فی الواقع دیکھنے اور خریدنے کے قابل تھا۔ اُسے ایک ایسی تاریک کوٹھری کے قعر عمیق سے نکالا گیا کہ اگر یورپ کے کسی گھوڑے کو چند لمحے بھی اُسمیں بند رکھا جائے تو اُسے سکتہ ہو جائے سائیس نے صاف کرنے کے لئے خرخرے کے دو چار یونہی سے رگڑے لگا کر اُسے میرے سامنے کیا اُس سے بہتر عربی گھوڑا عرب سے بھی دستیاب ہونا مشکل تھا۔ گھوڑے کی جو خوبیاں اور وصف آت بازار جانے سے پہلے میرے دماغ میں ذہن نشین تھے وہ سب اُس میں موجود تھے۔ یہ بھی گاؤدم ٹانگیں چھوٹے چھوٹے پاؤں۔ سر کسیقدر بڑا اور استخواندار۔ کان چھوٹے اور سیدھے۔ جلد ریشم ایسی نرم اور رنگ شوخ کمیت۔ تازہ ہوا میں پہنچکر اُسنے جسم کو جھنجھوڑا۔ اور پھر زور سے ہنہنایا گویا اپنے اصطبل پر کمال نفرت ظاہر کی۔ وہ گداگروں میں بادشاہ۔ اور کمینوں میں مرد میدان تھا۔ اور اُسے دیکھکر میری توقع و امید کا کچھ حصہ پھر بحال ہو گیا۔

مگر قسطنطنیہ میں ایسے شاندار جانور کم دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ سے گھوڑے باہر لیجانے کی ایسی سخت ممانعت ہے۔ کہ بڑے بڑے جلیل القدر بھی اسکی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے اسوجہ سے سلطنت کے اندر عرب گھوڑوں کی عام کثرت ہونی چاہیئے۔ اس امتناعی حکم کی تعمیل کرانا بھی ویسا مشکل نہیں۔ جیسا کہ اُس حکم کی تعمیل کرانا جو تمام ایسی چیزوں کے باہر لے جانے کی ممانعت کرتا ہے جنپر کوئی مذہبی عبارت تحریر یا چھپی ہوئی ہو۔

نخاس کا ذکر آجانے پر سراجوں کا بازار بھی یاد آگیا ہے۔ یہ ایک بجائے خود چھوٹا سا محلہ ہے جو استنبول کے مشہور بازار دیوان یول کے متصل واقع ہے۔ زینوں اور سازوں کے بنانے اور چمڑہ کی تیاری کا کام کسی زمانہ میں اس ملک میں بہت زور پر تھا۔ اور ایسے ملک میں جہاں صرف گھوڑوں کی ٹوٹل

یا دیگر بارکش جانوروں کے ذریعہ ہی آمد و رفت ہوتی تھی ایسا ہونا ناممکن تھا بھی لازمی۔ امرا اپنے جانوروں کے ساز و یراق کو بڑی بڑی لاگت اور صرف سے بنواتے تھے۔ اور اس کام کی ایسی عزت تھی کہ سراجوں اور زین سازوں کی ایک مستقل جماعت بنگئی تھی۔ دیگر صنعتوں کی طرح یہ صنعت بھی چند برسوں سے ترکی میں بہت متنزل ہوگئی ہے۔ لیکن پھر بھی اب تک بعض بعض چیزیں وہاں دیگر ممالک سے بہتر تیار ہوتی ہیں۔ بازار سراجاں میں میرے خیال میں ۱۰۰ سو دوکانیں ہونگی یہ تقریباً شیشہ نما عمارتیں ہیں۔ انکے آگے ازار کی سطح سے تھوڑی سی بلندی پر چوبی تختے لگے ہوئے ہیں جو پتھر کے برآمدے اور انڈے یا برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ دوکاندار ان برآمدوں میں تیار اسباب فروخت کے لئے لٹکا کر سارا دن چوبی تختوں پر بیٹھے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اکثر چیزوں کا چمڑا روسی بنایا جاتا ہے۔ مگر دراصل وہ مشرقی (یعنی ملکی) ہی ہوتا ہے جسمیں ایک خاص طرح کی بو اس طرح سے پیدا ہو جاتی ہے کہ چمڑے کو معمولی طریق سے کمانے کی بجائے پتوں کے دھوئیں سے کمایا جاتا ہے۔ ان دوکانوں میں چرمی مخملی یا بانات کے بڑے بڑے چار جامے اور انہی کے ہم اندازہ وزندار گلیم جنکی باگوں پر دستی سلائی سے بیل بوٹے کاڑھے ہوتے ہیں۔ جسقدر چاہو دستیاب ہو سکتی ہیں۔ خاص دارالخلافہ میں ان کا عرصہ سے رواج نہیں رہگیا۔ قبول اور خرجیاں بھی ہر قطع وضع اور حجم کی یہاں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی ساخت میں سادگی اور استادی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور لمبے سفروں میں جو پشت توسن پر کئے جاتیں بہت مفید ثابت ہوتی ہیں قسطنطنیہ سے اکثر لوگ ایشائی علاقہ کی طرف ایسے سفر پر جاتے ہیں کل بازار میں سب سے عمدہ چیز خرجی صندوق ہیں۔ یہ مضبوط روسی چمڑے کے ہوتے ہیں اور ایسی استادی مضبوطی اور صفائی سے بنے ہوتے ہیں۔ کہ یورپ بھر میں انکی نظیر نہیں مل سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ٹرکی میں شہر کی چار دیواری کے اندر مردوں کے دفن کرنیکی ممانعت نہیں۔ مگر قبر پر قبر بنانے کو رواج ایسا ناپسند کرتا ہے کہ قبرستانوں کیلئے بہت وسیع رقبہ ضروری ہے۔ استنبول اور پیرا کی مساجد کے قرب وجوار کے بیشمار چھوٹے چھوٹے قبرستانوں اور ان گنت مقبروں کے علاوہ استنبول الاسکودر کے گرداگرد خشکی کی طرف قبرستانوں کا تقریباً ناتمنا ہی سلسلہ چلا گیا ہے۔

بطور قاعدہ عمومیہ ہر مسجد کے متصل اسکے بانی اور بانی کے زن و اطفال کی قبریں ایک چھوٹے سے قبرستان یا مقبرہ میں بنی ہوتی ہیں۔ ان مقبروں میں سے بعض کی عمارتیں کثیر الزاویہ اور اکثر کی

ہشت پہلو ہیں۔ یہ آٹھ ضلعے اللہ محمد ۔ اور چھ اماموں کے ناموں کی تعداد کی مناسبت سے ہیں شہر کی سب سے شاندار اور پُرتکلف عمارتیں یہی مقبرے ہیں۔ اور انہیں میں وہ کہربلیں لگی ہوئی ہیں جنپر فن تحریر کے بہترین نمونے موجود ہیں متوفی کی لاش اسلامی رواج کے مطابق درمیانہ قد کے آدمی کو برابر گڑھا کھود کر دفن کیجاتی ہے۔ سلطان یا بانی مسجد کی قبر ہمیشہ عین دروازہ کے سامنے اور اُسکی بیویوں بچوں کی قبریں اُسکے گرداگرد سلیقہ سے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر قبر پر چوبی صندوق یا تعویز بنا ہوا ہے۔ یہ صندوق مدفون کی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں کل استنبول میں سب سے بڑا تعویز محمد ثانی کی قبر کا ہے۔ یہ صندوق سیاہ مخمل کی چادروں سے جنکے حاشیوں پر زردوزی کا بیش بہا کام ہوا ہوا ہے ڈھکی ہوئی ہیں بعض بعض مقبروں میں ان چادروں پر بے بہا دوشالے بھی ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ سب چادریں اور دوشالے کچھ عرصہ حضرت سرور کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کی مرقد منورہ پر رہنے کے بعد ان قبروں پر ڈالے گئے تھے ان کل مقبروں میں سب سے عجیب مقبرہ سلطان سلیم کا ہے جسکی قبر کے گرداگرد اُسکی چاروں بیویوں اور تقریباً چالیس لڑکے لڑکیوں کی جو سب کے سب صغر سنی میں فوت ہوگئے تھے قبریں موجود ہیں۔ لڑکیوں کی مزاروں سے لڑکوں کی قبروں کی تمیز چھوٹے چھوٹے سفید عماموں سے ہو رہی ہے۔ ہر ایک مقبرہ میں چاندی کا ایک ایک صندوق رکھا ہے جنمیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ریش مبارک کا ایک ایک بال تیمناً و تبرکاً بند ہے۔ قبروں کے گرد جنگلے بنے ہوئے ہیں جنمیں سے بعض ٹھوس چاندی کے ہیں۔ ان عمارتوں کا مسجدوں کے برابر ادب کیا جاتا ہے۔ فرشوں پر قالین بچھے ہوئے ہیں جنپر غلیظ پاؤں بیکر کوئی نہیں جاسکتا۔ سلاطین کے مقبروں میں بادشاہوں کی قبروں کے سرہانے بالعموم تین تین چار چار رحلیں جنپر نہایت اعلےٰ درجہ کی صنعت کا کام کیا ہوا ہے رکھی ہوئی ہیں اور اُنپر کمال خوش خطی و نقاشی قلمی قرآن مجید ہیں۔ انمیں سے مقبرہ کے مہتمم ہر روز چند سورتیں پڑھ چھوڑتے ہیں۔ بعض بعض قرآن شریفوں کی طلاکاری ایسی بدیع اور شوخرنگ ہے۔ کہ یورپ میں اُن کی نظیر موجود نہیں۔ اور زمانہ وسطیٰ کی نہایت خوش قلم اور طلاکار کتابوں کے بہترین صفحات بھی اُنکے سامنے گرد ہیں۔

مقبروں کے علاوہ اکثر مسجدوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قبرستان بھی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی جگہیں بالعموم خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ انمیں چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ یادگاری ستون مختلف اوضاع میں کھڑے ہیں اور گلاب کے درخت اور دوسری جھاڑیاں انمیں بکثرت اُگی ہوئی ہیں۔ ترکی میں قبروں کی مرمت کرنے کا رواج نہیں اسلئے یادگاری

ستون جو عموماً لمبے۔ نازک اور عمودی ہوتے ہیں۔ جلد ٹیڑھے ہو کر ادھر اُدھر جھک جاتے ہیں جس سے قبرستان کی شکل عجیب غریب اور ڈراؤنی سی ہو جاتی ہے۔ سلطان محمود کے وقت میں کسی کو رواج دینے کے زمانہ تک مردانہ قبروں کے سرہانہ کے پتھروں پر عمامے کندہ کئے جاتے رہے۔ بعد ازاں اس کا عام دستور ہو گیا جنکو شروع میں سرخ رنگ دیا جاتا ہے اور نیلا پھندنا بھی بنا دیا جاتا ہے۔ مگر یہ رنگ جلدی مٹ جاتا ہے۔ ستونوں کے درمیانی حصہ میں عموماً طویل کتبے لکھے ہوتے ہیں۔ پہلے بسم اللہ۔ اور قرآن شریف کی کوئی آیت اور پھر متوفی کے مختصر حالات درج ہوتے ہیں۔ عورتوں کی قبروں پر یا تو قطعاً کوئی نشان نہیں ہوتا۔ یا زیادہ تر سورج مکھی کا پھول اور بعض بعض پر کوئی بیل بوٹا یا شاخ بنا دی جاتی ہے۔ اُن کے ستونوں پر بالعموم منظوم کتبے ہوتے ہیں بعض بعض قبروں پر تو بڑی قیمت اور لاگت سے شاندار یادگاریں بنوائی ہوئی ہیں۔ مگر بلا مرمت رہنے سے اُنکی اصل کیفیت باقی نہیں رہگئی۔ ان چھوٹے چھوٹے قبرستانوں میں سے اکثر میں خود قبروں کی سطح سے منسلک میں خوب صفا روشنیں موجود ہیں۔ جو دونوں طرف کی بے ترتیب جھاڑیوں اور درختوں کے مقابلہ پر عجب حیرت بخش معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ زیادہ تقدس میں مشہور ہوں اون کو بالعموم خاصکر متصلات میں علیحدہ احاطہ میں دفن کر کے اونکی قبروں کے گرد جنگلا لگا دیا جاتا ہے اور اوپر چھت یا گنبد بنا دیا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کے مزاروں پر جس طرح رومن کیتھولک ملکوں میں عیسائی اولیا کے مزاروں پر ہوتا ہے۔ سات کو عموماً متعدد چراغ روشن دکھائی دیتے ہیں جنکو منتیں ماننے والے جلا جاتے ہیں مسلمان متوفی کو نہ فقط ادب سے یاد رکھتے ہیں۔ بلکہ اون کا اعتقاد ہے کہ متوفی بزرگوں کی شفاعت اور دعا بھی مستجاب ہوتی ہے۔ بزرگوں کی قبروں کی اردگرد کی جھاڑیوں پر اکثر سینکڑوں ہزاروں چیتھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو زائرین اپنے کپڑوں سے پھاڑ کر جھاڑیوں سے اٹکا جاتے ہیں۔ اون کا اعتقاد ہے کہ ایسا کرنے والا بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر کل دفنوں میں سب سے زیادہ دلکش اور منقش وہ بڑے بڑے قبرستان ہیں جو فصیلوں سے باہر ہیں۔ وہاں ہونکی قبروں پر بڑے بڑے شاندار سرو جنکی عمریں کئی صدیوں سے کم نہیں سایہ فگن ہیں۔ اور وہ سایہ ایسا گہرا ہے کہ موسم گرما کی دوپہر کو بھی ایک گونہ تاریکی سی رہتی ہے۔ سرو کے سایہ میں کوئی اور پودہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے زمین پر قصر یا کوئی جھاڑی بوٹی نہیں۔ ہر طرف جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ خاکی بیل یادگاری ستونوں کی نامتناہی قطار در قطار دکھائی دیتی ہے۔ کوئی سیدھا کھڑا ہے۔ کوئی جھکا ہوا ہے۔ کوئی دائیں بائیں یا آگے پیچھے زمین پر پڑا ہے۔ کہیں کہیں لمبے لمبے خاصلوں پر بعض بعض ستونوں پر شوخ رنگ کا نشان چمکتا نظر آتا ہے۔ یہ رنگ

مردانہ قبروں کے ستونوں پر سروں کا ہیجیو موسم کے انقلابات نے ابھی تک دور نہیں کیا۔ یہ قبرستان دوپہر لودھندلی یا نیم... تاریک شفق کے وقت کسی قدر اور رات کو بالکل ڈراؤنے اور ہیبت انگیز ہوتے ہیں۔ ان قبرستانوں کو دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ترک بہوت پریت۔ غول وجنات اور عالم ارواح کے متعلق تمام دیگر اقسام کی وہمی وہشت انگیز چیزوں پر کیوں اور کس طرح اعتقاد کرتے ہیں عوام الناس ترکوں کو ان باتوں پر ایسا یقین ہے کہ جانباز اور تقدیر کا قایل مسلمان گو اور سب طرح سے موت کا مقابلہ کرنیکے لئے فی الفور تیار ہو جائیگا لیکن اگر اُسے قبرستان میں رات کیوقت گذارنا پڑے تو بچہ کی طرح تھرتھرائیگا۔ بہرحال یہہ امر واقع ہے کہ قبرستان بالخصوص شام کے بعد ہرگز محفوظ مقام نہیں رہتے کیونکہ اسی وہم کی بدولت فراری مجرموں اور بدمعاشوں کو ان میں خوب محفوظ امن اور جائے پناہ ملجاتی ہے۔ اور وہ اُن میں پناہ جالیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی طرف سے ایک وکیلے مسافر یا راہرو کے ساتھ جو کچھ سلوک ہوسکتا ہے اسکو بتانے کی کوئی احتیاج نہیں۔

لیکن اس تاریکی و وحشت اور ویرانی کے باوجود یا شاید انہی باتوں کی بدولت ترکی قبرستان عیسائی قبرستانوں سے بدرجہا زیادہ دلفریب اور خوشنما ہوتے ہیں۔ عیسائی قبرستانوں میں یادگاریں بالکل بے مذاق اور بھدی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں قطعًا بے محل معلوم ہوتی ہیں۔ اور کتبے بھی روکھے پھیکے اور بے لطف سے ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر ترکی قبرستان ایک صاحب ہوش و ذکا کی نظر میں عیسائی قبرستانوں پر دو بڑی فوقیت اور فضیلت رکھتے ہیں جو ہزاروں برسوں کے پرانے جنگل کو جس کے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوں۔ ایک چھوٹے سے باغ کے مالی کے لگائے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودوں اور کیاریوں پر ہے۔ موجودہ زمانہ کی وضعیت جو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وہ بھی زمانہ کے فیشن کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہے مسلمان اس غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مردوں کی قبروں کو سجا سجا کر رکھنا اور تعزیہ دار بنانا جس طرح گرجا گھر اور کتب خانہ میں کتابیں فہرست کے مطابق عین سلسلہ وار جمائی ہوئی پوچھ کر رکھی جاتی ہیں مجھ کو یہہ بات سمجھ نہیں آتی موجودہ مسیحی قبرستان کیا ہیں۔ اچھے خاصے تجارتی اور کاروباری دفتر ہیں کہ کوئی چیز قرینہ و سلیقہ کے بغیر نہیں۔ کیا ان لوگوں کی روحوں کو جو پرانے مذاق اور خیالات کے آدمی تھے ایسی جگہ کوئی آرام مل سکتا ہے ہم چینیوں کی طرح قبر اور بزرگ پرست نہیں۔ اور ہم میں سے جنکو آخرت اور عالم ثانی پر اعتقاد ہے وہ بخوبی

جاتے ہیں کہ راحت و آرام دے جنا۔ یا عذاب سزا روح کیلئے ہے نہ کہ جسم کیوا سطے۔ تو کیا پھر اوس چیز کے محفوظ رکھنے کے لئے جو بموجب اس اصول کے بالکل فضول اور بے کار شئے ہے۔ بڑی بڑی قبریں صرف کرنا حماقت اور سفاہت نہیں ہے؟ کسی یورپین شہر میں مرکر زمانہ حال کی نئی مدعتوں صندوق ساز۔ مجاور قبرستان۔ مرمری تعویذ بنانے والے۔ اور میونسپلٹی کی دستبرد اور لوٹ مار کا شکار بننے کی بجائے میں تو اسو ہزار درجہ بہتر جانتا ہوں کہ سفری سیاحت کرتے کرتے اگر موت آجائے تو زیر فلک کسی دامن کوہ پر لیٹ گئے۔ یا بحری سفر میں موت آپہونچے تو پاؤں میں وزن باندھ کر لاش کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔ یا غایت درجہ خیر کسی قبرستان میں ہی زمین کھود کر دفنا دیا جائے۔ اور اوپر سے مٹی ڈال کر قبر کو بے نام و نشان چھوڑ دیا جائے۔ موت کیا اور یہ تکلف کیا۔ لیکن میری نصیحت کون سنتا ہے۔ موت تو اٹل ہے سب کو آئیگی۔ باقی رہی تدفین۔ وہ ہمیشہ قوموں کو اپنے اپنے مذاق پر بھٹر ہوگی۔

پیرا و غلطہ

اب تک میں نے پیرا و غلطہ اور اون گنجان آباد مضافات کا جو خلیج گولڈن ہارن کی شمالی جانب میں ہیں بہت کم ذکر کیا ہے۔ اہالی جنوا کا یہ پرانا شہر (غلطہ و پیرا) قسطنطنیہ میں نہ پہلے کبھی شامل ہوا۔ نہ آئندہ کبھی ترکی دار الخلافہ میں فی الحقیقت داخل سمجھا جائیگا۔ وہ ایک طرح سے شروع سے ہی علیحدہ آبادی چلی آتی ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ سلطان المعظم "بشکطاش" کے انتہائی سرے سے اوپر یلدیز کوشک میں جو حال ہی میں تعمیر ہوا ہے رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ دنیا میں ہوتا آیا ہے بادشاہ کی موجودگی کی وجہ سے اکثر بڑے بڑے امرا اور جلیل القدر اہلکار بھی اوسی نواح میں جا بسے ہیں۔ مگر یہ جگہ پیرا اور غلطہ سے پرے ہے۔ ان دونوں جگہ زیادہ تر عیسائی اور یہودی ہی جن میں بہت سے یورپین ہیں آباد ہیں۔ اور اسی لئے وہاں کے بازاروں میں بہت کم شرقیت اور بنابریں دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ پیرا امرا و قنسولین کا محلہ ہے۔ یورپین سفرا موسم سرما میں اسی جگہ رہتے ہیں۔ اور یہیں وہ یورپین حرف اور تاجر جن کا کام بن جائے اپنی رہائش کے لئے بدمعاشوں کے خرابا کمدلوں کے درمیان اپنے عالیشان اور پر تکلف محل بناتے رہتے ہیں۔ باقی رہا غلطہ۔ اوسکو کل دنیا کی بدمعاشیوں اور خرابا تیوں کے خمیر کا منتخب اور کھولتا ہوا چوپچہ سمجھنا چاہیے۔ میرا قیاس ہے کہ دنیا کے کسی اور شہر میں ایسی سیاہ کار اور بد باطن آبادی نہیں پائی جائیگی۔ جیسی کہ کنارہ آب یعنی قاسم پاشا سے لیکر توپخانہ عامرہ (توپ خانہ) تک کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ جس شخص کو مجرموں کے علم قیافہ کا شوق ہے۔ وہ اس

علاقہ کو اپنے مطالعہ اور علمی تحقیقات کیلئے نہایت مفید پائیگا۔ کیونکہ یہاں کے غلیظ بازار۔ زہر آلود گلیاں۔ اور مسموم شراب خانے اور قسم کے بدمعاشوں کے بدترین نمونوں سے جن کو مجبوراً مہذب بدمعاش کہنا پڑتا ہے۔ ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ یہ ایسی حیثیت کے لوگ ہیں کہ بالائی محلہ پیرا کے یورپین ہمیشہ اون سے خایف رہتے ہیں اور دوسری طرف (یعنی استنبول) کے ترک بالکل بجا طور پر اون کو کمال نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں کے ارمنی اور یونانی باشندے جو ایک طرح سے زیر زمین زندگی بسر کرتے ہیں طرح طرح کی بدمعاشیوں سے خوب پیسہ کماتے رہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ سب لوگ عیسائی ہیں۔ اور کسی نہ کسی یورپین سلطنت کی رعیت بن کر اوس کے سفیر کی پناہ میں رہتے ہیں ترکی حکام اپنے ملک کی پولیٹیکل حالت کے لحاظ سے کسی بدمعاش کو گرفتار یا سزا دینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان لوگوں کی آزادی میں ذرا سی بھی مداخلت کریں تو ممکن ہے کہ وہ حکومت جس کی پناہ میں ہونیکا یہ لوگ مدعی ہوں فی الفور اس امر کو وجہ مخاصمت اور جنگ کا بہانہ بنا لے۔ غلطہ میں کوئی ایسا شراب خانہ نہیں جس کے ساتھ مکان کے پچھواڑے کسی خفیہ کمرہ میں قمار خانہ نہ ہو۔ پیرا کے بھی چند مشتبہ اور مخرز قہوہ خانے اس بدعت سے خالی نہیں۔ ان میں گول میز کے ذریعہ سے جوا کھیلا جاتا ہے جس پر گھڑی کے ڈائل کی طرح نمبر اور بٹے بھی سوئی لگی ہوتی ہے۔ چکر میں دو جگہ صفر اور نو یا دس جگہ اعداد لکھے رہتے ہیں۔ اگر کوئی نو وارد بفرض محال خوش نصیبی سے کچھ جیت بھی لے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ جیتی ہوئی رقم کو اپنے ساتھ بچا سکے۔ ہر ایک قمار خانہ میں مصنوعی پولیس موجود ہوتی ہے۔ جو اشارہ پاتے ہی فوراً اوس شخص کو کمرہ سے باہر نکلتے ہی لوٹ لیتی ہے۔ اور اگر ضرورت آپڑے تو اوس کو قتل کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

باقی رہا اسکودرہ جو باسفرس کے ایشیائی ساحل پر واقع ہے۔ اوس کا رنگ ڈھنگ بالکل ہی نرالا ہے اس میں زیادہ تر ترک آباد ہیں عیسائی بہت کم ہیں۔ ناظرین سے ترکوں کا ایشیائی محض مخفی نہیں۔ مگر دونوں براعظموں کے محل اتصال پر اپنی اوصاف حمیدہ سے انہوں نے خاص امتیاز حاصل کر رکھا ہے۔ اسکودرہ سے کچھ ہٹ کر جہاں طمانیت اور سکون سانس لیتا ہے۔ وہ طرفہ مکانات کی ٹھہریاں اور ویرانے والی وادیاں ہیں جن سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ اون میں مسلمان آباد ہیں۔ مکانات کی قطع وضع اور حیثیت سے گو واضح ہوتا ہے کہ اون کے مالک چنداں خوشحال اور فارغ البال نہیں۔ تاہم وہاں کچھ ایسی خوشگوار

خاموشی اور باامنی پائی جاتی ہے کہ استنبول کے بارونق اور پُر ازہجوم بازاروں اور غلطہ کے دماغ کو منتشر کر دینے والے خرابا تکدوں سے نکلکر طبیعت کو اسجگہ بہت فرحت اور راحت ملتی ہے۔ بازاروں میں خلقت کا بہت کم ازدحام رہتا ہے۔ اور اسپی گاڑیاں پرانی قسم کی اور بہدی ہیں۔ بیلوں کے چھکڑے بھی بافراط ہیں۔ یہہ چھکڑے نیچے اور لمبے سے کھینچے بہت بہدے اور موٹے۔ اور اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ کنبہ کا کنبہ معہ کل اثاثہ گھنگران میں سما سکتا ہے۔ اور ایسا اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ عورتیں اور بچے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب ٹھنس کر اور کنبہ کا مالک عموماً گاڑی کے ہچکولے کھاتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اوس کے چہرہ کا بشرہ اوس وقت بعینہٖ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایسے حالات میں یورپین خاندان کے بزرگ کا ہوتا ہے۔ یعنی تردد و تکان۔ آزردگی اور حجاب یہہ سب باتیں اوس بشرہ میں پائی جاتی ہیں۔ جو اہل مشرق کے متین و ثقہ چہروں پہ ہرگز زیب نہیں دیتیں۔ مگر عورتیں جنکو نقاب استنبول کی عورتوں سے زیادہ دبیز اور نیچے ہوتے ہیں سفر کا بڑی دلچسپی لطف اٹھاتے ہیں۔ اور راستہ میں ہر ایک چیز کو بڑے شوق سے دیکھتی جاتی ہیں۔ اور جس وقت کسی یورپین کی ہلکی پھلکی گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی اون کے پاس سے گذرتی ہے۔ تو وہ اچنبھے کی نگاہ سے اوسکو تکتی رہتی ہیں۔ جوں جوں مضافات میں بڑھتے جاؤ بیلوں کے چھکڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسکو درہ میں قابل دید چیزیں کوئی زیادہ نہیں۔ ہاں اگر تم وہاں کی عمومی پہاڑی پہ چڑھنے کی تکلیف گوارا کرو تو اوس کی چوٹی سے تم چاروں طرف فی الواقع نہایت شاندار نظارہ کر سکو گے۔

قاضی کوئی

قصبہ قاضی کوئی جو قدیم قصبہ کالیسیڈون کے موقع پر آباد ہے اسکو درہ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے۔ اوس کا محل وقوع بھی نہایت خوشگوار اور خوشنما ہے۔ اور مزید برآں اوس میں ایک ترکی تھیٹر بھی ہے۔ کل قسطنطنیہ اور اوس کے قرب و جوار میں یہی ایک تھیٹر ہے۔ ٹاٹک گھر شہر کے پچھواڑے ایک عریض مرغزار کے سرے پر چوبی تختوں کی بہدی سی عمارت ہے۔ پردے معمولی۔ موسیقی قابل نفرت اور تماشبین صرف مرد ہی مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ مگر اوس کا مالک اور منیجر ایک اعلیٰ پایہ کا ایکٹر (سوداگر بہر نوع الانتقال) ہے۔ وہ ٹھیٹھ ترکی ہے اور اگر اوس کی پوری پوری سرپرستی اور معاونت کیجائے۔ تو اوس کا تھیٹر دنیا کے کسی اور تھیٹر سے کم نہ رہے۔ ہفتہ میں دو یا تین دفعہ تماشا ہوتا ہے۔ جو فقط دن کو کیا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ وقت مقررہ پر پردہ

اٹھا کر کھیل کو شروع کر دیا جائے۔ بلکہ سامعین و ناظرین کی آسائش و فراغت کو وقت کی پابندی پر مقدم کیا جاتا ہے۔ عمارت گو چوبی ہے۔ مگر تمباکو نوشی کی کوئی ممانعت نہیں سب سگرٹ پیتے رہتے ہیں۔ اور یہ تیاکی تو کوئی ضرورت نہیں کہ جہاں ترکوں کا کچھ بھی مجمع ہو۔ وہاں قہوہ بیچنے والے اور قہوہ فروش ضرور موجود ہونگے ٹاکوں کے محل وقوع عموماً وہ فرضی ایشیائی ممالک ہوتے ہیں جو قصہ کہانیوں میں مذکور ہیں۔ کھیل کی روح رواں صرف مالک مینیجر ہے۔ جو ایسی عمدگی سے ایکٹ (کھیل) کرتا ہے کہ جو لوگ ترکی زبان نہیں سمجھتے وہ بھی عش عش کر اٹھتے ہیں۔

قاضی کوئی سے پرے بحیرہ مارمورہ کے ساحل پر بھی جزائر شاہزادگان کے مقابل ایسا مقام ہے جو خوبصورتی اور خوشنمائی میں قرب جوار کے کل مقامات پر فضیلت رکھتا ہے۔ اس کا نام "کنار باغچہ" (روشنی کے مینار کا باغ) ہے۔ یہ خوبصورت جھنڈ ایک چھوٹی سی راس کے سمندر کی طرف کے انتہائی سرے پر واقع ہے۔ اسکے شمشاد سینکڑوں سال سے انقلاب دیکھتے ہوئے ہیں کبھی وہ دیو ہیکل کے سمندر پر سایہ فگن تھے۔ بعد ازاں قصر جسٹینین کے نابستانی محل پر پرتو فگن ہے۔ اور اب اون خودرو اور جنگلی پھولوں پر سایہ ڈال رہے ہیں جو ان دونوں عمارتوں کے در و دیوار اور منہدم بنیادوں پر اُگے ہوئے ہیں۔ گرمی کی موسم میں یہاں ہر وقت سطح سمندر سے ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ یونانی ماہیگیر اپنے جالوں کو خشک کرنے کے لئے دھوپ میں پھیلا کر خود سایہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور امرا کے مرغوب خاطر مقام مودا بورنو (راس ہوپ) اور اس مقام کے درمیان کی خلیج میں جو سرکنڈوں کی خلیج کہلاتی ہے چند چھوٹی بڑی تفریحی کشتیاں دکھائی دیتی ہیں۔

اس نواح کی قدر و منزلت دن بدن لوگوں کے دلوں میں بڑھ رہی ہے۔ تابستانی رہائش کیلئے اب اور سے زیادہ پسند کیا جانے لگ گیا ہے جس سے باسفرس کی قدر گھٹتی جاتی ہے اور اس طرف زمین کی قیمت روز بروز ترقی پر ہے۔ یہاں کی ہوا نسبتاً خشک ہے اور شام کو وہ سخت خنک ہوا نہیں ہوتی جو باسفرس کی طرف بحیرہ اسود سے آتی ہے۔ اس نواح کے ساحل میں صرف یہ ایک نقص ہے کہ مودا بورنو اور فنار باغچہ ایسے متعدد موقعوں کے سوا درخت تقریباً ناپید ہیں۔

باسفرس

باسفرس کی مفصل کیفیت بیان کرنیکی اس مختصر سے سال میں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اوسکی خوبصورتی اور دلفریبی کے متعلق سیاحوں کی رایوں میں بہت اختلاف ہے۔ میرے نزدیک تو وہ خلیج نیپلز (اٹلی) یا کریمیا کے جنوبی ساحل سے لگاؤ نہیں کھاتی۔ ایک ناقد شناس امریکن سیاح

مجھ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بوسفورس اور ڈارڈینیلز کی خلیج کو تو اور باسفرس میں صرف یہ فرق ہے کہ پہلی چوڑی زیادہ ہے۔ اور آخر الذکر تار کی طرح لمبی کھنچی ہوئی ہے۔ ایں ہیں اس نے گو بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مگر یہ بیان صداقت سے بالکل معرا نہیں۔ یورپین اور اناطولی حصاروں (یعنی یورپین و ایشیائی قلعوں) کے گرانڈیل برج جن قلعوں کو محمد ثانی نے تعمیر کرایا تھا۔ بیشک نہایت پُر جلال عظیم الشوکت اور خوشنما ہیں۔ اور ان کے درمیان باسفرس کی دھار ایسی تیزی سے بہتی ہے کہ اوس کا نام ہی "شیطان کی دھار" پڑ گیا ہے۔ مگر اسوا ازیں اسکودرہ سے لیکر بحیرہ اسود کے دہانہ تک اس آبنا پر کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جسے شاندار اور عظیم الشوکت کہا جا سکے۔ اس کے دونوں ساحل دیہات بنگلوں اور دولہ باغچہ و یکلربک آیسے عالیشان سلطانی محلات سے لیکر غریب و نادار ماہیگیروں کی بے حقیقت جھونپڑیوں تک جو اناطولی تواق کے پاس ہیں ہر حیثیت اور ہر قسم کی عمارتوں سے معمور ہیں۔ کچھ عرصہ گذرا ہے کہ تب تک باسفرس وزراء سلطنت سفراء دول اور متمول یونانیوں کی مرغوب و پسندیدہ تابستانی رہائشگاہ تھی۔ موسم گرما میں یہ سب وہیں رہتے تھے۔ مگر جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں اب اوسکی قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور امراء و متمولین مودا بورنو اور جزائر شاہزادگان کو زیادہ پسند کرنے لگ گئے ہیں۔ تاہم یہ آبنائے بجائے خود خوبیوں سے خالی نہیں اور یہ خوبیاں اور دلفریبی صرف اوسی کا حق ہیں۔ دونوں طرف کی پست قامت پہاڑیوں کے نشیب فراز باغات سے ڈھنپے ہوئے ہیں۔ اکثر عمارات عین برلب آب واقع ہیں۔ اور خود سطح آب ہر وقت گوناگوں کشتیوں اور جہازوں سے پٹی رہتی ہے۔ دیہات عموماً یکساں وضع کے ہیں۔ مگر بعض بعض مقام مثلاً درہ آب نیلی۔ تہرا پیا۔ ہیوک درہ۔ اور وادی گلاب۔ خاص حسن و ملاحت رکھتے ہیں۔ درہ آب نیلی میں جسے یورپین "ایشیا کا آب شیریں" کہتے ہیں۔ یورپ کے آب شیریں" یعنی کاغذ خانہ (لفظ کیات ہے) کی طرح اکثر یہ جمعہ کے جمعہ سہ پہر کے وقت زن و فرزند کل کنبہ سمیت تفریح کے لئے جاتے ہیں اور اوس کے خوشگوار سایہ میں برلب دریا سگرٹ و قہوہ کا مزہ اڑاتے ہیں۔ بلغراد کا مشہور پُر فضا جنگل ہیوک درہ (وادی گلاں) سے ہی شروع ہو کر میلوں چلا جاتا ہے اور آخر بحیرہ اسود کے سواحل پر ختم ہوتا ہے۔ اس جنگل میں کئی نہایت عمدہ سڑکیں مختلف اطراف کو جاتی ہیں۔ اور پگڈنڈیاں تو بیشمار ہیں۔ ان میں سے سوار کسی پہ موسم گرما کی سہ پہر کو خواہ تیس میل چلا جائے۔ درختوں کا سایہ کسی جگہ بھی اوس کے سر سے دور نہ ہوگا۔ جو انسان اجتماع ضدین۔ دھوپ چھاؤں۔ پست و بلند۔ نور و ظلمت۔ ویرانی و رونق وغیرہ وغیرہ

دیکھنے کا اشتیاق ہو۔ اس سیر سے اوس کا یہہ اشتیاق بھی پورا ہو جائیگا۔

فرض کرو کہ اس کیلئے تم اپنے ہوٹل (واقع تھرا پیا) سے چار بجے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو۔ سوار ہوتے ہی تمہیں قریبًا قریبًا اپنے گرد و پیش یہہ سماں دکھائی دیگا۔ کہ بیوک درہ کی گھاٹ پر انبوہ جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ کچھ سٹیم بیلیا یہ کو آرہے اور کچھ وہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ سفید پوش قایقچی مسافروں کو قابو کرنیکے لئے اپنی اپنی کشتیوں پر مستعد بیٹھے ہیں۔ ایرانی تاجر سوداسلف لگانے کیلئے درختوں کے نیچے اپنے اپنے قالین بچھا رہے ہیں۔ بارہ چودہ ترکی سائیس اپنے اپنے مالکوں کے تیز و طرار گھوڑوں کو جن پر زینیں کسی ہوئی ہیں لئے ہوئے اِدھر اُدھر ٹہل رہے ہیں۔ ہزاری حجام سایہ دار گوشہ میں ایک ملاح کی حجامت کر رہا ہے۔ اور "قفلی فروش" "دو ندرمہ قیماق" کے آواز لگا رہا ہے۔ اُدھر ساحل سے پرے تین یا چار بادبانی کشتیاں لہر اور ہوا کا مقابلہ کرتی ہوئیں آہستہ آہستہ سطح آب پر تیرتی جا رہی ہیں۔ ان پر کوئی سفید سوار ہونگے جنکو بیکار بیٹھے ہوئے قصۂ فشارت کی کھچڑی پکاتے رہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ ادھر کلاب کی بھینی بھینی خوشبو دسی سفارت خانہ کے باغ کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر دماغ کو معطر کئے دیتی ہے چند لمحے نہیں تم ان سب چیز و نکو دیکھتے ہو اور پھر سامنے کے اونچے چھوٹے سے بازار میں سے جسکے دونو طرف قصابوں نانبائیوں اور غلہ فروشوں کی دوکانیں ہیں گذر کر وسیع میدان میں پہنچ جاتے ہو۔ وہاں سے تم کچھ دیر دائیں ہاتھ کو وادی میں اوپر کو بڑھ جانیکے بعد اس آسمر جنگل میں داخل ہو جاتے ہو۔ اور استنبول۔ باسفورس یونانی۔ ترک۔ ارمنی اور سفراء سب پیچھے چھوٹ جاتے ہیں۔ وہ سب حرف غلط کی طرح تمہارے دماغ سے محو ہو جاتے ہیں۔ اور تم خدای کائنات کی قدرتی صنایع و بدایع کے تماشہ میں مستغرق ہو جاتے ہو۔ اب اگر تم برابر بڑھے جاؤ تو شام کے قریب آخر ایک سنسان و دلمل کے کنارہ پہنچ جاؤ گے جہاں کی عمومی چٹانوں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر ان چٹانوں سے سمندر کی لہریں ٹکرا رہی ہیں۔ تم چاہو تو یہاں گھوڑے سے اُتر پڑو۔ اور ان کھنڈرات کے قریب جو کسی وقت جلاد طن "اوڈ" کا مسکن تھے کھڑے ہو کر بحر بے پایان (یعنی بحیرۂ اسود) کی موجوں کا جو دُور تک پھیلے ہوئے سمندر کی ترچھی کرنوں سے نسدمی مایل ہو رہی ہیں نظارہ کرو۔ اور اسوقت غالبًا تمہارا تصور اوس تمام سرزمین (یعنی علاقہ کوہ اُلرا ٹ کو جسے آرمینیا قفاز) کی طرف بھی جا دوڑے جو اوس موقعہ سے جہاں تم کھڑے ہو گئے کوئی بہت دور نہیں۔ اور جو اون پہلی اور بڑی قوموں کا گہوارہ رہ چکی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی استخوان نزاع قسطنطنیہ پر لڑتی۔ اور لڑیں اور ابھی اور صدیوں تک لڑتی رہینگی۔

تمام شد

ہر زمی کو گنا ساموس اور قبرس کے تمدن تجارت۔ بری بحری طاقت تعلیم۔ ریلوی۔ قرضجات۔ قومی صنعت وحرفت زراعت مردم شماری رقبہ طرز وآئین حکومت اور موجودہ پولیٹیکل حالت پر بحث کی گئی ہے۔ نہایت جامع کتاب ہے ڈمی کاغذ پر بہت خوشخط چھاپی گئی ہے قیمت عہ۔

تاریخ خاندان عثمانیہ مصنفہ مولوی محمد انشار اللہ صاحب جس میں ابتدائی خاندان سے لیکر حضرت سلطان المعظم کی تخت نشینی تک کے حالات درج کرکے سلطنت عثمانیہ کے عروج اور تنزل کو انبیاء اور یورپ و ٹرکی کے باہمی تعلقات شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اسکی دو جلدیں ہیں قیمت فی جلد (عہ)

محاربات پلیونا۔ یہہ کتاب ایک انگریز فوجوان نے جو ۱۸۷۷ء میں ستر برس کی عمر میں بطور والنیئر عساکر عثمانیہ میں داخل ہوکر غازی عثمان پاشا سپہ سالار پلیونا کی ماتحت پلیونا کی قیامت تک یادرہنے والے معرکوں میں شریک رہا تھا ۱۸۹۵ء میں بزبان انگریزی تحریر کی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ مولوی محمد انشار اللہ صاحب نبیرہ دارالانعام آباد نے اپنا ملک کو ان معرکوں کے مفصل حالات سے آگاہ کرنیکے لئے اردو زبان میں کیا ہے اور حسب ضرورت جابجا مفید حواشی بھی شامل کردیئے گئے ہیں اور پلیونا کی چاروں محاربوں کے رنگین نقشے بھی دیدیئے ہیں تین حصوں میں قیمت فی حصہ عہ

فیوچر آف اسلام یعنی اسلام کی حالت مستقبلہ۔ یہہ کتاب مسٹر لفرڈ بلنٹ نے جو اکثر بلاد اسلامی اور ہندوستان کی سیاحت کرچکے ہیں بظاہر مسلمانوں کی بہتری کو خیال سے تحریر کی تھی مگر دراصل اوکا مدعا عثمانیہ خلافت کو ضعف پہنچانیکا تھا لیکن ہمارے خلیفۃ المسلمین کے اوصاف حمیدہ ایسے ہیں کہ اس قسم کی بری نیت رکھنیوالا شخص بھی اوکا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب کا ترجمہ کرنیوقت کہ مصنف کے خیالات آرائی فاسدہ کی شاستر دید یکجا حرف نامناسب ہی نہیں بلکہ سخت مضر ہوا اسلئے مولوی محمد انشار اللہ صاحب نبیرہ دارالانعام آباد نے اس کمی کو پورا کرنیکے لئے کتاب ہذا کا اردو ترجمہ کرکے مسٹر بلنٹ کی ظاہری ہمدردی کی بخوبی قلعی کھولدی ہے اور جہاں کہیں ضرورت تھی حواشی میں اوسکی تحریر کی تردید بھی کردی ہے زیر طبع ہے قیمت عہ

رسم سلامتی۔ اعلیحضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین خادم الحرمین الشریفین سلطان عبدالحمید خان ثانی الغازی ایدہ اللہ بالدین کے ہر جمعہ کو نماز دوگانہ ادا فرمانے کے لئے بجلوس شاہانہ محل ہمایون سے جامع مسجد حمیدیہ کو تشریف لیجانے کی تصویر موٹے ڈمی کاغذ پر ۲۰ انچہ لمبی ۱۸ انچہ چوڑی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۴

درخواستیں بنام منیجر اخبار وکیل بھیجی جائیں

سٹریز آف دی کورٹ آف لندن یعنی دربار لندن کے اسرار۔ یہ عجیب و غریب ناول انگلستان کے مشہور ناولسٹ مسٹر رینالڈز کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے چار علیحدہ علیحدہ سلسلوں میں جنکا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں کے لوگوں کی لائف کا فوٹو کھینچنے کے علاوہ عیاشی۔ بدکاری شراب خوری۔ دغابازی اور ریاکاری کے برے نتائج اور نیکی۔ راستبازی۔ دیانتداری اور غریبوں پر رحم کرنیکی نیک خصایل کا بڑی وضاحت سے مفصل حال لکھا ہے ہماری فاتح قوم کی طرز معاشرت طبعی اور چلبی عادات کا پورا پورا بالتشریح خاکہ کھینچ دیا ہے اس کتاب کے پہلا سلسلہ کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے لیکن اس ترجمہ میں اخلاقی مضامین اور انکے مفید نتایج کو چھوڑ کر صرف عشقیہ قصوں ہی کو لے لیا ہے چونکہ ناول کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ عشقیہ قصص کی چاشنی کیساتھ اخلاقی اور علمی مضامین اور انکے نتایج حسنہ سے ناظرین کو مستفید کیا جاوے۔ لہذا ہم نے اس ضرورت کو پورا کرنیکے لئے مترجمہ سلسلہ کا حصہ پہلے دو سلسلوں سے کچھ بھی تعلق نہیں لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے۔ بایں ہمہ زبان کی خوبی اور ٹریجڈی کی عمدگی کو بھی نظر رکھا ہے اور جب موقع پڑا ہے اردو اور فارسی کے چٹکلے کہتے ہوئے شعر بھی چسپاں کر دیئے ہیں۔ کاغذ عمدہ اور چھپائی نفیس۔ کل کتاب جو ضخیم جلدوں میں تقسیم کیگئی ہے پہلی جلد تیار ہو چکی ہے اور باقی تینوں بھی زیر طبع ہیں قیمت فی جلد تین روپے (۳) عہ ۲ روپیہ کے خریدار کو محصول ڈاک معاف تاجروں کے ساتھ خاص رعایت کیجاویگی۔

مادل سوشل اور پولیٹیکل مضامین پر شائستگی اور آزادی سے بحث کرنیوالا اور سکا مشہور و معروف

اخبار وکیل

یہ اخبار عمدہ اور مطبع روشن پر اردو میں شایع ہوتا ہے اسکو پرنٹ آرڈیکلوں نے ملک کے نامی گرامی قدردانوں اور مشہور معاملہ فہم ناظرین کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ دنیا بھر کی خبریں اور بحث چھیڑ نکی نہایت ہی جلد اور سب سے پہلا ہم پہنچنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اسلامی دنیا کی حالات معلوم کرنیکے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اسکی طرز تحریر آزادی سچائی ہمدردی۔ اعلیٰ درجے کی ٹریجڑی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہی ایک اخبار ہے جس کو اخباری دنیا میں لاثانی ہونے کا دعویٰ ہے۔

اسکی اشاعت کے مقاصد یہ ہیں۔ جو ہمارے ملک اور قوم کی تمدن معاشرت اور عادل حالت کی اصلاح کیواسطے مفید ہوں انکو اہل ملک کی خدمت میں پیش کرے۔ اور حاکم و محکوم کو ان تعلقات کو بیان کرے جو رعایا کی جان نثاری اور حکام کی رعایا پروری کے اصل الاصول ہیں۔ اسکو ضمن میں رعایا کو واجب مطالبات اور جائز حقوق گورنمنٹ کے حضور میں عرض کرے۔ اور گورنمنٹ کی نیت علمی جو انتظام ملک کے متعلق ہو اس سے رعایا کو آگاہ کرے۔ اور جو غلط فہمیاں کسی فریق کی طرف سے عملدرآمد میں آئی ہوں انکو اظہار میں نہایت شائستگی اور دلسوزی سے آپس میں ربط پیدا کرے جو طریقہ اور پالیسی حکام سلطنت کا باعث ہو۔ علاوہ بریں جسکا توقع ہو مسلمانوں کی درماندہ قوم کی حالت ملکی ترقی کیلئے بغور تنقید و فحص کالم کو نذر کرے۔ اور بالخصوص اسکا فرض اہم ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں میں بہادرانہ اتفاق قایم کرنے اور آپسے دل کی باہمی نزاع سے جو نقصان ایک دوسرے کو پہنچتے ہیں انکو دور کرنے میں کوشش کرے

قیمت پیشگی و محصول ڈاک	سالانہ	قیمت پیشگی و محصول ڈاک	سالانہ
عام خریداروں سے	۱۲	طلبا اور کہ استطاعت اصحاب سے	۱۰
ہندوستان سے باہر	۱۵	اسٹنگ پونڈ پیشگی قیمت وصول ہوئے بغیر کسی نمبر کا نمونہ بھی نہیں بھیجا جاتا	

عہ

ع م ح ق 9145961

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔